رُودادِ جماعتِ اسلامی

حصۂ اوّل

سنہ ۴۱ - ۴۳ء

شعبۂ تنظیم

شعبہ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان

منصورہ —— لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رودادِ اجتماعِ اوّل

منعقدہ یکم تا ۵ شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵ تا ۲۹ اگست ۱۹۴۱ء

شرکتِ اجتماع[1] کے لئے دعوتِ عام

"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" میں اسلامی تحریک کی تشریح اور اس کے لیے کام کرنے والی ایک جماعت کی ضرورت ظاہر کی جا چکی تھی۔ اور اس مطلوبہ جماعت کی تشکیل کا نقشہ بھی پیش کر دیا گیا تھا۔ اس کی اشاعت کے بعد "ترجمان القرآن" ماہ صفر ۶۰ھ میں عامۃ الناس کو دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریہ کو قبول کر کے اس طرز پر عمل کرنا چاہتے ہوں وہ دفتر کو مطلع کریں۔ پرچہ چھپنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد اطلاعات آنی شروع ہو گئیں اور معلوم ہوا کہ ملک میں ایسے آدمیوں کی ایک خاص تعداد موجود ہے جو "جماعت اسلامی" کی تشکیل اور اس کے قیام اور بقاء کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ ہیں۔ چنانچہ یہ طے کر لیا گیا کہ ان تمام حضرات کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ایک جماعتی شکل بنا لی جائے اور پھر اسلامی تحریک کو باقاعدہ اٹھانے کی تدابیر سوچی جائیں۔ اس"

---

[1] یہ تاسیسی اجلاس مولانا مودودیؒ کی رہائش گاہ واقع اسلامیہ پارک لاہور میں منعقد ہوا۔

غرض کے لیے یکم شعبان ۱۳۶۰ھ (۲۵ اگست ۱۹۴۱ء) اجتماع کی تاریخ مقرر ہوئی اور جن لوگوں نے جماعت اسلامی میں شامل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تھا ان سب کو ہدایت کر دی گئی کہ جہاں ابتدائی جماعتیں بن گئی ہیں وہاں سے صرف منتخب نمائندے آئیں اور جہاں لوگ ابھی انفرادی صورت میں ہیں وہاں سے حتی الامکان ہر شخص آجائے۔

۲۸ رجب سے ہی لوگ آنے شروع ہو گئے اور یکم شعبان تک تقریباً ساٹھ آدمی آچکے تھے باقی کچھ لوگ بعد میں آتے رہے کل تعداد اجتماع کی ۷۵ تھی۔

کارروائی

یکم شعبان ۱۳۶۰ھ آنے والوں کا انتظار تھا۔ نیز بعض دوسری وجوہ سے بھی باقاعدہ اجتماع نہ ہو سکا۔ البتہ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر لوگ بیٹھ گئے تھے۔ صبح سے شام تک جماعت اور تحریک کے متعلق بے ضابطہ تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہا۔ شام کو دیر تک لوگ دفتر ترجمان القرآن کے صحن میں بیٹھے رہے۔ قریب قریب ہر شخص سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی طرف متوجہ تھا۔ لوگ مختلف قسم کے مسائل پیش کرتے اور مودودی صاحب انہیں حل کرتے رہے۔ عشاء کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور اپنی اپنی قیام گاہوں میں چلے گئے۔

۲ر شعبان - آٹھ بجے صبح دفتر ترجمان القرآن[1] کے کمرے میں پہلا اجتماع ہوا۔ سب لوگ فرش پر بیٹھے تھے۔ مودودی صاحب حضرات حاضرین کی اجازت سے کرسی پر بیٹھے اور اصل کارروائی شروع کرنے سے قبل آپ نے ایک نہایت اہم اور طویل خطبہ دیا جس کے دوران میں موجودہ اسلامی تحریک کی تاریخ پر بہت ضروری اور مفید روشنی ڈالی۔

افتتاحی خطاب

آغاز دعوت :-

اپنے افتتاحی خطاب میں مولانا مودودی صاحب نے فرمایا۔

ایک وقت تھا کہ عام مسلمانوں کی طرح میں خود بھی روایتی اور نسلی مذہبیت کا قائل اور اس پر عمل پیرا تھا۔ جب ہوش آیا تو محسوس ہوا کہ اس طرح محض مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کی پیروی ایک بے معنی چیز ہے۔ آخر کار میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف توجہ کی، اسلام کو سمجھا اور جان بوجھ کر اس پر ایمان لایا۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی نظام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے

---

[1] :- یہ دفتر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے رہائشی مکان (کوٹھی مستری محمد عبداللہ صاحب متصل مبارک مسجد، شبلی سٹریٹ، اسلامیہ پارک، پونچھ روڈ لاہور) کے ایک کمرہ میں واقع تھا۔

قلب کو اس طرف سے پوری طرح مطمئن کر دیا تو جس حق پر خود ایمان لایا تھا اس کی طرف دوسروں کو دعوت دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور اس مقصد کے لیے ۱۳۵۲ھ میں رسالہ "ترجمان القرآن" جاری کیا۔ ابتدائی چند سال الجھنوں کو صاف کرنے اور دین کا ایک واضح تصور پیش کرنے میں صرف ہوئے۔ اس کے بعد دین کو ایک تحریک کی شکل میں جاری کرنے کے لیے پیش قدمی شروع کی۔ دین کو تحریک کی شکل میں جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری زندگی میں دینداری محض ایک انفرادی رویہ کی صورت میں جامد و ساکن ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہم اجتماعی صورت میں نظامِ دینی کو عملاً نافذ و قائم کرنے اور مانع و مزاحم قوتوں کو اس کے راستہ سے ہٹانے کے لیے جدوجہد بھی کریں۔ "ادارہ دارالاسلام" کا قیام اس سلسلہ کا پہلا قدم تھا۔ ۱۳۵۶ھ (۱۹۳۶ء) میں یہ قدم اٹھایا گیا۔ اور اس وقت صرف چار آدمی رفیق[1] کار بنے۔ اس چھوٹی سی ابتداء کو اس وقت بہت حقیر سمجھا گیا۔ مگر الحمد اللہ کہ ہم بددل نہ ہوئے اور اسلامی تحریک کی طرف دعوت دینے اور اس تحریک کے لیے نظری حیثیت سے ذہن ہموار کرنے کا کام لگاتار کرتے چلے گئے۔ اس دوران میں ایک ایک کر کے رفقاء کی تعداد بڑھتی رہی، ملک کے مختلف حصّوں میں

---

[1] :۔ مستری محمد صدیق، سیّد عبدالعزیز شرقی رکن جماعت اسلامی مدینہ منورہ۔ مولانا صدرالدین اصلاحی (رکن جماعت اسلامی ہند) سیّد محمد شاہ جو رسالہ ترجمان القرآن کے مینجر تھے۔

ہم خیال لوگوں کے چھوٹے چھوٹے حلقے بھی بنتے رہے ، اور لٹریچر کی اشاعت کے ساتھ ساتھ زبانی دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ آخر کار تحریک کے اثرات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوا کہ اب جماعت اسلامی کی تاسیس اور تحریک اسلامی کو منظم طور پر اٹھانے کے لیے زمین تیار ہو چکی ہے اور یہ وقت دوسرا قدم اٹھانے کے لیے موزوں ترین وقت ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر یہ اجتماع منعقد کیا گیا۔

تحریک اسلامی اور دوسری تحریکوں کا اصولی فرق:

اس تاریخی تبصرے کے بعد مودودی صاحب نے بیان کیا کہ مسلمانوں میں عموماً جو تحریکیں اٹھتی رہی ہیں اور جو اب چل رہی ہیں پہلے ان کے اور اس تحریک کے اصولی فرق کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے:

اوّلاً ان میں یا تو اسلام کے کسی جزء کو، یا دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر بنائے تحریک بنایا گیا ہے ، لیکن ہم عین اسلام اور اصل اسلام کو لے کر اٹھ رہے ہیں ، اور پورا کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔

ثانیاً ان میں جماعتی تنظیم دنیا کی مختلف انجمنوں اور پارٹیوں کے ڈھنگ پر کی گئی ہے۔ مگر ہم ٹھیک وہی نظام جماعت اختیار کر رہے ہیں جو شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ جماعت کا تھا۔

ثالثاً ان میں ہر قسم کے آدمی اس مفروضہ پر بھرتی کر لیے گئے ہیں کہ جب یہ مسلمان قوم میں پیدا ہوتے ہیں تو "مسلمان" ہی ہوں گے ، اور اس کا

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ارکان سے لے کر کارکنوں اور لیڈروں تک بکثرت ایسے آدمی ان جماعتوں کے نظام میں گھس گئے جو اپنی سیرت کے اعتبار سے ناقابل اعتماد تھے اور کسی بار امانت کو سنبھالنے کے لائق نہ تھے لیکن ہم کسی شخص کو اس مفروضہ پر نہیں لیتے کہ وہ مسلمان ہوگا۔ بلکہ جب وہ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم اور مقتضیات کو جان کر اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تب اسے جماعت میں لیتے ہیں، اور جماعت میں آنے کے بعد اُس کے جماعت میں رہنے کے لیے اس بات کو شرط لازم قرار دیتے ہیں کہ اسلام میں جو کم سے کم مقتضیات ایمان ہیں اُن کو پُورا کرے۔ اس طرح انشاءاللہ مسلمان قوم میں سے صرف صالح عنصر ہی چھٹ کر جماعت میں آئے گا، اور جو جو صالح بنتا جائے گا اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔

رابعاً ان تحریکوں کی نظر ہندوستان تک اور ہندوستان میں بھی صرف مسلم قوم تک محدود رہی ہے۔ کسی نے وسعتِ اختیار کی تو زیادہ سے زیادہ بس اتنی کہ دنیا کے مسلمانوں تک نظر پھیلا دی، مگر بہر حال یہ تحریکیں صرف ان لوگوں تک محدود رہیں جو پہلے سے "مسلم قوم" میں شامل ہیں، اور ان کی دلچسپیاں بھی انہی مسائل تک محدود رہیں جن کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ اُن کے کاموں میں کوئی چیز ایسی شامل نہیں رہی ہے جو غیر مسلموں کو اپیل کرنے والی ہو بلکہ بالفعل ان میں سے اکثر کی سرگرمیاں غیر مسلموں کے اسلام کی طرف آنے میں الٹی سدِّراہ بن گئی ہیں۔ لیکن ہمارے لیے چونکہ خود اسلام ہی تحریک ہے اور اسلام کی دعوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے۔ لہذا

ہماری نظر کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کے وقتی مسائل میں الجھی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ پوری نوع انسانی اور سارے کرۂ زمین پر وسیع ہے۔ تمام انسانوں کے مسائل زندگی ہمارے مسائل زندگی ہیں اور اللہ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنت سے ہم ان مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں جس میں سب کی فلاح اور سب کے لیے سعادت ہے۔ اس طرح ہماری جماعت میں نہ صرف پیدائشی مسلمانوں کا صالح عنصر کھنچ کر آئے گا، بلکہ نسلی غیر مسلموں میں بھی جو سعید روحیں موجود ہیں وہ انشاءاللہ اس میں شامل ہوتی چلی جائیں گی۔

جماعت اسلامی کی وجہ تسمیہ:۔

اس توضیح کے بعد مودودی صاحب نے فرمایا کہ یہی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ہم اپنی اس جماعت کو "اسلامی جماعت" اور اس تحریک کو "اسلامی تحریک" کہتے ہیں، کیونکہ جب اس کا عقیدہ، نصب العین، نظام جماعت اور طریق کار بلا کسی کمی بیشی کے وہی ہے جو اسلام کا ہمیشہ رہا ہے تو اس کے لیے اسلامی جماعت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں ہو سکتا، اور جب یہ عین اسلام کے نصب العین کی طرف اسلامی طریق ہی پر حرکت کرتی ہے تو اس کی تحریک اسلامی تحریک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر زمانۂ نبوت کے بعد جب کبھی ایسی کوئی تحریک دنیا میں اٹھی ہے اس کو دو زبردست اندرونی خطرے پیش آئے ہیں۔

جن غلطیوں سے کارکنان تحریک کو لازماً بچنا چاہیئے۔

ایک یہ کہ ایسی جماعت بننے اور ایسی تحریک لے کر اُٹھنے کے بعد بہت

جلدی لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ ان کی جماعت کی حیثیت وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں اسلامی جماعت کی تھی، بالفاظ دیگر یہ کہ جو اس جماعت میں نہیں ہے اور من شذ شذ فی النار یہ چیز بہت جلدی اس جماعت کو مسلمانوں کا ایک فرقہ بنا کر رکھ دیتی ہے اور پھر اس کا سارا وقت اصل کام کے بجائے دوسرے مسلمانوں سے الجھنے اور مناظرے کرنے میں کھپ جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ایسی جماعتیں جس کو اپنا امیر یا امام تسلیم کرتی ہیں اس کے متعلق ان کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ اس کی وہی حیثیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کی تھی، یعنی جس کی گردن میں اس امام کی بیعت کا قلادہ نہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اور اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر کار ان کی ساری تگ و دو بس اپنے امیر یا امام کی امارت و امامت منوانے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔

مودودی صاحب نے کہا کہ ہم کو ان دونوں خطرات سے بچ کر چلنا ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ ہماری حیثیت بعینہٖ اس جماعت کی سی نہیں ہے جو ابتداءً نبی کی قیادت میں بنتی ہے، بلکہ ہماری صحیح حیثیت اُس جماعت کی ہے جو اصل نظام جماعت کے درہم برہم ہو جانے کے بعد اُس کو تازہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نبی کی قیادت میں جو جماعت بنتی ہے وہ تمام دنیا میں ایک ہی اسلامی جماعت ہوتی ہے اور اس کے دائرے سے باہر صرف کفر ہی ہوتا ہے۔ مگر بعد میں اس نظام اور کام کو تازہ کرنے کے لیے جو لوگ اٹھیں ضروری نہیں

کہ ان سب کی بھی ایک ہی جماعت ہو۔ ایسی جماعتیں بیک وقت بہت سی ہو سکتی ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ بس ہم ہی اسلامی جماعت ہیں اور ہمارا امیر ہی امیر المومنین ہے۔ اس معاملہ میں تمام ان لوگوں کو جو جماعت میں شامل ہوں غلو سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ بہر حال ہم کو مسلمانوں میں ایک "فرقہ" نہیں بننا ہے۔ خدا ہمیں اس سے بچائے کہ ہم اس کے دین کے لیے کچھ کام کرنے کے بجائے مزید خرابیاں پیدا کرنے کے موجب بن جائیں۔

تحریک اسلامی کا دائرہ عمل :-

اس کے بعد مودودی صاحب نے فرمایا کہ جماعت اسلامی کے لیے دنیا میں کرنے کا جو کام ہے اس کا کوئی محدود تصور اپنے ذہن میں قائم نہ کیجیئے۔ دراصل اس کے لیے کام کا کوئی ایک ہی میدان نہیں ہے، بلکہ پوری انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ اس کے دائرۂ عمل میں آتی ہے۔ اسلام تمام انسانوں کے لیے ہے، اور ہر چیز جس کا انسان سے کوئی تعلق ہے اس کا اسلام سے بھی تعلق ہے، لہٰذا اسلامی تحریک ایک ہمہ گیر نوعیت کی تحریک ہے اور یہ خیال کرنا غلط ہے کہ اس تحریک میں کام کرنے کے لیے صرف خاص قابلیتوں اور خاص علمی معیار کے آدمیوں ہی کی ضرورت ہے، نہیں، یہاں ہر انسان کے لیے کام موجود ہے، کوئی انسان بیکار نہیں ہے، جو شخص جو قابلیت بھی رکھتا ہو اس کے لحاظ سے وہ اسلام کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کر سکتا ہے۔ عورت، مرد، بوڑھا، جوان، دیہاتی، شہری،

کسان، مزدور، تاجر، ملازم، مقرر، محرر، ادیب، ان پڑھ اور فاضل اجل، سب یکساں کار آمد اور یکساں مفید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ جان بوجھ کر اسلام کے عقیدے کو اختیار کر لیں، اس کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کر لیں، اور اس مقصد کو جسے اسلام نے مسلمان کا نصب العین قرار دیا ہے اپنی زندگی کا مقصد بنا کر کام کرنے پر تیار ہو جائیں البتہ یہ بات ہر اُس شخص کو جو جماعت اسلامی میں آئے اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جو کام اس جماعت کے پیش نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔ اسے دنیا کے پورے نظامِ زندگی کو بدلنا ہے اسے دنیا کے اخلاق، سیاست، تمدن، معیشت، معاشرت، ہر چیز کو بدل ڈالنا ہے۔ دنیا میں جو نظامِ حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اُسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے، اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اس کی جنگ ہے۔ اس کو اگر کوئی ہلکا کام سمجھ کر آئے گا تو بہت جلدی مشکلات کے پہاڑ اپنے سامنے دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اس لیے ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کس خارزار میں قدم رکھ رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹ جانا دونوں یکساں ہوں۔ نہیں، یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس جماعت سے نکلنا ارتداد کا ہم معنی ہے، بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا کے راستہ میں پیش قدمی کرنے کے بعد مشکلات، مصائب، نقصانات اور خطرات کو سامنے دیکھ کر پیچھے ہٹ جانا اپنی روح اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے ارتداد ہے، وَمَن

يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ[1]۔ لہٰذا قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ لو۔ جو قدم بڑھاؤ اس عزم کے ساتھ بڑھاؤ کہ اب یہ قدم پیچھے نہیں پڑے گا۔ جو شخص اپنے اندر ذرا بھی کمزوری محسوس کرتا ہو بہتر ہے کہ وہ اسی وقت رک جائے۔

اجتماع کے انعقاد کی غرض۔

آخر میں مودودی صاحب نے فرمایا کہ اس اجتماع کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی عقیدہ کو جان بوجھ کر قبول کریں اور اس کے نصب العین کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ختم کر کے اللہ اور رسولؐ کی ہدایت کے مطابق ایک جماعت بن جائیں، اور باہمی مشورہ سے جماعتی طریق پر آئندہ کام کرنے کے لیے ایک نظام بنالیں۔ میرا کام آپ کو ایک جماعت بنا دینے کے بعد پورا ہو جاتا ہے، میں صرف ایک داعی تھا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کر رہا تھا، اور میری تمام مساعی کی غایت یہ تھی کہ ایک ایسا نظام جماعت بن جائے۔ جماعت بن جانے کے بعد میں آپ میں کا ایک فرد ہوں، اب یہ جماعت کا کام ہے کہ اپنے میں سے کسی اہل تر آدمی کو اپنا امیر منتخب کرے، اور پھر یہ اس امیر کا کام ہے کہ آئندہ اس تحریک کو چلانے کے لیے اپنی صوابدید کے مطابق ایک پروگرام بنائے اور اسے عمل میں لائے۔ میرے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ جب دعوت میں نے دی ہے تو آئندہ اس تحریک کی رہنمائی کو بھی میں اپنا ہی حق سمجھتا ہوں،

---

[1] سورہ الانفال۔ ۱۶

ہرگز نہیں، نہ میں اس کا خواہش مند ہوں نہ اس نظریہ کا قائل ہوں کہ داعی کو ہی آخرکار لیڈر بھی ہونا چاہیے، نہ مجھے اپنے متعلق یہ گمان ہے کہ اس عظیم الشان تحریک کا لیڈر بننے کی اہلیت مجھ میں ہے اور نہ اس کام کی بھاری ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحبِ عقل آدمی یہ حماقت کر سکتا ہے کہ اس بوجھ کے اپنے کندھوں پر لادے جانے کی خود تمنا کرے۔ درحقیقت میری غایت تمنا اگر کچھ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی نظامِ جماعت موجود ہو اور میں اس میں شامل ہوں۔ اسلامی نظامِ جماعت کے ماتحت ایک چپڑاسی کی خدمت انجام دینا بھی میرے نزدیک اس سے زیادہ قابلِ فخر ہے کہ کسی غیر اسلامی نظام میں صدارت اور وزارتِ عظمیٰ کا منصب مجھے حاصل ہو، لہٰذا اس مفروضہ پر نہ چلیے کہ جس طرح تشکیل جماعت سے پہلے سارے کام میں اپنی ذمہ داری پر چلاتا رہا ہوں، اسی طرح تشکیل جماعت کے بعد بھی میں ہی آپ سے آپ امارت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ جماعت بن جانے کے بعد میری اب تک کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، آئندہ کے کام کی پوری ذمہ داری جماعت کی طرف منتقل ہوتی جاتی ہے اور جماعت اپنی طرف سے اس ذمہ داری کو جس کے بھی سپرد کرنے کا فیصلہ کرے اس کی اطاعت اور خیر خواہی اور اس کے ساتھ تعاون کرنا ہر فرد جماعت کی طرح میرا بھی فرض ہوگا۔

ترتیبِ دستور

اس تمہیدی تقریر کے بعد آپ نے دستورِ جماعت اسلامی کا مسودہ پڑھنا شروع کیا۔ اس مسودہ کی کچھ کاپیاں پہلے ہی طبع کرالی گئی تھیں اور تمام آنے والوں کو اجتماع سے ایک یا دو روز قبل دے دی گئی تھیں تاکہ وہ اس پر اچھی طرح غور کر لیں۔ اجتماع عام میں اس کے متعلق ہر شخص کو اظہارِ رائے کا پورا پورا موقع دیا گیا۔ اس کا ایک ایک لفظ پڑھا گیا اور اس پر بحث ہوئی۔ قریب قریب مغرب کے وقت جا کے یہ اجتماع ختم ہوا۔ درمیان میں صرف دوپہر کے کھانے اور ظہر و عصر کی نمازوں کے لیے اجتماع ملتوی کیا گیا تھا۔ بہرحال شام کے آتے آتے ہر ضروری مسئلہ زیرِ بحث آکے طے ہو چکا تھا۔ دستور بعض ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ پورا کا پورا باتفاق کلی پاس ہو گیا۔

تشکیلِ جماعت

اس کے بعد سب سے پہلے مودودی صاحب اٹھے اور کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اعادہ کیا اور کہا کہ لوگو! گواہ رہو کہ میں آج از سرِ نو ایمان لاتا اور جماعت اسلامی میں شریک ہوتا ہوں۔ اس کے بعد محمد منظور نعمانی صاحب کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی مودودی صاحب کی طرح تجدید ایمان کا اعلان کیا۔ بعد ازاں حاضرین میں سے باری باری کر کے ہر شخص اٹھا، کلمہ شہادت ادا کیا، اور جماعت

میں شریک ہوا۔ اکثر حضرات کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے بلکہ بعض لوگوں پر تو روتے روتے رقت طاری ہو گئی تھی۔ قریب قریب ہر شخص کلمۂ شہادت ادا کرتے وقت ذمہ داری کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ جب سب لوگ شہادت ادا کر چکے تو مودودی صاحب نے اعلان کیا کہ اب جماعت اسلامی کی تشکیل ہو گئی۔ آئیے ہم سب مل کر رب العالمین سے دعا کریں کہ وہ ہماری جماعت کو استقامت اور استقلال بخشے اور ہم کو اپنی کتاب اور اپنے رسولؐ کی سنت کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا سے پہلے مودودی صاحب نے اسلامی جماعت کی حیثیت اس کے منشاء اور نصب العین پر پھر ایک مرتبہ روشنی ڈالی اور حاضرین کو آگاہ کیا کہ انہوں نے آج کتنا بڑا عہد کیا ہے اور اس کو کس طرح نباہنا چاہیئے۔ بعد ازاں محمد منظور نعمانی صاحب نے ایک مختصر سی دعا پڑھی اور اجتماع برخاست ہوا۔

مولانا مودودی صاحب کا جماعت سے پہلا خطاب

۳ر شعبان:۔ صبح آٹھ بجے پھر اجتماع ہوا۔ سب سے پہلے مودودی صاحب نے ایک ایک رکن جماعت کو الگ الگ بلا کر اس سے دریافت کیا کہ وہ اپنے آپ کو جماعت کے کس طبقہ کے لیے پیش کرتا ہے۔ پھر جب ارکان جماعت کی طبقہ وار فہرست مکمل ہو گئی تو مودودی صاحب تقریر کے لیے اٹھے اور حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

ایک نصب العین پر اجتماع اور جماعتی زندگی لازم و ملزوم ہیں۔
جو لوگ ایک ہی عقیدہ ایک ہی نصب العین اور ایک ہی مسلک رکھتے ہوں اُن کے لیے ایک جماعت بن جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور اُن کا ایک جماعت بن جانا بالکل ایک فطری امر ہے۔ وحدت کلمہ کا لازمی نتیجہ اتحاد و اجتماع ہے، اور افتراق صرف اس جگہ ہوتا ہے جہاں کلمہ متفرق ہو۔ وحدت کلمہ کے باوجود نفسانیت کی بناء پر جو تفرقہ رونما ہوتا ہے اس کی وجہ بھی دراصل یہ ہوتی ہے کہ نفسانیت خود ایک کلمہ ہے جو کلمۂ اسلام کی ضد واقع ہوا ہے اور جو اس کلمہ کا معتقد ثابت ہوتا ہے وہ باقی تمام امور میں دوسروں سے متفق ہونے کے باوجود اپنا راستہ الگ بناتا ہے۔ پس جب آپ نے کلمۂ شہادت ادا کی کہ آپ سب ایک ہی عقیدہ، ایک ہی نصب العین، اور ایک ہی راہِ عمل رکھتے ہیں یعنی آپ کا کلمہ واحد ہے تو آپ خود بخود ایک جماعت بن گئے، اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ مجھ میں یا آپ میں سے کسی میں وہ نفسانیت ہو جو غیر سبیل المومنین کے اتباع پر کسی کو آمادہ کرے۔ اب کہ آپ کی جماعتی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے تنظیم جماعت کی راہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں جماعتی زندگی کے قواعد کیا ہیں۔ میں اس سلسلہ میں چند اہم باتیں بیان کروں گا۔

اسلام میں جماعتی زندگی کے قواعد

پہلی چیز یہ ہے کہ جماعت کے ہر فرد کو نظام جماعت کا بحیثیت مجموعی

اور جماعت کے افراد کا فرداً فرداً سچے دل سے خیر خواہ ہونا چاہیئے، جماعت کی بدخواہی، یا افراد جماعت سے کینہ، بغض، حسد، بدگمانی اور ایذا رسانی وہ بدترین جرائم ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایمان کے منافی قرار دیا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ آپ کی اس جماعت کی حیثیت دنیوی پارٹیوں کی سی نہیں ہے جن کا تکیہ کلام یہ ہوتا ہے کہ "میری پارٹی، خواہ حق پر ہو، یا ناحق پر" نہیں، آپ کو جس رشتہ نے ایک دوسرے سے جوڑا ہے وہ دراصل اللہ پر ایمان کا رشتہ ہے، اور اللہ پر ایمان کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ آپ کی دوستی اور دشمنی، محبت اور نفرت جو کچھ بھی ہو اللہ کے لیے ہو۔ آپ کو اللہ کی فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے نہ کہ اللہ کی نافرمانی میں۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ اللہ کی طرف سے جماعت کی خیرخواہی کا جو فرض آپ پر عاید ہوتا ہے اس کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ بیرونی حملوں سے آپ اس کی حفاظت کریں، بلکہ یہ بھی ہیں کہ ان اندرونی امراض سے بھی اس کی حفاظت کے لیے ہر وقت مستعد رہیں جو نظامِ جماعت کو خراب کرنے والے ہیں۔ جماعت کی سب سے بڑی خیرخواہی یہ ہے کہ اس کو راہِ راست سے نہ ہٹنے دیا جائے، اس میں غلط مقاصد اور غلط خیالات اور غلط طریقوں کے پھیلنے کو روکا جائے، اس میں نفسانی دھڑے بندیاں تک پیدا ہونے دی جائیں، اس میں کسی کا استبداد نہ چلنے دیا جائے، اس میں کسی دنیوی

غرض یا کسی شخصیت کو بُت نہ بننے دیا جائے، اور اس کے دستور کو بگڑنے سے بچایا جائے۔ اسی طرح اپنے رفقاءِ جماعت کی خیرخواہی کا جو فرض آپ میں سے ہر شخص پر عاید ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ آپ اپنی جماعت کے آدمیوں کی بے جا حمایت کریں اور ان کی غلطیوں میں ان کا ساتھ دیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ معروف میں ان کے ساتھ تعاون کریں، اور منکر میں صرف عدمِ تعاون ہی پر اکتفاء نہ کریں، عملاً ان کی اصلاح کی بھی کوشش کریں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے ساتھ سب سے بڑی خیرخواہی جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں اس کو راہِ راست سے بھٹکتے ہوئے دیکھے وہاں اُسے سیدھا راستہ دکھائے اور جب وہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ البتہ آپس کی اصلاح میں یہ ضرور پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ نصیحت میں عیب چینی اور خردہ گیری اور تشدّد کا طریقہ نہ ہو بلکہ دوستانہ دردمندی واخلاص کا طریقہ ہو۔ جس کی آپ اصلاح کرنا چاہتے ہیں اس کو آپ کے طرزِ عمل سے یہ محسوس ہونا چاہیئے کہ اس اخلاقی بیماری سے آپ کا دل دُکھتا ہے، نہ کہ اس کو اپنے سے فروتر دیکھ کر آپ کا نفسِ متکبر لذت لے رہا ہے۔

تیسری بات جس کی طرف میں ابھی اشارہ کر چکا ہوں، مگر جس کی اہمیت اس کی متقاضی ہے کہ اسے واضح طور پر بیان کیا جائے یہ ہے کہ جماعت کے اندر جماعت بنانے کی کوشش کبھی نہ ہونی چاہیئے۔ سازشیں، جتھہ بندیاں، نجویٰ، (Canvassing) عہدوں کی امیدواری، حمیتِ جاہلیہ اور نفسانی

رقابتیں، یہ وہ چیزیں ہیں جو ویسے بھی جماعتوں کی زندگی کے لیے سخت خطرناک ہوتی ہیں، مگر اسلامی جماعت کے مزاج سے تو ان چیزوں کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح غیبت اور تنابز بالالقاب اور بدظنی بھی جماعتی زندگی کے لیے سخت مہلک بیماریاں ہیں جن سے بچنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ باہمی مشاورت جماعتی زندگی کی جان ہے، اس کو کبھی نظرانداز نہ کرنا چاہیے۔ جس شخص کے سپرد کسی جماعتی کام کی ذمہ داری ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے کاموں میں دوسرے رفقاء سے مشورہ لے، اور جس سے مشورہ لیا جائے اُس کا فرض ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی حقیقی رائے کا صاف صاف اظہار کرے۔ جو شخص اجتماعی مشاورت میں اپنی صوابدید کے مطابق رائے دینے سے پرہیز کرتا ہے وہ جماعت پر ظلم کرتا ہے اور جو کسی مصلحت سے اپنی صوابدید کے خلاف رائے دیتا ہے وہ جماعت کے ساتھ غدر کرتا ہے، اور جو مشاورت کے موقع پر اپنی رائے چھپاتا ہے اور بعد میں جب اس کے منشاء کے خلاف کوئی بات طے ہو جاتی ہے تو جماعت میں بددلی پھیلانے کی کوشش کرتا ہے وہ بدترین خیانت کا مجرم ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جماعتی مشورے میں کسی شخص کو اپنی رائے پر اتنا مصر نہ ہونا چاہیے کہ یا تو اس کی بات مانی جائے ورنہ جماعت سے تعاون نہ کرے گا یا اجماع کے خلاف عمل کرے گا۔ بعض نادان لوگ بربنائے جہالت اس کو حق پرستی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صریح اسلامی احکام اور صحابہ کرام رضہ کے

متفقہ تعامل کے خلاف ہے۔ خواہ کوئی مسئلہ کتاب وسنت کی تعبیر اور نصوص سے کسی حکم کے استنباط سے تعلق رکھتا ہو یا دنیوی تدابیر سے متعلق ہو، دونوں صورتوں میں صحابۂ کرام رضہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب تک مسئلہ زیرِ بحث ہوتا، اُس میں ہر شخص اپنے علم اور اپنی صوابدید کے مطابق پوری صفائی سے اظہار خیال کرتا اور اپنی تائید میں دلائل پیش کرتا تھا، مگر جب کسی شخص کی رائے کے خلاف فیصلہ ہو جاتا تو وہ یا تو اپنی رائے واپس لے لیتا تھا، یا اپنی رائے کو درست سمجھنے کے باوجود فراخ دلی کے ساتھ جماعت کا ساتھ دیتا تھا جماعتی زندگی کے لیے یہ طریقہ ناگزیر ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جہاں ایک شخص اپنی رائے پر اس قدر مصر ہو کہ جماعتی فیصلوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے، وہاں آخر کار پورا نظامِ جماعت درہم برہم ہو کر رہے گا۔

آخری چیز جو جماعتی زندگی کے لیے اہم ترین ہے وہ یہ ہے کہ "اسلام بغیر جماعت کے نہیں ہے، اور جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے" اس قاعدۂ کلیہ کے بموجب آپ کے لیے ضروری ہے کہ جماعت بننے کے ساتھ ہی آپ اپنے لیے ایک امیر منتخب کر لیں امیر کے انتخاب میں آپ کو جو امور ملحوظ رکھنے چاہئیں وہ یہ ہیں کہ کوئی شخص جو امارت کا امیدوار ہو، اُسے ہرگز منتخب نہ کیا جائے۔ کیونکہ جس شخص میں اس کارِ عظیم کی ذمہ داری کا احساس ہو گا وہ کبھی اس بار کو اُٹھانے کی خود خواہش نہ کرے گا، اور جو اس کی خواہش کرے گا وہ دراصل نفوذ و اقتدار کا خواہش مند ہو گا نہ کہ ذمہ داری سنبھالنے کا۔ اس لیے اللہ کی طرف سے اس کی نصرت و تائید کبھی نہ ہو

گی ۔ انتخاب کے سلسلہ میں لوگ ایک دوسرے سے نیک نیتی کے ساتھ تبادلۂ خیالات کر سکتے ہیں، مگر کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف بجوئی اور سعی نہ ہونی چاہیئے ۔ شخصی حمایت و موافقت کے جذبات کو دل سے نکال کر بے لاگ طریقہ سے دیکھیئے کہ آپ کی جماعت میں کون ایسا شخص ہے جس کے تقوٰی، علم کتاب و سنت، دینی بصیرت، تدبر، معاملہ فہمی اور راہِ خدا میں ثبات و استقامت پر آپ سب سے زیادہ اعتماد کر سکتے ہیں ۔ پھر جو بھی ایسا نظر آئے، اللہ پر توکل کر کے اُسے منتخب کر لیجئے ۔ اور جب آپ اُسے منتخب کر لیں تو اس کی خیر خواہی، اس کے ساتھ مخلصانہ تعاون، معروف میں اس کی اطاعت، اور منکر میں اس کی اصلاح کی کوشش آپ کا فرض ہے ۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ اسلامی جماعت میں امیر کی وہ حیثیت نہیں ہے جو مغربی جمہوریتوں میں صدر کی ہوتی ہے ۔ مغربی جمہوریتوں میں جو شخص صدر منتخب کیا جاتا ہے اُس میں تمام صفات تلاش کی جاتی ہیں مگر کوئی صفت اگر نہیں تلاش کی جاتی تو وہ دیانت اور خوفِ خدا کی صفت ہے ۔ بلکہ وہاں کا طریقِ انتخاب ہی ایسا ہے کہ جو شخص ان میں سب سے زیادہ عیار اور سب سے بڑھ کر جوڑ توڑ کے فن میں ماہر اور جائز و ناجائز ہر قسم کی تدابیر سے کام لینے میں طاق ہوتا ہے وہی برسرِ اقتدار آتا ہے ۔ اس لیے فطری بات ہے کہ وہ لوگ خود اپنے منتخب کردہ صدر پر اعتماد نہیں کر سکتے وہ ہمیشہ اس کی بے ایمانی سے غیر مامون رہتے ہیں، اور اپنے دستور میں طرح طرح کی پابندیاں اور رکاوٹیں عائد کر دیتے ہیں تاکہ

وہ حد سے زیادہ اقتدار حاصل کر کے مستبد فرمانروا نہ بن جائے۔ مگر اسلامی جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے صاحبِ امر کے انتخاب میں تقویٰ اور دیانت ہی کو تلاش کرتی ہے، اور اس بنا پر وہ اپنے معاملات پورے اعتماد کے ساتھ اس کے سپرد کرتی ہے۔ لہذا مغربی طرز کی جمہوری جماعتوں کی تقلید کرتے ہوئے اپنے دستور میں اپنے امیر پر وہ پابندیاں عائد کرنے کی کوشش نہ کیجیے جو عموماً وہاں صدر پر عائد کی جاتی ہیں۔ اگر آپ کسی کو خدا ترس اور متدین پا کر اُسے امیر بناتے ہیں تو اس پر اعتماد کیجیے۔ اور اگر آپ کے نزدیک کسی کی خدا ترسی و دیانت اس قدر مشتبہ ہو کہ آپ اُس پر اعتماد نہیں کر سکتے تو اس کو سرے سے منتخب ہی نہ کیجیے۔

اِنتخاب امیر

اس تقریر کے بعد انتخاب امیر کے مسئلہ پر مذاکرہ شروع ہوا۔ دورانِ گفتگو میں تین مختلف نظریئے پیش کیے گئے جن پر دوپہر تک بحث ہوتی رہی اور کسی متفقہ فیصلے پر ختم نہ ہو سکی۔

ایک گروہ کا خیال یہ تھا کہ سردست عارضی طور پر کسی معین مدت کے لیے امیر کا انتخاب کیا جائے۔ کیونکہ اوّل تو ابھی ہماری جماعت میں اس قدر کم آدمی ہیں کہ انتخاب کی کچھ زیادہ گنجائش ہی نہیں ہے، اگر اس وقت ہم اپنی قلیل جماعت میں سے کسی اہل تر کا مستقل انتخاب کر لیں گے تو بعد میں جب جماعت بڑھے گی اور اہل ترین آدمی آئیں گے اُس وقت

مشکل پیش آئے گی۔ دوسرے یہ مٹھی بھر جماعت اگر اس وقت اپنا مستقل امیر منتخب کرلے تو باہر جو بہت سے لوگ ہمارے نظریہ اور مقصد سے متفق ہیں ان کو جماعت کے اندر آنے میں اس بنا پر تامل ہوگا کہ اس جماعت میں داخل ہونے کے ساتھ انہیں خود بخود اس امیر کو بھی تسلیم کرلینا پڑے گا۔ جس کے انتخاب میں ان کی رائے کا دخل نہ تھا۔ اس طرح ہمارا انتخاب امیر آگے چل کر توسیع جماعت کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بن جائے گا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک بڑی جماعت بننے کے بجائے الگ الگ جماعتیں بننے لگیں گی اور بہت سی امارتوں کے جھنڈے بلند ہوں گے۔

دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ اس وقت سرے سے امیر منتخب ہی نہ کیا جائے بلکہ چند آدمیوں کی ایک مجلس کو انتظام اور رہنمائی کے اختیارات دے دیئے جائیں اور اس مجلس کے لیے ایک صدر منتخب کر لیا جائے۔ اس گروہ کے شبہات بھی مذکورہ بالا نوعیت کے تھے، اور مزید براں ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ ابھی کوئی مرد کامل ایسا نظر نہیں آتا جو انبیاء کی جانشینی کے قابل ہو۔

تیسرے گروہ کا خیال یہ تھا کہ جماعت بلا امیر تو بالکل ہی بے اصل چیز ہے، رہا مدت معینہ کے لیے انتخاب تو وہ ایک غیر اسلامی طریقہ ہے جس کا کوئی نشان ہم کو کتاب و سنت میں نہیں ملتا۔ علاوہ بریں یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ ایک طرف تو ہم وہ انتہائی انقلابی نظریہ لے کر اٹھتے ہیں جو تمام دنیا کی شیطانی قوتوں کے لیے اعلانِ جنگ کا ہم معنی ہے اور

دوسری طرف ہم خود ہی اپنی جماعت کے نظام کو اتنا سست اور ڈھیلا رکھیں کہ وہ کسی بڑی جدوجہد میں ثابت وقائم نہ رہ سکتا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ امارت کے بغیر، یا عارضی امارت کی بنیاد پر جو نظام جماعت بنایا جائے گا وہ ہرگز پختہ نہ ہو گا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امیر کا انتخاب اسی وقت کیا جائے اور بلا تعین مدّت کیا جائے۔

کئی گھنٹہ کی بحث کے بعد بھی جب اس مسئلہ میں اتفاق رائے حاصل نہ ہو سکا تو بالآخر ظہر کے قریب یہ طے ہوا کہ اس مسئلہ کو سات آدمیوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا جائے اور جو کچھ وہ مجلس طے کرے اسے سب قبول کریں۔ چنانچہ تینوں گروہوں نے بالاتفاق حسب ذیل اصحاب کو منتخب کیا۔

۱۔ محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" بریلی۔

۲:۔ سیّد صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، دارالارشاد، رائے چوٹی، کڑپہ، مدراس۔

۳:۔ سیّد محمد جعفر صاحب پھلواروی۔

۴:۔ نذیر الحق صاحب میرٹھی۔

۵:۔ مستری محمد صدیق صاحب، سلطان پورلودی۔

۶:۔ ڈاکٹر سیّد نذیر علی صاحب زیدی، الٰہ آباد۔

۷:۔ محمد ابن علی صاحب علوی کاکوروی، لکھنؤ۔

اس مجلس نے خوب غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد بالاتفاق وہ تجویز مرتب کی جو لفظ بلفظ دستور جماعت کی دفعہ دہم میں پائی جاتی ہے۔

اس تجویز کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ گروہ اول کی اس رائے کو رد کر دیا گیا کہ امیر کا انتخاب عارضی ہو۔

۲۔ گروہ دوم کی بھی یہ رائے قبول نہیں کی گئی کہ امیر کا انتخاب نہ کیا جائے، اور صرف انتظامی اغراض کے لیے ایک مجلس بنا دی جائے۔

۳۔ گروہ سوم کی اس رائے سے اتفاق کیا گیا کہ علم کتاب و سنت اور حکمت عملی دونوں کا اقتضاء یہی ہے کہ جماعت بلا امیر نہ رہے اور امیر کا انتخاب کسی مدت کے ساتھ مقید نہ ہو۔

۴۔ گروہ اول کے تمام اعتراضات کو ان دو فقروں سے رفع کر دیا گیا۔

"امیر کی خدا ترسی و احساس ذمہ داری سے یہ توقع کی جائے گی کہ اپنے سے زیادہ اہل آدمی کے آجانے پر وہ خود اس کے لیے جگہ خالی کر دے گا۔ نیز ایسی صورت میں جب کہ جماعت اپنے نصب العین کے مفاد کے لیے ضرورت محسوس کرے، وہ امیر کو معزول کرنے کی بھی مجاز ہو گی۔"

۵۔ گروہ دوم کے اعتراض کو اس فقرہ سے رفع کیا گیا۔

"جماعت کی نظر میں انتخاب کے وقت جو شخص بھی مذکورہ اوصاف (تقویٰ، علم دین میں بصیرت، اصابت رائے اور عزم و حزم) کے لحاظ سے اہل تر ہو گا اس کو وہ اس منصب کے لیے منتخب کرے گی۔"

۴ بجے شام کو جب دوبارہ اجتماع عام ہوا تو محمد منظور صاحب نعمانی نے مجلس منتخبہ کی جانب سے اس تجویز کو پڑھ کر سنایا اور مختصراً اس کی تشریح کی۔ جماعت نے بالاتفاق اسے قبول کر لیا اور طے کیا کہ یہ پوری تجویز دفعہ ہم

کی حیثیت سے دستور میں بڑھادی جائے۔ اس کے بعد بہ اتفاق کل لوگوں نے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کو اپنا امیر منتخب کیا۔ بیعت کا رسمی طریقہ اختیار نہیں کیا گیا بلکہ پوری جماعت نے ایک ساتھ یہ عہد کیا کہ مذکورۂ بالا تصریحات کے تحت وہ امیر کی اطاعت اور اس کے حکم کی پابندی کریں گے۔ اس "بیعت عام" کی ادائیگی پہ پھر وہی کیفیت طاری ہوئی جو ایک روز قبل تجدید ایمان کے موقع پر طاری ہو چکی تھی۔ لوگ پھر خدا کے حضور میں روتے اور گڑگڑائے اور التجا کی کہ وہ اس جماعت کو اس کے نصب العین کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر

آخر میں امیر جماعت نے کھڑے ہو کر مختصر تقریر کی جس میں کہا کہ میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا، نہ سب سے زیادہ متقی، نہ کسی اور خصوصیت میں مجھے فضیلت حاصل تھی۔ بہرحال جب آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے اس کارِ عظیم کا بار میرے اوپر رکھ دیا ہے تو میں اب اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بار کو سنبھالنے کی قوت عطا فرمائے اور آپ کے اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔ میں اپنی حد وسع تک انتہائی کوشش کروں گا کہ اس کام کو پوری خدا ترسی اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ چلاؤں۔ میں قصداً اپنے فرض کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ میں اپنے علم کی حد تک کتاب اللہ وسنت رسول اللہ

اور خلفاء راشدین کے نقشِ قدم کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ تاہم اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو اور آپ میں سے کوئی محسوس کرے کہ میں راہ راست سے ہٹ گیا ہوں تو مجھ پر یہ بدگمانی نہ کرے کہ میں عمداً ایسا کر رہا ہوں، بلکہ حسن ظن سے کام لے اور نصیحت سے مجھے سیدھا کرنے کی کوشش کرے۔

امیر پہ جماعت کا حق۔

آپ کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اپنے آرام و آسائش اور اپنے ذاتی فائدوں پر جماعت کے مفاد اور اس کے کام کی ذمہ داریوں کو ترجیح دوں، جماعت کے نظم کی حفاظت کروں، ارکان جماعت کے درمیان عدل اور دیانت کے ساتھ حکم کروں، جماعت کی طرف سے جو امانتیں میرے سپرد ہوں ان کی حفاظت کروں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل و دماغ اور جسم کی تمام طاقتوں کو اس مقصد کی خدمت میں صرف کر دوں جس کے لیے آپ کی جماعت اٹھی ہے۔

جماعت پر امیر کا حق۔

میرا آپ پر یہ حق ہے کہ جب تک میں راہ راست پر چلوں آپ اس میں میرا ساتھ دیں، میرے حکم کی اطاعت کریں، نیک مشوروں سے اور امکانی امداد و اعانت سے میری تائید کریں اور جماعت کے نظم کو بگاڑنے والے طریقوں سے پرہیز کریں۔ مجھے اس تحریک کی عظمت اور خود اپنے نقائص کا پورا احساس ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ وہ تحریک ہے جس کی قیادت اولوالعزم پیغمبروں نے کی ہے، اور زمانۂ نبوت گذر جانے کے بعد وہ غیر معمولی انسان

اس کو لے کر اٹھتے رہے ہیں جو نسلِ انسانی کے گلِ سرسبد تھے۔ مجھے ایک لمحہ کے لیے اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ میں اس عظیم الشان تحریک کی قیادت کا اہل ہوں۔ بلکہ میں تو اس کو ایک بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کارِ عظیم کے لیے آپ کو مجھ سے بہتر کوئی آدمی نہ ملا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے فرائضِ امارت کی انجام دہی کے ساتھ میں برابر تلاش میں رہوں گا کہ کوئی اہل تر آدمی اس کا بار اٹھانے کے لیے مل جائے اور جب میں ایسے آدمی کو پاؤں گا تو خود سب سے پہلے اُس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ نیز میں ہمیشہ ہر اجتماعِ عام کے موقع پر جماعت سے بھی درخواست کرتا رہوں گا کہ اگر اب اس نے کوئی مجھ سے بہتر آدمی پا لیا ہے تو وہ اُسے اپنا امیر منتخب کرے، اور میں اس منصب سے بخوشی دست بردار ہو جاؤں گا۔ بہر حال میں ان شاء اللہ اپنی ذات کو کبھی خدا کے راستے میں سدِّ راہ نہ بننے دوں گا اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دوں گا کہ ایک ناقص آدمی اس جماعت کی رہنمائی کر رہا ہے اس لیے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ کامل آئے اور یہ مقام جو آپ نے میرے سپرد کیا ہے ہر وقت اس کے لیے خالی ہو سکتا ہے۔ البتہ میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں کہ اگر کوئی دوسرا اس کام کو چلانے کے لیے نہ آئے تو میں بھی نہ اٹھوں۔ میرے لیے تو یہ تحریک عین مقصدِ زندگی ہے۔ میرا مرنا اور جینا اس کے لیے ہے۔ کوئی اس پر چلنے کے لیے تیار ہو یا نہ ہو بہر حال مجھے تو اسی راہ پر چلنا اور اسی راہ میں جان دینا ہے۔ کوئی آگے نہ بڑھے گا تو میں بڑھوں گا۔ کوئی ساتھ نہ دے گا تو میں اکیلا چلوں گا۔ ساری دنیا

متحد ہو کر مخالفت کرے گی تو مجھے تن تنہا اُس سے لڑنے میں بھی باک نہیں ہے۔

فقہی اور کلامی مسائل میں جماعت کا مسلک

آخر میں ایک بات کی اور توضیح کر دینا چاہتا ہوں۔ فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے، اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب "ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں۔ اب کہ میری حیثیت اس جماعت کے امیر کی ہو گئی، میرے لیے یہ بات صاف کر دینی ضروری ہے کہ فقہ و کلام کے مسائل میں جو کچھ میں نے پہلے لکھا ہے اور جو کچھ آئندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیر جماعت اسلامی کے فیصلہ کی نہ ہو گی بلکہ میری ذاتی رائے کی ہو گی۔ میں نہ تو یہ چاہتا ہوں کہ ان مسائل میں اپنی رائے کو جماعت کے دوسرے اہل علم و تحقیق پر مسلط کروں، اور نہ اسی کو پسند کرتا ہوں کہ جماعت کی طرف سے مجھ پر ایسی کوئی پابندی عاید ہو کہ مجھ سے علمی تحقیق اور اظہار رائے کی آزادی سلب ہو جائے۔ ارکان جماعت کو میں خداوند برتر کا واسطہ دے کر ہدایت کرتا ہوں کہ کوئی شخص فقہی و کلامی مسائل میں میرے اقوال کو دوسروں کے سامنے حجت کے طور پر پیش نہ کرے۔ اسی طرح میرے ذاتی عمل کو بھی جسے میں نے اپنی تحقیق کی بنا پر جائز سمجھ کر اختیار کیا ہے، نہ تو دوسرے لوگ حجت بنائیں اور نہ بلا تحقیق محض میرا عمل ہونے کی حیثیت سے اس کا اتباع کریں۔ ان معاملات میں ہر شخص کے لیے آزادی ہے۔ جو لوگ علم رکھتے ہوں وہ اپنی تحقیق پر، اور جو علم نہ رکھتے ہوں وہ جس

کے علم پر اعتماد رکھتے ہوں اس کی تحقیق پر عمل کریں - نیز ان معاملات میں مجھ سے اختلاف رائے رکھنے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بھی سب آزاد ہیں - ہم سب جزئیات و فروع میں اختلاف رائے رکھتے ہوئے اور ایک دوسرے کے بالمقابل بحث و استدلال کرتے ہوئے بھی ایک جماعت بن کر رہ سکتے ہیں جس طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہتے تھے -"

روداد مجلس شوریٰ - ۴ر شعبان ۱۳۶۰ھ

۴ر شعبان :- گذشتہ شام کو امیر جماعت نے اصحاب شوریٰ کا انتخاب کر لیا تھا - آج صبح آٹھ بجے شوریٰ کا پہلا اجلاس ہوا اور تحریک کے مستقبل اور جماعت کے لائحۂ عمل پر سوچ بچار کیا گیا - کافی غور و خوض اور بحث و مذاکرہ کے بعد جو کچھ طے ہوا وہ حسب ذیل ہے :-

تقسیم کار

فی الحال جماعت کے کام کو حسب ذیل شعبوں میں تقسیم کیا گیا :-

(۱) شعبہ علمی و تعلیمی -

اس شعبہ کا کام یہ ہوگا کہ :-

اسلام کے نظام فکر اور نظام حیات کا اس کے مختلف فلسفیانہ اور عملی اور تاریخی پہلوؤں میں گہرا تفصیلی مطالعہ کرے ، دنیا کے دوسرے نظامات فکر و عمل پر بھی وسیع تنقیدی و تحقیقی نظر ڈالے ، اور اپنے نتائج

تحقیق کو ایک ایسے زبردست لٹریچر کی شکل میں پیش کرے جو نہ صرف اسلامی اصول پر ذہنی وفکری انقلاب برپا کرنے والا ہو، بلکہ نظام اسلامی کے بالفعل قائم ہونے کے لیے بھی زمین تیار کر سکے۔

ایک ایسا نظریہ تعلیمی اور نظام تعلیم مرتب کرے جو اسلام کے مزاج سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہو اور دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے بنیاد کا کام دے سکے۔ اس سلسلہ میں دنیا کے رائج الوقت تعلیمی نظریات اور نظامات کا بھی تنقیدی و تحقیقی مطالعہ کرنا ہو گا۔

اپنے نظریۂ تعلیمی کے مطابق نصاب اور معلمین تیار کرے اور بالآخر ایک درس گاہ قائم کر کے آئندہ نسل کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا کام شروع کر دے۔

ایک ایسی تربیت گاہ قائم کرے جو دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے بہترین کارکن تیار کرے۔ تین سال قبل ادارہ دارالاسلام کے نام سے جو ادارہ قائم کیا گیا تھا وہ جماعت اسلامی کے اس شعبہ میں ضم کر دیا گیا۔ سردست یہ شعبہ مرکز میں امیر جماعت کی براہ راست نگرانی میں رہے گا۔ بعد میں اگر ممکن ہوا تو اس کی شاخیں باہر بھی مختلف ایسے مقامات میں قائم کر دی جائیں گی جہاں ایسے ایک شعبہ کی رہنمائی کے لیے مناسب اشخاص موجود ہوں گے۔

جماعت کے تمام کارکنوں، اور خصوصاً مقامی جماعتوں کے امراء کا فرض ہو گا کہ جہاں جہاں اس شعبہ میں کام کرنے کی اہلیت رکھنے والے لوگ

ملیں ان کے متعلق ضروری معلومات امیر جماعت کو بہم پہنچائیں ۔ نیز مقامی جماعتوں کو اس طرف بھی توجہ کرنی ہوگی کہ اپنے حلقہ سے جس شخص یا اشخاص کو وہ شعبہ علمی کے لیے مرکز میں بھیجیں، ان کی ضروریات زندگی کی کفالت کا انتظام مقامی طور پر کرنے کی کوشش کریں ۔ علاوہ بریں مقامی جماعتیں اس شعبہ کے کام میں اس طرح بھی مدد کر سکتی ہیں کہ اس کے کتب خانہ کے لیے ہر علم و فن کی معیاری کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔

(۲) شعبۂ نشر و اشاعت ۔

شعبۂ علمی و تعلیمی سے جو لٹریچر تیار کیا جائے اس کو پھیلانے کا کام اس شعبہ کے سپرد ہوگا ۔ اس کا فرض ہوگا کہ جماعت کے لٹریچر کو جہاں تک ممکن ہو خدا کے بندوں تک پہنچانے کی کوشش کرے ۔ اس شعبہ کے لیے ایسے کارکنوں کی ضرورت ہے جو نشر و اشاعت کے کام میں مہارت رکھتے ہوں ۔ نیز اس شعبہ کو ایسے آدمیوں کی بھی ضرورت ہے جو سفر کر کے مختلف مقامات پر جائیں اور مختلف حلقوں میں زبانی تبلیغ بھی کریں اور اپنا لٹریچر بھی پھیلائیں ۔

سر دست یہ شعبہ بھی مرکز میں امیر جماعت کے زیر نگرانی رہے گا ۔ بعد میں کوشش کی جائے گی کہ باہر بھی مختلف مقامات پر ذمہ دار اصحاب کی نگرانی میں نشر و اشاعت کے چھوٹے چھوٹے مرکز قائم کر دیے جائیں جہاں سے اخبار یا رسالے، پمفلٹوں اور کتابوں کی شکل میں جماعت کی نمائندگی کرنے والا لٹریچر شائع ہو سکے ۔

ہر جگہ جماعت اسلامی کے ارکان کے لیے اور مقامی جماعتوں کے لیے

اس شعبہ کے ساتھ تعاون کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ طباعت کے کام، یا نشر و اشاعت کے طریقوں میں مہارت رکھتے ہوں، یا اچھے سفری مبلّغ بن سکتے ہوں، یا تجارتی پہلو میں اس شعبہ کو کامیاب بنانے کی قابلیت رکھتے ہوں وہ اپنی خدمات پیش کریں اور مقامی امراء اس قسم کی صلاحیتیں رکھنے والے اشخاص کی اطلاع ناظم شعبۂ نشر و اشاعت کو دیں۔ دوسرے یہ کہ ہر جگہ مقامی جماعت ایک ریڈنگ روم اور بک ڈپو قائم کرے جس میں ادارہ کی مطبوعات جمع کی جائیں، جو لوگ پڑھنا چاہیں وہ ریڈنگ روم میں ان کا مطالعہ کریں اور جو خریدنا چاہیں وہ بک ڈپو سے خرید لیں۔

(۳) شعبۂ تنظیم جماعت۔

اس شعبہ کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

(۱) کارکنوں کو ہدایات دینا۔

(۲) جہاں مقامی جماعتیں بن گئی ہوں وہاں کے کام کی نگرانی کرنا، ان سے رپورٹیں طلب کرنا اور ان کو مشورے دینا۔

(۳) جہاں انفرادی شکل میں جماعت کے ارکان موجود ہوں وہاں مقامی جماعتیں بنانے کی کوشش کرنا۔

(۴) جو اشخاص یا ادارے یا جماعتیں عقیدہ اور نصب العین میں اس جماعت سے متفق ہوں ان سے ربط قائم کرنے کی سعی کرنا۔

(۵) تحریک کی رفتار کا جائزہ لیتے رہنا اور اس کو آگے بڑھانے کی

تدابیر عمل میں لانا۔

اس شعبہ کا صدر دفتر مرکز میں امیر جماعت کے ماتحت ہوگا۔ خارج میں اس کی چار شاخیں حسب ذیل حلقوں میں قائم کی گئی ہیں۔

(۱) میرٹھ، بریلی، آگرہ اور لکھنؤ ڈویژن کے لیے صدر مقام بریلی ہے جہاں محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" نائب امیر کی حیثیت سے کام کریں گے۔

(۲) الہ آباد، بنارس، گورکھپور، فیض آباد ڈویژن اور صوبہ بہار کے لیے صدر مقام سرائے میر ضلع اعظم گڑھ ہے۔ جہاں امین احسن صاحب اصلاحی نائب امیر ہوں گے۔

(۳) صوبہ مدراس و دکن کے لیے صدر مقام عمرآباد، ضلع شمالی ارکاٹ ہے جہاں سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری نائب امیر ہوں گے۔

(۴) انبالہ و جالندھر ڈویژن کے لیے صدر مقام کپورتھلہ ہے جہاں سید محمد جعفر صاحب پھلواروی نائب امیر ہوں گے[1]۔

مذکورہ بالا حلقوں میں جماعت کے جو ارکان انفرادی طور پر رہتے ہوں، یا جو مقامی جماعتیں بنی ہوئی ہوں وہ جملہ معاملات میں اپنے حلقہ کے نائب امیر کی طرف رجوع کریں۔ اور ان حلقوں کے ماسوا دوسرے مقامات

---

[1] بعد میں ماسوا حلقہ جنوبی ہند باقی تمام حلقے توڑ دیئے گئے جیسا کہ روداد مجلس شوریٰ (شوال ۱۳۶۳ھ) سے ظاہر ہوگا۔

پر جو اشخاص یا جماعتیں ہوں وہ سردست مرکزی دفتر سے تعلق رکھیں۔ بعد میں مزید حلقے قائم کرنے اور نائبین مقرر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(۴) شعبۂ مالیات۔

سابق میں ادارۂ دارالسلام کے حسابات ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء تک ختم کر کے جماعت اسلامی کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور جماعت کا مرکزی بیت المال قائم کر دیا گیا جو براہ راست امیر جماعت کے ماتحت رہے گا۔ نیز ہر جگہ کی مقامی جماعتوں کے لیے طے کیا گیا کہ ہر جماعت اپنا مقامی بیت المال قائم کرے۔ مقامی ضروریات کو مقامی آمدنی سے پورا کرے، اپنے سہ ماہی حسابات اپنے حلقہ کے نائب امیر کو، یا کوئی حلقہ نہ ہونے کی صورت میں امیر جماعت کو بھیجتی رہے، اور جب مرکزی بیت المال کو مدد کی ضرورت ہو تو امیر کی طرف سے حکم آنے پر اپنی زیر تحویل رقوم بھیج دے۔

سردست آمدنی کی سب سے بڑی مد ادارہ دارالاسلام کی مطبوعات ہیں اور ان کی کثرت اشاعت پر ہی جماعت کے کام کی ترقی موقوف ہے۔ اس مد کی تمام آمدنی مرکزی بیت المال میں آنی چاہیئے۔ دوسری مد زکوٰۃ ہے۔ تمام ارکان جماعت جو صاحب نصاب ہوں اپنی زکوٰۃ مقامی جماعت کے بیت المال میں داخل کریں یا مقامی جماعت موجود نہ ہو تو مرکز میں بھیجیں۔ تیسری مد رقوم اعانت ہیں۔ جماعت کے ذی استطاعت ارکان کا فرض ہے کہ زیادہ سے زیادہ جس قدر مالی ایثار کر سکتے ہوں کریں اور جماعت کو مالی حیثیت سے مضبوط بنائیں۔ رہے جماعت سے باہر

کے لوگ تو ان سے کوئی مدد طلب نہ کی جائے، البتہ اگر وہ بخوشی اور بلا شرط خود کوئی مدد دینا چاہیں تو قبول کر لی جائے، لیکن کوئی بڑی سے بڑی مالی اعانت بھی اس صورت میں قبول نہ کی جائے جب کہ یہ اندیشہ ہو کہ اس کے معاوضہ میں جماعت کی پالیسی پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کی موجودہ مالی پوزیشن بھی ظاہر کر دی جائے۔ ۱۹۳۸ء میں جب ادارہ دارالاسلام قائم کیا گیا تھا، تو مودودی صاحب موجودہ امیر جماعت نے اپنی تمام کتابیں (بااستثناء الجہاد فی الاسلام و رسالہ دینیات اردو انگریزی) ادارہ کے لیے وقف کر دی تھیں۔ ۷ جنوری ۱۹۳۹ء کو ۱۳۲ روپے کے سرمایہ سے کام شروع کیا گیا۔ اس وقت سے ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء تک آمد و خرچ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

آمدنی		خرچ	
ازمد فروخت کتب	۳۹۴۸-۱۵-۶	طباعت کتب	۳۲۰۰-۳-۶
ازمد زکوٰۃ	۱۳۰-۰-۰	خرچ ڈاک	۵۹۰-۴-۹
ازمد اعانت اہل خیر	۶۳۸-۱۲-۰	تنخواہ ملازمین	۴۸۰-۰-۰
میزان	۴۷۱۷-۱۱-۶	سفر خرچ	۱۳۵-۱۲-۳
ابتدائی سرمایہ	۱۳۲-۰-۰	مصارف دار الاقامہ	۱۲۵-۱-۰
		صرف ازمد زکوٰۃ	۶۳-۰-۰
جملہ	۴۸۴۹-۱۱-۶	متفرقات	۳۶-۱۱-۰

جملہ آمدنی	۴۸۴۹-۱۱-۶	اسٹیشنری	۶۷-۳-۶
جملہ خرچ	۴۷۷۴-۱۳-۶	مصارف اجتماع اول	۱۱۶-۸-۶
باقی	۷۴-۱۴-۰۰		۴۷۷۴-۱۳-۶

اس کے علاوہ ادارہ کی جو رقوم تاریخ مذکورہ تک مختلف تاجروں اور ایجنٹوں کے ذمہ واجب الادا تھیں ان کی مقدار ۱۳۵۶ روپیہ دو آنہ تھی، اور جو ذخیرۂ کتب ادارہ کے دفتر میں ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء کو موجود تھا اس کی قیمت کا تخمینہ ۲۰۱۴ روپیہ ہے۔

(۵) شعبۂ دعوت و تبلیغ۔

یہ شعبہ اس جماعت کا سب سے اہم شعبہ ہے اور در اصل کامیابی کا انحصار ہی اس شعبہ کی کارگزاری پر ہے۔ ہر شخص جو جماعت اسلامی کا رکن ہو، لازمی طور پر اس شعبہ کا رکن ہوگا۔ اس کو دائماً ایک مبلغ کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ اس کے لیے لازم ہوگا کہ جہاں جس حلقہ میں بھی اس کی پہنچ ہو سکتی ہو، جماعت کے عقیدہ کو پھیلائے اس کے نصب العین کی طرف دعوت دے، اور جماعت کے نظام کی تشریح کرے۔ مگر تبلیغی مصالح کے لحاظ سے یہ ضروری معلوم ہوا کہ کام کرنے کے لیے آٹھ مختلف حلقے معین کر دیئے جائیں اور جماعت کا ہر کارکن اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے صرف انہی حلقوں میں تبلیغ کرے جن سے وہ زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔ یہ حلقے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کالجوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا حلقہ۔

(۲) علماء اور مدارس عربیہ کا حلقہ

(۳) صوفیہ اور مشائخ طریقت کا حلقہ

(۴) سیاسی جماعتوں کا حلقہ

(۵) شہری عوام کا حلقہ

(۶) دیہاتی عوام کا حلقہ

(۷) عورتوں کا حلقہ

(۸) غیر مسلموں کا حلقہ

ہر کارکن کو اپنے متعلق ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا چاہیئے کہ وہ ان میں سے کس حلقہ یا کن حلقوں میں تبلیغ کا اہل ہے۔ جن حلقوں میں کام کرنے کی اہلیت وہ اپنے اندر نہ محسوس کرتا ہو، یا تجربہ سے اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ فلاں حلقوں میں ناکام رہے گا ان میں تبلیغ کرنے سے اس کو پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ وہ لوگوں کو قریب لانے کے بجائے دور پھینک دینے کا موجب نہ بن جائے۔

تبلیغ کے سلسلہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان میں رہنمائی کے لیے مقامی امراء یا نائبین، یا خود امیر جماعت سے رجوع کیا جائے۔

کارکنوں کو امیر جماعت کی ہدایات

مذکورہ بالا لائحہ عمل طے ہونے کے بعد ۱۴ شعبان ہی کو پھر اجتماع عام منعقد ہوا جس میں امیر جماعت نے حاضرین کو اس لائحہ عمل کی تفصیلات

سے آگاہ کیا اور پھر کام کرنے کے لیے حسب ذیل ہدایات دیں۔

(۱) مقامی جماعتوں کے قیام کا طریقہ۔

ہر وہ بستی جہاں دو آدمی ایسے موجود ہوں جو جماعت اسلامی میں داخل ہو چکے ہوں وہاں لازم ہے کہ مقامی جماعت بنا لی جائے اور دونوں میں سے ایک صالح تر آدمی مقامی امیر منتخب کیا جائے، اور امیر جماعت کو اطلاع دے کر اُس کے انتخاب کی منظوری حاصل کی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس جہاں دو سے زیادہ آدمی شریک جماعت ہوں وہاں بھی بلا کسی نفسانیت کے کسی ایسے آدمی کو مقامی امارت کے لیے نامزد کیا جائے جو زیادہ نیک سیرت متبع شریعت، معاملہ فہم اور تحریک اسلامی کے مزاج کو سمجھنے والا ہو اور جس کو بستی کے لوگ بالعموم عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ مگر مقامی لوگوں کا کسی کو منتخب کر لینا مقامی امارت کے لیے کافی نہ ہو گا تاوقتیکہ امیر جماعت اس کے تقرر کی اجازت نہ دے۔

(۲) ماتحت امراء کا عزل و نصب۔

امیر جماعت اگر مصالح اجتماعی کے لحاظ سے کسی کو مقامی امارت یا کسی دوسرے منصب پر مقرر نہ کرے یا کسی کو معزول کر کے دوسرے کو مقرر کرے تو اس پر بُرا نہ ماننا چاہیے۔ اس معاملہ میں اصل چیز نصب العین کی خدمت ہے نہ کہ شخصی اعزاز۔ جس شخص کو آپ نے اپنی جماعت کا امیر منتخب کیا ہے اس پر اعتماد کیجیے کہ وہ جماعت کی عظیم تر مصلحتوں کے لحاظ ہی سے عزل و نصب کرے گا۔

(۳) جماعت میں داخلے کا طریقہ۔

جماعت میں جب کوئی نیا شخص داخل ہو تو اسے پورا احساس ذمہ داری دلا کر از سر نو کلمہ شہادت ادا کرایا جائے۔ اس تجدید ایمان کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو شخص آج تجدید کر رہا ہے وہ اب تک کافر تھا۔ اور اب اسلام لا رہا ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو عہد اس کے اور خدا کے درمیان پہلے سے موجود تھا آج وہ اسے تازہ اور خالص اور مضبوط کر رہا ہے۔ تجدید ایمان کے موقع پر یہ بات ہر نئے داخل ہونے والے رکن کے ذہن نشین کر دینی چاہیئے کہ یہ دراصل زندگی کے ایک نئے باب کا افتتاح ہے آج سے تمہاری ذمہ دارانہ زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، آج سے تم ایک پابند نظام مومن کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کر رہے ہو، آج سے تمہاری زندگی ایک بامقصد زندگی بن رہی ہے اور تم خدا اور مومنوں کو گواہ بنا رہے ہو کہ تمہاری سعی و جہد اس مقصد کے لیے اس نظام کی پابندی میں صرف ہو گی۔

(۴) مطالعہ لٹریچر کی ضرورت اور اہمیت۔

جو شخص جماعت میں داخل ہو اُس کو تحریک اسلامی کے لٹریچر کا بیشتر حصہ پڑھوا دیا جائے، تاکہ وہ اس تحریک کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو جائے اور تحریک کے ارکان میں ذہنی و عملی ہم آہنگی پیدا ہو سکے، اس معاملہ میں کسی کے متعلق یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ وہ پہلے ہی سب کچھ سمجھتا ہو گا۔ اگر اس مفروضہ پر ایسے لوگوں کی بڑی تعداد جماعت میں داخل کر لی

گئی جو اس تحریک کے لٹریچر پر نظر نہ رکھتے ہوں تو اندیشہ ہے کہ جماعت کے ارکان متضاد باتیں اور متضاد حرکات کریں گے۔ جو لوگ تعلیم یافتہ نہ ہوں ان کو زبانی طور پر ضروری مطالب سمجھا دیئے جائیں اور تحریک کے مزاج کے مطابق ان کی ذہنیت تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس غرض کے لیے ہر مقامی جماعت میں کم از کم ایسے دو آدمیوں کا رہنا ضروری ہے جنہوں نے خوب گہری نظر سے ہمارے لٹریچر کا مطالعہ کیا ہو۔

(۵) مقامی کارکنوں میں تقسیم کار۔

مقامی امراء اپنے حلقہ کے ارکان جماعت کی صلاحیتوں کا فرداً فرداً جائزہ لیں اور جو شخص جس کام کا اہل ہو اُس کو وہی کام سپرد کریں اور برابر دیکھتے رہیں کہ وہ اپنے کار مفوضہ کو کس طرح انجام دیتا ہے اس معاملہ میں ہر رکن جماعت کو خود بھی اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا بے لاگ تخمینہ (بلا انکسار اور بلا مبالغہ) کرنا چاہیئے اور اپنے سردار کو بتا دینا چاہیئے کہ وہ کیا کام کر سکتا ہے اور کیا نہیں کر سکتا۔

(۶) ہفتہ وار اجتماعات۔

ہر جگہ جہاں مقامی جماعت موجود ہو تمام ارکان جماعت کو جمعہ کے روز خواہ صبح یا شام یا بعد نماز جمعہ ایک جگہ جمع ہونا چاہیئے۔ اس اجتماع میں ہفتہ بھر کے کام کا جائزہ لیا جائے آئندہ کام کے لیے باہمی مشورہ سے تجاویز سوچی جائیں، بیت المال کے حسابات دیکھے جائیں، اور تحریک کے لٹریچر کے متعلق کوئی نئی چیز شائع ہوتی ہو تو اس کا مطالعہ کیا جائے۔

(۷) مطالعہ قرآن وسیرت النبیؐ۔

جماعت کے ارکان کو قرآن اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر صحابہ سے خاص شغف ہونا چاہیئے۔ ان چیزوں کو بار بار زیادہ گہری نظر سے پڑھا جائے اور محض عقیدت کی پیاس بجھانے کے لیے نہیں بلکہ ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے۔ جہاں ایسا کوئی آدمی موجود ہو جو قرآن کا درس دینے کی اہلیت رکھتا ہو وہاں درس قرآن شروع کر دیا جائے۔

(۸) نفل عبادات کا التزام۔

اس تحریک کی جان دراصل تعلق باللہ ہے۔ اگر اللہ سے آپ کا تعلق کمزور ہو تو آپ حکومت الٰہیہ قائم کرنے اور کامیابی کے ساتھ چلانے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا فرض عبادات کے ماسوا نفل عبادات کا بھی التزام کیجئے۔ نفل نماز، نفل روزے، اور صدقات وہ چیزیں ہیں جو انسان میں خلوص پیدا کرتی ہیں، اور ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ اخفا کے ساتھ کرنا چاہیئے تاکہ ریا نہ پیدا ہو۔ نماز سمجھ کر پڑھیئے اس طرح نہیں کہ ایک یاد کی ہوئی چیز کو آپ زبان سے دہرا رہے ہیں، بلکہ اس طرح کہ آپ خود اللہ سے کچھ عرض کر رہے ہیں۔ نماز پڑھتے وقت اپنے نفس کا جائزہ لیجیے کہ جن باتوں کا اقرار آپ عالم الغیب کے سامنے کر رہے ہیں کہیں آپ کا عمل ان کے خلاف تو نہیں ہے اور آپ کا اقرار جھوٹا تو نہیں ہے۔ اس محاسبۂ نفس میں اپنی جو کوتاہیاں آپ کو محسوس ہوں ان پر استغفار کیجیے، اور آئندہ ان خامیوں کو رفع کرنے کی کوشش کیجیے۔ عبادات میں اس امر

کا خیال رکھیئے کہ جس قدر عمل آپ دائماً پابندی سے کر سکتے ہوں بس اسی کا التزام کیا جائے۔ نیز یہ کہ ان تمام مجاہدوں اور ریاضتوں اور مشاغل و اوراد سے پرہیز کیا جائے جو احادیث صحیحہ سے ثابت نہ ہوں، اور احادیث کی صحت کے باب میں محدثین ہی سند ہو سکتے ہیں نہ کہ غیر محدثین، خواہ وہ بجائے خود کتنی ہی بڑی شخصیت کے بزرگ ہوں زیادہ خطرناک بدعات وہ بری چیزیں نہیں ہیں جن کی برائی کو سب جانتے ہیں بلکہ وہ بظاہر اچھی چیزیں ہیں جن کو اچھا سمجھ کر شریعت میں اضافہ کر لیا جاتا ہے۔

(۹) اپنی سیرت اور اخلاقی پاکیزگی کی فکر۔

جماعت کے ارکان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایک بہت بڑا دعویٰ لے کر بہت بڑے کام کے لیے اُٹھ رہے ہیں۔ اگر ان کی سیرتیں ان کے دعویٰ کی نسبت سے اس قدر پست ہوں کہ نمایاں طور پر ان کی پستی محسوس ہوتی ہو تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے دعوے کو مضحکہ بنا کر رکھ دیں گے۔ اس لیے ہر شخص کو جو اس جماعت میں شامل ہو اپنی دہری ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے۔ خدا کے سامنے تو وہ بہرحال ذمہ دار ہے، مگر خلق خدا کے سامنے بھی اس کی ذمہ داری بہت سخت ہے۔ جس بستی میں بھی آپ موجود ہوں وہاں عام آبادی سے آپ کے اخلاق بلند تر ہونے چاہئیں بلکہ آپ کو بلندیٔ اخلاق، پاکیزگی سیرت اور دیانت و امانت میں ضرب المثل بن جانا چاہیئے۔ آپ کی ایک معمولی لغزش نہ صرف جماعت کے دامن پر بلکہ اسلام کے دامن پر دھبہ لائے گی اور بہت سے لوگوں کے لیے سبب گمراہی بن

جائے گی۔

(۱۰) بحث ومناظرہ سے اجتناب۔

جماعت کے ارکان کو ایسے تمام طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیئے جو ان کو مسلمانوں میں ایک فرقہ بنانے والے ہوں۔ اپنی نمازیں عام مسلمانوں سے الگ نہ پڑھیئے، نماز میں اپنی جماعت الگ نہ بنایئے۔ بحثیں اور مناظرے نہ کیجیئے، جہاں تحقیق کے لیے نہیں بلکہ ضد اور مخالفت کی بنا پر اس تحریک کو معرض بحث میں لایا جائے وہاں صبر وضبط سے کام لیجیئے (خصوصاً جہاں میری ذات پر حملے کیئے جائیں وہاں تو ہرگز مدافعت نہ کیجیئے، میں نہ خود اپنی مدافعت کرتا ہوں نہ اپنے رفیقوں کو چاہتا ہوں کہ وہ اس فضول کام میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کریں)۔ البتہ جہاں کوئی شخص سنجیدگی سے طالب تحقیق ہو وہاں اپنی تائید میں استدلال کیا جا سکتا ہے، مگر جب بحث میں گرمی آتی محسوس ہو تو سلسلۂ بحث بند کر دیجیئے کیونکہ مناظرہ وہ بلا ہے جس سے ہزار فتنے پیدا ہوتے ہیں اور کوئی ایک فتنہ بھی فرو نہیں ہوتا۔

(۱۱) تحریک اسلامی کا مزاج اور طریق کار۔

تحریک اسلامی اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے اور اس کا ایک مخصوص طریق کار ہے جس کے ساتھ دوسری تحریکوں کے طریقے کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے۔ جو لوگ اب تک مختلف قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے ہیں اور جن کی طبیعتیں انہیں کے طریقوں سے مانوس رہی ہیں، انہیں اس جماعت میں آکر اپنے آپ کو بہت کچھ بدلنا ہوگا۔ جلسے اور جلوس، جھنڈے اور

نعرے، یونیفارم اور مظاہرے، ریزولیوشن اور ایڈریس، بے لگام تقریریں اور گرما گرم تحریریں، اور اس نوعیت کی تمام چیزیں اُن تحریکوں کی جان ہیں مگر اس تحریک کے لیے سمِّ قاتل ہیں۔ یہاں کا طریق کار قرآن اور سیرتِ محمدی اور صحابہ کی سیرتوں سے سیکھئے اور اس کی عادت ڈالیے۔ آپ کو زبان یا قلم یا مظاہروں سے عوام پر سحر نہیں کرنا ہے کہ ان کے ریوڑ کے ریوڑ آپ کے پاس آجائیں اور آپ انہیں ہانکتے پھریں۔ آپ کو ان میں حقیقتِ اسلامی کی معرفت پیدا کرنی ہے، اور عرفانِ حقیقت کے بعد ان میں یہ عزم پیدا کرنا ہے کہ اپنی انفرادی زندگی اور گردوپیش کی اجتماعی زندگی کو اس حقیقت کے مطابق بنائیں اور جو کچھ باطل ہو اس کو مٹانے میں جان و مال کی بازی لگا دیں۔ لوگوں کے اندر یہ گہری تبدیلی ساحری اور شاعری سے پیدا نہیں ہوا کرتی۔ آپ میں سے جو مقرر ہوں وہ پچھلے اندازِ تقریر کو بدلیں اور ذمہ دار مومن کی طرح جچی تلی تقریر کی عادت ڈالیں۔ اور جو محرر ہیں انہیں بھی غیر ذمہ دارانہ اندازِ تحریر کو بدل کر اُس آدمی کی سی تحریر اختیار کرنی چاہیئے جو لکھتے وقت احساس رکھتا ہے کہ اُسے اپنے ایک ایک لفظ کا حساب دینا ہے۔

(۱۲) دور از کار اور غیر متعلق سرگرمیوں سے پرہیز۔

اسلامی تحریک میں کام کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے گردوپیش جو ہنگامے دنیا طلب لوگوں نے برپا کر رکھے ہیں اور جن کا آپ کی تحریک کے نصب العین سے کوئی تعلق نہیں ہے ان سے آپ اس قدر بے تعلق ہو کر رہیں کہ گویا وہ آپ کے لیے معدوم محض ہیں۔ آپ کو آمبیلوں

اور ڈسٹرکٹ بورڈوں اور ان کے الیکشنوں سے اور ہندو اور مسلمان اور سکھ وغیرہ قوموں کے نفسانی جھگڑوں سے، اور مختلف پارٹیوں اور مذہبی فرقوں اور مقامی قبیلوں اور برادریوں کے تنازعات سے بالکل کنارہ کش رہنا چاہیئے۔ بالکل یکسو ہو کر اپنے نصب العین کے پیچھے لگ جایئے اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیجئے جو عمل خدا کی راہ میں نہیں ہے اس میں مشغول ہو کر آپ اپنا وقت اور اپنی قوتیں ضائع کریں گے۔ حالانکہ آپ کو اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا حساب دینا ہے۔

(۱۳) طریق تبلیغ۔

اپنے مسلک کی تبلیغ میں حکمت اور موعظہ حسنہ کو ملحوظ رکھیئے۔ حکمت یہ ہے کہ آپ مخاطب کی ذہنیت کو سمجھیں، اس کی غلط فہمی یا گمراہی کے اصل سبب کی تشخیص کریں اور اس کو ایسے طریقہ سے تلقین کریں جو زیادہ سے زیادہ اس کے مناسب حال ہو۔ اور موعظہ حسنہ یہ ہے کہ جس پر آپ تبلیغ کریں اس کے سامنے آپ اپنے آپ کو دشمن اور مخالف کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے بہی خواہ اور دردمند کی حیثیت سے پیش کریں اور ایسے باوقار، بلیغ اور شیریں انداز سے راہ راست کی طرف دعوت دیں جو کم سے کم تلخی پیدا کرنے والا ہو۔ اس کے ساتھ دو باتیں اور بھی ملحوظ رکھیے۔ ایک یہ کہ جو شخص ہدایت سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھتا ہو اور دنیا کی زندگی میں مست ہو اس کے پیچھے نہ پڑیئے۔ بلکہ جس میں یہ کیفیت نظر آئے اس سے اعراض کیجیے۔ دوسرے یہ کہ بے موقع تبلیغ نہ کیجیے۔ جب کوئی شخص یا کوئی گروہ دعوت الی الخیر

سننے یا کسی نصیحت کو قبول کرنے کی موڈ میں نہ ہو اس وقت اسے دعوت دینا، یا ایک وقت میں جتنی خوراک وہ قبول کر سکتا ہو اس سے زیادہ خوراک اس کے اندر اتارنے کی کوشش کرنا، یا تشدّد، الحاح، زجر اور تلطف وغیرہ طریقوں کو بے محل استعمال کرنا بجائے مفید اثر ڈالنے کے الٹا خراب اثر ڈالتا ہے۔ بعض لوگ کام کرنے کے جوش میں ان حدود کو نظر انداز کر جاتے ہیں، حالانکہ اسلام ایک حکیمانہ دین ہے اور اس کے مبلغ کو حکیم ہونا چاہیئے۔

یہ ہدایات دینے کے بعد امیر جماعت اور اصحاب شوریٰ ایک الگ کمرے میں بیٹھ گئے اور ارکان جماعت کو علیحدہ علیحدہ بلا کر ہر ایک کے حالات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے کام سپرد کیا نیز جہاں جہاں مقامی جماعتیں بن چکی تھیں وہاں کے لیے امراء کا تقرر کیا۔

جماعت کا ابتدائی پروگرام

۵ شعبان:۔ کل کا بقیہ کام آج انجام دے کر اجتماعِ عام ختم کر دیا گیا۔ پھر امیر جماعت نے اصحاب شوریٰ کے مشورہ سے حسب ذیل امور طے کیے:۔

۱۔ جماعت کے ارکان میں جو لوگ اہلِ قلم ہوں ان کو چاہیئے کہ ملک کے اخبارات اور رسائل میں جماعت کے نظریہ کو پھیلانے اور جماعت کے متعلق جو غلط فہمیاں شائع ہو رہی ہیں ان کا سدباب کرنے کی باحسن طریق کوشش کریں۔

۲۔ جماعت کے ارکان کا اجتماع عام ہر سال کیا جائے جس کے لیے موسم اور دوسرے اعتبارات سے مارچ کا مہینہ موزوں رہے گا۔ اجتماع عام کے موقع پر جن لوگوں کو امیر جماعت مناسب سمجھے یا جن کے متعلق مقامی امراء سفارش کریں انہیں ایک مہینہ تک مرکز میں تربیت کے لیے روک لیا جائے گا۔

۳۔ جماعت کے چند منتخب ارکان جو ہر اعتبار سے جماعت کے مسلک کی بہترین ترجمانی کر سکتے ہوں، سال میں ایک مرتبہ وفد یا وفود کی شکل میں ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کریں اور دعوت عام کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ملک کے بڑے بڑے اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں، دینی مدرسوں اور انجمنوں میں نفوذ کی کوشش کریں۔

۴۔ طے ہوا تھا کہ ایک ہفتہ وار اخبار جماعت کی طرف سے جاری کیا جائے اور اس کے لیے عبداللہ مصری نامزد بھی کر دیے گئے تھے، لیکن اب نصر اللہ خاں صاحب عزیز کے شریک جماعت ہو جانے کی وجہ سے اس تجویز کو سردست عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں رہی۔ جماعت کی ضروریات کے لیے جناب عزیز کا اخبار "مسلمان"٭ (لاہور) اب کافی ہوگا۔

٭ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء میں اس کا نام کوثر ہو گیا۔ ۱۹۵۳ء میں حکومت پنجاب نے "کوثر" سے ۱۰ ہزار روپیہ کی نقد ضمانت طلب کی جس کی وجہ سے یہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد ۲۴ دسمبر ۱۹۵۳ء میں جناب ملک نصر اللہ خاں عزیز نے ہفت روزہ "ایشیا" جاری کیا جو ۱۳ مئی ۱۹۶۵ء سے جناب چوہدری غلام جیلانی صاحب کی زیر ادارت باقاعدہ شائع ہوتا رہا ہے۔ ۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء کو ان کی وفات کے بعد اب جناب صفدر علی چوہدری صاحب کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔

رُوداد مجلس شوریٰ

محرم سنہ ۱۳۶۱ھ

جنگ کی وجہ سے ملک میں جو اضطراب کی حالت پیدا ہو چکی ہے اس کی وجہ سے یہ مناسب نہ سمجھا گیا کہ مارچ ۱۹۴۲ء میں جماعت کے ارکان کا اجتماعِ عام منعقد کیا جائے۔ اس لیے امیرِ جماعت نے حسبِ ذیل اصحاب کی مجلس شوریٰ کو طلب کیا تاکہ جو فیصلہ طلب امور ہیں ان کے متعلق مشورہ کرکے فیصلہ کیا جائے۔

محمد منظور صاحب نعمانی (بریلی)۔ امین احسن صاحب اصلاحی (سرائمیر)۔ ابوالحسن علی صاحب (لکھنؤ)۔ سید محمد جعفر صاحب (کپورتھلہ) نذیر الحق صاحب میرٹھی۔ محمد علی صاحب کاندھلوی (سیالکوٹ)۔ عبدالعزیز صاحب شرقی (جالندھر)۔ نصر اللہ خاں صاحب عزیز (لاہور)۔ چوہدری محمد اکبر صاحب (لائل پور)۔ ڈاکٹر سید نذیر علی صاحب (الٰہ آباد)۔ مستری محمد صدیق صاحب۔ عبدالجبار صاحب غازی (دہلی)۔ عطاء اللہ صاحب (بنگال)۔ قمرالدین خاں صاحب۔ محمد بن علی علوی صاحب۔ محمد یوسف صاحب (بھوپال)۔

کام کا جائزہ

۲۶، ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۴۲ء کو مجلس شوریٰ کے اجتماع ہوئے۔

سب سے پہلے تمام شرکاء نے فرداً فرداً تحریک کی عام رفتار اور بالخصوص اپنے اپنے علاقوں کے کام پر تبصرہ کیا، اپنے تجربات بیان کیے، اور اپنی اپنی مقامی جماعتوں کے مشورے سے جو تجاویز وہ لے کر آئے تھے اور کام کو آگے بڑھانے کے لیے جن امور کی ضرورت وہ محسوس کرتے تھے انہیں پیش کیا۔ پھر امیر جماعت نے ایک مفصل تقریر میں جماعت کے اب تک کے کام پر تبصرہ کیا کہ جماعت کے نظام میں کیا کیا خامیاں پائی جاتی ہیں، ان کے اسباب کیا ہیں، آئندہ کے لیے نظام جماعت کو بہتر بنانے اور تحریک کو باحسن وجوہ آگے لے چلنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے، اور وہ مشکلات کیا ہیں جن کی وجہ سے کام کی رفتار اتنی اچھی نہیں ہے جتنی ہونی چاہیے تھی۔

مجلس شوریٰ کے فیصلے

اس کے بعد مشورہ باہمی سے جو امور بالاتفاق طے ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) استحکام جماعت:۔

جماعت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ جماعت میں بعض

ایسے اصحاب بھی پائے جاتے ہیں جو ذہنی حیثیت سے ابھی تک یکسو نہیں ہوئے ہیں اور اس جماعت کے مسلک و طریق کار کو پوری طرح سمجھے بغیر جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور ان سے کچھ زیادہ تعداد ایسے ارکان کی ہے جن کی زندگی میں قابل اطمینان تبدیلی نہیں ہوئی ہے، یا جن کے اندر اپنے نصب العین کے لیے کام کرنے کا اندرونی جذبہ ابھی تک اتنا مشتعل نہیں ہوا ہے کہ وہ کسی بیرونی تحریک کے بغیر خود اپنے جذبِ دل کے تقاضے سے سرگرم عمل ہوں۔ اس خامی کو دور کرنے کے لیے مقامی جماعتوں کے امراء کو امور ذیل کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے:۔

اوّلاً، ارکان جماعت کی تعداد میں اضافہ کرنے کی خاطر خام یا نیم پختہ آدمیوں کی بھرتی نہ کی جائے، بلکہ صرف ان لوگوں کو جماعت میں داخل کیا جائے جو جماعت کے مسلک کو اچھی طرح سمجھ چکے ہوں، جن کے خیالات میں پراگندگی باقی نہ رہی ہو، اور جنہوں نے دستور جماعت کی ذمہ داریوں کو بھی سمجھ لیا ہو۔

ثانیاً، عام طور پر لوگوں کو شرکت جماعت کی دعوت نہ دی جائے بلکہ اُس عقیدہ اور نصب العین کی تبلیغ کی جائے جس پر یہ جماعت قائم ہوئی ہے۔ پھر ان میں سے جو لوگ اس حد تک متاثر ہو جائیں کہ ان کی زندگی میں عملاً تبدیلی ہونی شروع ہو جائے، اور وہ خود جستجو کرنے لگیں کہ اس نصب العین کے لیے کام کرنے کا راستہ کیا ہے، تب ان کے سامنے جماعت کا دستور پیش کیا جائے اور دستور کو دیکھ کر جب وہ جماعت میں شریک ہونے کی

خود خواہش کریں تب بھی انہیں فوراً داخل جماعت نہ کر لیا جائے بلکہ انہیں بار بار سوچنے کا موقع دیا جائے اور جب وہ خوب سوچ سمجھ کر شرکت جماعت کا فیصلہ کریں تو ادائے شہادت کی ذمہ داریاں پوری طرح محسوس کرا کے ان سے شہادت ادا کرائی جائے۔

ثالثاً، یہ بات ہمیشہ ارکان جماعت کے ذہن نشین کرائی جاتی رہے کہ جماعت میں شریک ہوتے وقت انہوں نے اپنے خدا سے جو اقرار کیا ہے اسے پورا کرنا اور جو ذمہ داریاں قبول کی ہیں ان کو ادا کرنا اب ان کا اپنا کام ہے انہیں اس بات کا محتاج نہ ہونا چاہیئے کہ کوئی دوسرا انہیں اکسائے تو وہ کام کریں بلکہ انہیں خود اپنے جذبۂ ایمانی سے اپنے مقصدِ زندگی کے لیے سرگرم عمل ہونا چاہیئے۔

رابعاً، انہیں ارکانِ جماعت کو نماز اور قرآن سمجھ کر پڑھنے اور ہر نماز و تلاوت کے وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کی تلقین کرنی چاہیئے کیونکہ اس ذریعہ سے نفوس کا تزکیہ بھی ہوگا اور دلوں میں وہ آگ بھی بھڑکے گی جو عمل پر ابھارنے والی ہے۔

خامساً، ہر مقامی امیر کو اپنی جماعت کے ارکان پر گہری نظر رکھنی چاہیئے اور ان میں جو خامیاں محسوس ہوں، حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

(۲) مقامی امراء کی تربیت۔

چونکہ تبلیغ و دعوت کے کام میں ارکان جماعت کی رہنمائی کرنا، ارکان کی اخلاقی تربیت کرنا، اور جماعت کی تحریک کو ٹھیک ٹھیک صحیح راستے پر

آگے بڑھانا مقامی جماعتوں کے امراء کا کام ہے اور ان اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے خود ان کی اپنی تیاری بھی ضروری ہے ۔ اس لیے طے کیا گیا ہے کہ مقامی جماعتوں کے امراء ہر سال کم از کم ایک ایک دو مہینے کے لیے امیر جماعت کے ساتھ آکر رہیں - اس امر کا تعین کہ کون صاحب کس مہینہ میں آئیں ہر ایک کے اپنے انتخاب پر چھوڑ دیا گیا ہے جن صاحب کے لیے جس مہینہ میں آنا ممکن ہو ، وہ امیر جماعت سے مراسلت کر کے خود طے کر لیں - نیز اگر وہ اپنے حلقہ کے خاص خاص ارکان میں سے بھی کسی کو ساتھ لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں ۔

(۳) مرکزی تربیت گاہ ۔

اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ جماعت کے چند بہترین دل و دماغ کے لوگ مرکز میں مستقل طور پر رہیں اور مرکز کسی ایسی جگہ بنایا جائے جہاں نہ صرف کارکنوں کی تربیت کا اچھا انتظام کیا جا سکتا ہو ، بلکہ اس کے گرد و پیش کے علاقہ میں کچھ نمونہ کا کام بھی کیا جائے ، تاکہ دعوت و تبلیغ کا عملی تجربہ بھی کارکنوں کو حاصل ہو سکے ۔ اس سلسلہ میں مرکز کے لیے مقام کا انتخاب اور ان اشخاص کا انتخاب جن کا مرکز میں رہنا ضروری ہے ، اور دیگر عملی تدابیر کو امیر جماعت پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔

(۴) لٹریچر کی تیاری ۔

دعوت و تبلیغ کے لیے لٹریچر کی تیاری کا بار اب تک امیر جماعت پر رہا ہے ۔ لیکن اب ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ جماعت میں جو لوگ

اہلِ قلم ہیں وہ اس کام میں اپنی صلاحیتوں کے مطابق پُورا حصّہ لیں۔

(۵) ترمیم دستور۔

دستورِ جماعت پر باہر سے جو اعتراضات ہوتے ہیں، اور خود ارکان جماعت نے تجربہ اور تدبّر سے جن اصلاحات کی ضرورت ظاہر کی ہے، ان پر غور کیا گیا اور اصلاح کے بعد طے کیا گیا کہ نیا ترمیم شدہ دستور شائع کیا جائے[1]۔

---

[1] اس قرارداد کے مطابق دستورِ جدید شائع ہو چکا ہے۔

جماعت کے عارضی مرکز کا قیام

فروری ۱۹۴۲ء کے اجتماع شوریٰ میں مختلف مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے طے کیا گیا تھا کہ ایک مرکزی ادارہ قائم کرنے کے لیے اگر کوئی مستقل مقام میسر نہیں آتا تو سردست عارضی طور پر ہی ایک مرکز بنا لیا جائے تاکہ وہاں ہم اپنی قوت کے ایک معتد بہ حصّہ کو مجتمع کر سکیں اور ضروری تعمیری کاموں کی بنا رکھ دیں۔ اس غرض کے لیے ابتداءً سیالکوٹ کے ضلع میں ایک مناسب مقام تجویز کر لیا گیا تھا اور بیرونی جماعتوں کو اس کی اطلاع بھی دے دی گئی تھی مگر بعد میں چند اسباب سے اس تجویز کو ترک کر دینا پڑا۔ پھر ارکان شوریٰ کے مشورہ سے پٹھانکوٹ کے قریب قریہ جمال پور کی طرف منتقل ہونے کا فیصلہ کیا گیا جہاں چوہدری نیاز علی خاں صاحب نے ازراہ عنایت اپنے وقف کی عمارات ہمیں مستعار دینا قبول فرما لیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق ۱۵ جون ۱۹۴۲ء کو امیر جماعت نے چند رفقاء سمیت وہاں نقل مقام کیا اور اس وقت سے یہ مقام جماعت کا مرکز قرار پا گیا۔ یہ جگہ ریلوے اسٹیشن سرنا سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ سردست اسے عارضی طور پر ہی مرکز بنایا گیا ہے۔

مستقل مرکز کا انتخاب انشاء اللہ جنگ کے بعد اجتماعِ عام میں کیا جائے گا۔

نئے مرکز میں نقشۂ کار

اس نئے مرکز میں کام کرنے کے لیے جو نقشہ بنایا گیا ہے اس کو ہم چار عنوانات پر تقسیم کرتے ہیں:۔

۱:۔ تعلیم و تربیت

۲:۔ علمی تحقیق

۳:۔ دعوتِ عام

۴:۔ معاشی تدابیر

یہاں ہم ان عنوانات کے تحت اس نقشہ کو بترتیب بیان کریں گے تاکہ پیشِ نظر کام کی نوعیت اور اس کی عملی صورت اچھی طرح واضح ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کام کو چلانے اور فروغ دینے کے لیے کس قسم کے آدمیوں اور کن وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے۔ "جماعت اسلامی" کے تحت جو جماعتیں ہندوستان کے مختلف مقامات پر قائم ہیں ان کے امراء کو وقتاً فوقتاً اپنی مقامی جماعتوں کے ارکان کی صلاحیتوں اور اپنے جماعتی وسائل کا پوری طرح جائزہ لے کر مرکز کو مطلع کرتے رہنا چاہیئے کہ کس کس شعبہ میں کام کرنے کے لیے ان کے پاس کس قابلیت کے آدمی موجود ہیں اور ہر جماعت ان کاموں کو چلانے کے لیے کیا وسائل بہم پہنچا سکتی ہے جہاں جماعتیں موجود نہیں ہیں اور صرف ارکان انفرادی حیثیت میں موجود ہیں وہاں

ہر فرد جماعت بطور خود اس نقشہ کو پیش نظر رکھ کر اپنا اور اپنے ذرائع کا جائزہ لے اور ہمیں بتائے کہ وہ اس سلسلہ میں کیا کام کر سکتا ہے یا کیا ذرائع بہم پہنچا سکتا ہے۔ نیز جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہیں مگر اس کام سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں وہ بھی اگر کسی حیثیت سے اس میں حصّہ لینا چاہیں تو ہمیں مطلع فرما دیں کہ وہ کس نوعیّت کا اور کتنا حِصّہ لینے کے لیے تیار ہیں۔

(۱) تعلیم و تربیّت

سب سے پہلا کام جو ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں ایک درس گاہ و تربیّت گاہ کا قیام ہے "نیا نظامِ تعلیم" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں اس حقیقت کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ کوئی تحریک جو انسانی زندگی میں ایک مکمل اور حقیقی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہو کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود اپنے مزاج اور اپنے مقتضیات کے مطابق انسانوں کو ڈھالنے اور بنانے کے لیے تعلیم و تربیّت کا ایک نظام قائم نہ کر لے۔ اسی حقیقت کو مدِّ نظر رکھ کر چند رفقاء کے مشورہ سے، جو فنِ تعلیم کو علمی حیثیت سے بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں ایک درس گاہ کا خاکہ مرتب کیا گیا ہے۔ بنیادی اصول وہی ہیں جو ان دونوں مضامین میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ عملی تفصیلات ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں بتمام و کمال اسی مرحلہ میں شائع کر دیا جائے۔ تجربہ سے ابھی ان میں بہت کچھ ردّ و بدل ہونا

ہے۔ جب ہمارا تجربہ کامیاب ہو جائے گا اور ہم خود اس پر مطمئن ہو جائیں گے تو انشاءاللہ اپنا تعلیمی دستور اور نصاب دونوں شائع کر دیں گے۔
تاہم اس کے سرسری خدوخال یہاں پیش کیے جا سکتے ہیں۔
زمانہ تعلیم کو ہم نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اساسی، متوسط اور عالی۔

اساسی تعلیم میں ہماری کوشش یہ ہو گی کہ ہر انسان کو مسلم انسان ہونے کی حیثیت سے دنیا کا کام چلانے کے لیے جن معلومات، جن اخلاقی اوصاف، اور جن ذہنی اور عملی استعدادوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے بچہ کی شخصیت میں جمع کر دی جائیں ہم اس کو صرف کتاب ہی نہیں پڑھائیں گے بلکہ ہمارا استاد عملاً اس کو اپنی معلومات اور اپنی قابلیتوں سے زندگی کے مختلف شعبوں میں کام لینا سکھائے گا اور اس کو اس قابل بنائے گا کہ اساسی تعلیم کے مرحلہ سے فارغ ہو کر جب وہ نکلے تو ہر شعبۂ حیات میں وہ ایک عمدہ ابتدائی کارکن بن سکے، اس کی ذہنی اور جسمانی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہ ہو جس کا استعمال اسے نہ آتا ہو، اور زندگی کی مختلف راہوں میں سے کوئی راہ ایسی نہ ہو جس پر چلنے کے لیے کم از کم ناگزیر معلومات اس کے پاس نہ ہوں۔ علاوہ بریں ہم اسے اتنی عربی بھی سکھائیں گے کہ وہ قرآن کا سیدھا سادہ مفہوم خود سمجھ لے، نیز تعلیم اور تربیت دونوں کے ذریعہ سے ہم اس کو اسلامی طرز زندگی کے ضروری آداب و اطوار اور قواعد و قوانین سے بھی نہ صرف آگاہ کر دیں گے بلکہ عملاً

اُن کا خوگر بنا دیں گے۔ یہ تعلیم تمام بچوں کے لیے یکساں ہوگی کیونکہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ اس مرتبہ کی تعلیم و تربیت ہر بچے کو حاصل ہونی چاہیئے قطع نظر اس سے کہ آگے چل کر اسے دنیا میں مزدور یا کسان کی حیثیت سے کام کرنا ہے یا وزیر کی حیثیت سے یا پروفیسر کی حیثیت سے۔

متوسط تعلیم میں بچہ کے داخل ہونے کا انحصار اساسی تعلیم کے نتائج پہ ہوگا۔ اساسی تعلیم کی انتہا کو پہنچتے پہنچتے ہر بچہ کے متعلق اندازہ کر لیا جائے گا کہ آیا وہ دنیا کی زندگی میں ابتدائی کارکن کے مرتبہ سے بلند تر خدمات انجام دینے کی قوت رکھتا ہے یا نہیں۔ جن بچوں کے متعلق استادوں کا تخمینہ اور آزمائشی امتحانات کا فیصلہ یہ ہو گا کہ وہ ایسی قوت رکھتے ہیں صرف انہی کو دوسرے مرحلہ تعلیمی میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی، اور اس مرحلہ میں ہمارے پیش نظر یہ ہوگا کہ بچوں کو ان کاموں کے لیے تیار کیا جائے جن میں جسمانی قوتوں کی بہ نسبت ذہنی قوتوں سے زیادہ کام لینا پڑتا ہے۔ یہاں ہر بچہ کے لیے ان مضامین کا مجموعہ تجویز کیا جائے گا جن کے ساتھ اس کے ذہن کو مناسبت ہوگی۔ جس شعبۂ زندگی کے لیے اسے تیار کرنا ہوگا اسی سے تعلق رکھنے والے علوم عالیہ کے مبادی اسے پڑھائے جائیں گے، مگر اس طرح کہ ہر دنیوی علم کے اندر دینی نقطۂ نظر روح کی طرح جاری و ساری ہوگا اور ہر دینی علم کا انطباق دنیوی حالات پر کر کے بتایا جائے گا۔ پھر طالب علم کو اپنے علم سے عملاً کام لینے کی پوری مشق بھی کرائی جائے گی اور تربیت کے ذریعہ سے اس میں ایک سچے مسلمان کی سیرت بھی پیدا

کی جائے گی۔

درجۂ عالی کی تعلیم بالکل اختصاصی تعلیم ہوگی اور اس میں ہمارے پیشِ نظر ایسے علماء اور ماہرین کا پیدا کرنا ہوگا جو زندگی کے مختلف شعبوں میں قیادت و رہنمائی کے اہل ہوں، جن میں یہ قابلیت ہو کہ اسلام کے اصولوں پر ایک پورے نظامِ تمدن کی تعمیر کرسکیں اور ایک جدید ترین اسٹیٹ کی تنظیم کا بار اٹھا سکیں۔ اس کے لیے جس علم، جس قوتِ اجتہاد، اور جس متقیانہ سیرت کی ضرورت ہے وہ ان میں تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے پیدا کی جائے گی۔ اور اس درجہ میں صرف وہی طلبہ لیے جائیں گے جن کے متعلق متوسط تعلیم کے نتائج سے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ وہ اپنی ذہنی و اخلاقی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کے اہل ہیں۔

(۲) علمی تحقیق

علمی تحقیق کا شعبہ دراصل ہماری تحریک کا دل اور دماغ ہوگا۔ اب تک اس تحریک کا علمی کام تنہا ایک ہی شخص کرتا رہا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک اکیلا آدمی ایسی ایک ہمہ گیر و عالمگیر تحریک کے لیے علمی و فکری بنیاد فراہم کرنے کی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اگر ہمیں واقعی نظامِ تمدن و اخلاق میں کوئی انقلاب برپا کرنا ہے تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ صرف اردو زبان ہی میں نہیں بلکہ متعدد دوسری زبانوں اور خصوصاً دو تین بین الاقوامی زبانوں میں بھی ایسا لٹریچر فراہم کریں جو اسلامی نظام کی پوری

شکل و صورت سے دنیا کو آشنا کرے، اور اپنی تنقید سے موجودہ تہذیب و تمدن کی جڑیں اکھاڑ کر دوں اور دماغوں میں نظام اسلامی کی صداقت کا یقین اور اس کے قیام کی خواہش پیدا کر دے۔ نیز ہمیں قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ اسلام کے متعلق جملہ علوم کی تدوین جدید کرنی ہو گی، اور اسی طرح علوم جدیدہ کو بھی اسلامی نقطۂ نظر سے از سرِ نو مدوّن کرنا ہو گا۔ یہ کام کیے بغیر ہم ہرگز یہ توقع نہیں کر سکتے کہ مجرد کسی عمومی یا عسکری تحریک سے کوئی حقیقی اسلامی انقلاب دنیا کے موجودہ نظام تمدن و اخلاق میں رونما ہو جائے گا۔

اس غرض کے لیے ہم کو ایک طرف ایسے صاحب فکر و نظر آدمیوں کی ضرورت ہے جو اس تحقیقی کام کے اہل ہوں اور ہمارے جماعتی نظم و ضبط کے اندر رہ کر یہ خدمت انجام دے سکیں۔ دوسری طرف ایک عمدہ کتب خانہ درکار ہے، اور اس کے ساتھ ایسے ذرائع درکار ہیں جن سے ہم ان خدام دین کو سامانِ زیست بہم پہنچا سکیں۔

(۳) دعوتِ عام

ان دونوں تعمیری کاموں کے ساتھ ہم دعوتِ عام کا کام بھی پوری قوت کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں۔ ہماری تعمیری کوششیں بے سود ہو جائیں گی اگر ساتھ ساتھ ان کی پشت پر ایک مضبوط رائے عام بھی تیار نہ ہوتی رہے۔ جس طرح مذکورہ بالا تعمیری کاموں کے بغیر کوئی اسلامی انقلاب رونما

نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عامۃ الناس میں اسلام کی دعوت پھیلائے بغیر ایسا کوئی انقلاب برپا ہو سکے ہمیں نہ صرف ہندوستان[1] میں بلکہ حتی الامکان دنیا کے گوشے گوشے میں اپنی آواز پہنچانی ہوگی کیونکہ آج کسی ایک ملک میں کوئی حقیقی انقلاب واقع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وسیع پیمانہ پر بین الاقوامی رائے عام اس کی تائید میں تیار نہ کر لی جائے۔ اربوں انسانوں کو ہمارے پیغام سے واقف ہونا چاہیئے، کروڑوں انسانوں کو کم از کم اس حد تک اس سے متاثر ہو جانا چاہیئے کہ وہ اس چیز کو حق مان لیں جس کے لیے ہم اُٹھ رہے ہیں، لاکھوں انسانوں کو ہماری پُشت پر اخلاقی اور عملی تائید کے لیے آمادہ ہونا چاہیئے، اور ایک کثیر تعداد ایسے سرفروشوں کی تیار ہونی چاہیئے جو بلند ترین اخلاق کے حامل ہوں اور اس مقصدِ عظیم کے لیے کوئی خطرہ، کوئی نقصان، کوئی مصیبت برداشت کرنے میں تامّل نہ کریں۔ اس قسم کی دعوتِ عام شروع کرنے کے لیے ابتداءً ضروری ہے کہ چھوٹے پیمانہ پر ایک محدود حلقہ میں کچھ نمونہ کا کام کیا جائے اور داعیوں کی اخلاقی و عملی تربیت کر کے اس حلقہ میں ان سے کام لیا جائے تاکہ آئندہ وسیع پیمانہ پر دعوت پھیلانے کی راہ کُھل جائے۔ اگرچہ اس ضرورت کا احساس ہمیں پہلے بھی تھا، لیکن گذشتہ ایک سال کے جماعتی کام سے جو تجربہ حاصل ہوا ہے اس کی بنا پر ہم کسی تاخیر کے بغیر اس شعبہ کی بنا رکھ دینا چاہتے ہیں۔

---

[1] یاد رہے کہ یہ روداد قبل تقسیم (فروری ۱۹۴۲ء) کی ہے۔

دعوتِ عام کے شعبہ میں کام کرنے کے لیے تمام بیرونی جماعتوں کو اپنے اپنے ارکان کا جائزہ لے کر سردست ایسے ایک ایک دو دو آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہیئے جو اس کام کے لیے موزوں تر ہوں اور ان کی صفات و خصوصیات سے مرکز کو مطلع کرنا چاہیئے۔ نیز یہ بھی بتانا چاہیئے کہ وہ کتنی مدت کے لیے یہاں آکر رہ سکتے ہیں، ان کی ضروریات کیا ہیں، ان کی ذات پر کس قسم کی ذمہ داریوں کا بار ہے، اور یہ کہ وہ خود یا مقامی جماعت کے ارکان کس حد تک ان کی ضروریات کے کفیل ہو سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں یہاں کم از کم ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر اور ایک یونانی طبیب کی ضرورت ہے جو محض خدا کے بھروسہ پر اپنے شہری مطب کو ختم کر کے اس جنگل میں آبسیں، جیسا بُرا یا بھلا مطب یہاں چل سکتا ہو اس پر بخوشی قناعت کریں، پوری خدا ترسی اور خالص انسانی ہمدردی کے ساتھ گردو پیش کی آبادی کو طبی امداد بہم پہنچائیں اور اپنے اخلاق حسنہ سے دلوں میں گھر پیدا کریں۔ جماعت میں جو حکیم اور ڈاکٹر ایسے موجود ہوں جو اس ایثار کے لیے اپنے نفس کو آمادہ پاتے ہوں وہ ہمیں اپنے ارادہ سے مطلع فرمائیں۔

(۴) معاشی تدابیر

ظاہر ہے کہ اوپر جن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب کے لیے مالی ذرائع درکار ہیں اور یہاں ان کا فقدان ہے۔ اتنے بڑے کاموں کے

لیے جس اجتماعی اعانت کی ضرورت ہوتی ہے وہ نہ ہمیں اب تک بہم پہنچی ہے اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔ نہ ہم وہ تدبیریں اختیار کرسکتے ہیں جن سے وہ بہم پہنچا کرتی ہے۔ اور نہ ہمیں اُن لوگوں سے کسی مدد کی امید رکھنے کا کوئی حق ہے جن کا مقصدِ زندگی وہ نہیں ہے جو ہمارا ہے۔ چند اہلِ خیر ایسے ضرور ہیں جو ہماری درخواست کے بغیر محض حسبۃً للہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں، مگر یہ اعانت اب تک کے جماعتی کاموں کے لیے بھی ناکافی تھی کجا کہ آئندہ جو کام پیشِ نظر ہیں ان کے لیے یہ کچھ بھی کفایت کرسکے۔ اس وقت تک جو کچھ بھی کام ہوا ہے وہ زیادہ تر جماعت کے بُک ڈپو کی آمدنی سے ہوا ہے اور وہ بھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہے کہ اس کے بل پر کام میں اتنی توسیع ہوسکے۔ اب اس کارِ عظیم کے لیے جو ذرائع مطلوب ہیں ان کی بہم رسانی دو ہی صورتوں سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ جو لوگ جماعت اسلامی میں شریک ہوئے ہیں اور جو لوگ اس کے نصب العین سے ہمدردی رکھتے ہیں وہ اس راہ میں مالی قربانیاں کرنے کے لیے آمادہ ہوجائیں اور ان باطل پرستوں سے سبق لیں جو اپنے نظریات کا اقتدار قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لیے کروڑوں پونڈ روزانہ آگ میں پھونک رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پرستارانِ باطل کی ان قربانیوں کے مقابلہ میں اگر پرستارانِ حق کچھ بھی قربانی نہ کریں اور اپنے ذاتی مفاد ہی کی پرستش کرتے رہیں تو قانونِ فطرت کے تحت یہ قطعی ناممکن ہے کہ ہمیں باطل کے مقابلہ میں اُس حق کو فروغ دینے میں کامیابی حاصل ہوجائے جس پر ہم

ایمان لائے ہیں ۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری جماعت میں جو لوگ کسی قسم کے صنعتی یا تجارتی کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ یہاں آئیں اور اپنی قابلیتوں سے کام لے کر دولت پیدا کریں اور ایک حصہ اپنی ذات پر اور دوسرا حصہ اپنے مقصدِ زندگی کی خدمت پر صرف کریں۔

اسی غرض کے لیے ہم نے اپنے پروگرام میں ایک مد معاشی تدابیر کی بھی رکھی ہے ۔ یہاں زمین بافراط موجود ہے اور نہایت شاداب و زرخیز ہے، بجلی موجود ہے، بڑی بڑی منڈیاں قریب ہیں، ذرائع حمل و نقل جنگی مشکلات کے باوجود اس وقت تک یہاں دستیاب ہو رہے ہیں۔ متعدد زراعتی، صنعتی اور تجارتی کام قلیل یا کثیر سرمایہ سے یہاں شروع کیے جا سکتے ہیں۔ مقامی جماعتوں کے امراء اپنی اپنی جماعتوں کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ان کے رفقاء میں سے کون لوگ کیا کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور کس قدر وسائل ان کی دسترس میں ہیں۔ اس باب میں ان کی رپورٹیں وصول ہونے کے بعد ہم ہر ایک کو اس کے حالات کے مطابق مشورہ دیں گے اور جس قدر سہولتیں مرکزی ادارہ کی طرف سے بہم پہنچائی جا سکتی ہیں وہ پہنچائی جائیں گی۔

روداد مجلس شوریٰ شوال سنہ ۱۳۶۱ھ

از ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت

اجلاس کی غرض۔

شوال سنہ ۱۳۶۱ھ (اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء) کے دوسرے ہفتہ میں مجلسِ شوریٰ کا دوسرا اجتماع بمقام دہلی ہوا۔ اس اجتماع کی اصلی غرض چند ایسے اختلافات کا حل تلاش کرنا تھا جو بدقسمتی سے ابتدائی مرحلہ ہی میں اس نازک موقع پر نظامِ جماعت کے اندر رونما ہوگئے تھے اور جن کی وجہ سے یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں اقامتِ دین کی یہ منظم کوشش، جو ایک صدی کے تعطل کے بعد پھر بمشکل شروع ہوئی ہے، شروع ہوتے ہی ختم نہ ہو جائے، اور ایسے مایوس کن اثرات اپنے پیچھے نہ چھوڑ جائے کہ اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی ناکامی مدتوں تک ایک مثال بن کر دینِ حق کے قیام کی سعی و جہد سے روکتی رہے۔ میں نے ان اختلافات کو سلجھانے کی جتنی کوششیں کیں ان میں مجھے سخت ناکامی ہوئی، اور صرف ناکامی ہی نہیں ہوئی بلکہ تفرق و اختلاف اور بددلی اور بدگمانیوں کا زہر دور و نزدیک کے ارکان میں بالعموم پھیلنا شروع ہوگیا۔ تب میں

نے مجبور ہو کر اصحاب شوریٰ کو دہلی میں جمع ہونے کی تکلیف دی تاکہ اس الجھن کو دور کرنے میں میری مدد کریں۔

شرکاء اجلاس۔

حسب ذیل اصحاب شریک اجتماع تھے:۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب، لکھنؤ۔ محمد یوسف صاحب، بھوپال۔ مولانا صبغۃ اللہ صاحب، عمر آباد، مدراس۔ مولانا حکیم عبداللہ صاحب، روڑی، حصار۔ سید عبدالعزیز صاحب شرقی، جالندھر۔ ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز، لاہور۔ قاضی حمید اللہ صاحب، سیالکوٹ۔ عبدالجبار صاحب غازی، دہلی۔ محمد بن علوی صاحب، کاکوروی۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، بریلی۔ مولانا سید محمد جعفر صاحب، کپورتھلہ۔ قمرالدین خاں صاحب، عطاء اللہ صاحب، پتوا کھالی۔

کارروائی۔

چار پانچ روز ہم لوگ اس کام میں منہمک رہے۔ اوّلاً میں نے چاہا کہ اصل امور مختلف فیہ کو زیر بحث لایا جائے اور جو لوگ مجھ سے یا میرے کام سے مطمئن نہیں ہیں وہ خفیہ پرچہ نویسی اور نجویٰ اور غیبت اور ارجاف کو چھوڑ کر جماعت کے سامنے اپنی بے اطمینانی کے اسباب صاف صاف بیان کر دیں، پھر اگر جماعت ان کے بیان سے مطمئن ہو جائے تو مجھے رہنمائی کے منصب سے معزول کر دیا جائے۔ لیکن ان حضرات نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا۔ اس کے بعد میں نے جماعت کے سامنے تین متبادل صورتیں پیش کیں۔

ایک یہ کہ میں خود استعفیٰ دیتا ہوں، میری جگہ کسی دوسرے شخص کو رہنما منتخب کر لیا جائے۔

دوسرے یہ کہ ایک شخص نہیں ملتا تو تین چار آدمی مل کر اس کام کو سنبھالیں۔

تیسرے یہ کہ جماعت کا یہ نظام جو ہم نے بنایا ہے اسے توڑ دیا جائے اور ان سب لوگوں کو جو اس نصب العین کی خدمت کا عہد کر چکے ہیں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس شخص کا جس پر اطمینان ہو اس سے وابستہ ہو کر کام کرے، اور جو لوگ کسی دوسرے سے مطمئن نہ ہوں مگر خود اپنے اوپر اطمینان رکھتے ہوں وہ خود اٹھیں اور کام کریں، اور جو لوگ دوسروں سے بھی مایوس ہوں اور اپنے آپ سے بھی وہ پھر "امام مہدی کے ظہور" کا انتظار کریں۔

پہلی تجویز اس بنا پر بالاتفاق رد کر دی گئی کہ جو لوگ اس وقت تک جماعت میں شامل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس بار کو سنبھال نہیں سکتا۔ خود اختلاف کرنے والے اصحاب بھی اس امر پر متفق تھے۔

دوسری تجویز بھی بالاتفاق رد کر دی گئی کیونکہ وہ نہ شرعاً صحیح ہے اور نہ عملاً ہمارے مقصد کے لیے مفید۔

رہی تیسری تجویز تو اختلاف رکھنے والے اصحاب کی خواہش یہ تھی کہ اسی پر عمل کیا جائے اور میں خود بھی اسی طرف مائل تھا کیونکہ میں ایسے مختلف المزاج عناصر کے اجتماع میں کوئی خیر نہ دیکھتا تھا جو ترکیب و امتزاج قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور اُن کم سے کم ضروری صفات سے بھی عاری ہوں جن کے بغیر کوئی کارکن جماعت نہیں بن سکتی لیکن اصحابِ شوریٰ کی

اکثریت نے اس تجویز سے سخت اختلاف کیا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اس طرح جماعت کو توڑ کر ہم اپنے نصب العین کی خدمت کرنے کے بجائے اس کے ساتھ دشمنی کریں گے اور ہماری یہ حرکت اس جمود کے بقا و استمرار کے لیے ایک اور حجت بن جائے گی جو بالاکوٹ کی ٹریجڈی کے بعد سے ایک سو دس برس تک اسلامی تحریک پر طاری رہا ہے ، اس لیے بجائے اس کے کہ چند اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے جماعت ٹوٹے ، کیوں نہ وہ اشخاص جماعت سے ٹوٹ جائیں جو ساتھ مل کر نہیں چل سکتے۔ یہ دلیل اتنی وزنی تھی کہ آخر کار اسی کو غلبہ حاصل ہوا۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اور ان کے تین ساتھیوں کی جماعت سے علیحدگی۔

مذکورہ بالا صورت حال سامنے آنے پر اختلاف سے متاثر حضرات میں سے بعض نے رجوع کر لیا اور صرف چار اصحاب ایسے رہ گئے جنہوں نے اختلاف پر قائم رہتے ہوئے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ مدیر الفرقان ، بریلی۔

۲۔ مولانا سید محمد جعفر صاحب ، خطیب مسجد جامع کپور تھلہ۔

۳۔ قمر الدین خاں صاحب ، سابق ناظم جماعت۔

۴۔ عطاء اللہ صاحب ، پتوا کھالی ، بنگال۔

لیکن ان حضرات کی علیحدگی کے بعد بھی میں جماعت کی قیادت کا بار

سنبھالنا اس وقت تک جائز نہ سمجھتا تھا جب تک کہ رفقاء جماعت کو اختلاف کی پوری حقیقت سے آگاہ کرکے یہ دریافت نہ کر لیتا کہ آیا اس کے بعد بھی وہ مجھ پر اعتماد رکھتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ میں نے علیحدہ ہونے والوں کی وہ تحریر، جس میں انہوں نے میری ذات پر اور میرے کام پر اپنے اعتراضات تفصیل کے ساتھ کیے تھے جماعت کے سامنے پیش کر دی اور ہر اعتراض کا جو جواب میرے پاس تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ پھر رفقاء سے عرض کیا کہ دونوں پہلوؤں کا بے لاگ موازنہ کر لیں اور آزادی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ جس شخص کو انہوں نے ایک سال پہلے اپنا رہنما منتخب کیا تھا وہ اب بھی اُن کی نگاہ میں اس لائق ہے یا نہیں کہ وہ اس کو رہنما تسلیم کریں۔ جماعت کی طرف سے اس سوال کا جواب اثبات میں تھا۔

(مجھے افسوس ہے کہ یہ تحریر جس کا تعلق تنہا میری ذات سے نہیں بلکہ دراصل جماعت اور تحریک سے ہے مجھ کو بصیغۂ راز دی گئی ہے اور ابھی تک اس کے مصنف اسے پرائیویٹ رکھنے ہی پر مصر ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اسے اور اپنے جواب کو بلا تامل شائع کر دیتا)

مجلس شوریٰ کے فیصلے۔

اس کے بعد مجلس شوریٰ نے جماعت کی تنظیم اور آئندہ کے کام کے متعلق بھی ضروری امور پر غور کیا اور حسب ذیل مسائل طے کیے۔

(۱) جماعت کی تنظیم کے لیے ابتداءً پنجاب، یوپی، بہار اور دکن کے جو بڑے بڑے حلقے بنائے گئے تھے اور جن پر مولانا محمد منظور صاحب، مولانا

امین احسن صاحب اصلاحی، مولانا سید محمد جعفر صاحب اور مولانا صبغۃ اللہ صاحب وغیرہ حضرات کو امیر مقرر کیا گیا تھا، ان کو باستثناء حلقہ دکن توڑ دیا گیا۔ آئندہ سے ان تمام حلقوں کی مقامی جماعتوں کا تعلق براہ راست مرکز سے رہے گا۔ البتہ صرف دکن کی جماعتیں مولانا صبغۃ اللہ صاحب کی نگرانی میں کام کرتی رہیں گی۔

(۲) جماعت کے نظام میں احتیاط کی کوششوں کے باوجود ایک معتدبہ تعداد ایسے لوگوں کی داخل ہو گئی ہے جن کی ذہنی، اخلاقی و دینی حالت اس جماعت کی رکنیت کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ ایسے ارکان کی اصلاح خیال و اصلاح حال کے لیے ایک مناسب مدت (جس کا تعیّن ہر شخص کی حالت کے لحاظ ہی سے ہو سکتا ہے) مقرر کی جائے اور اس دوران میں اصلاح کی پوری کوشش کی جائے۔ اور اگر اصلاح نہ ہو سکے تو ان سے درخواست کی جائے کہ اس وقت تک نظامِ جماعت سے باہر رہیں جب تک وہ کم از کم اس معیار پر نہ پہنچ جائیں جو اس جماعت کی رکنیت کے لیے مطلوب ہے۔ نیز آئندہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک جماعت میں نہ لیا جائے جب تک کہ وہ جماعت کے مسلک سے پوری طرح واقف نہ ہو جائے اور اس کی زندگی میں عملاً نمایاں تبدیلی نہ ہو۔

(۳) مرکز میں تعمیری کام کے لیے امیر جماعت نے جو نقشہ بنایا ہے اسے مجلس شوریٰ پسند کرتی ہے۔

حساب آمد و خرچ جماعت اسلامی از یکم ستمبر سنہ ۴۱ تا ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء

تفصیل آمد	پائی-آنہ-روپیہ	تفصیل خرچ	پائی-آنہ-روپیہ
بقایا باختتام اگست ۱۹۴۱ء	۷۴-۱۴-۰۰	معاوضہ کارکنان	۶۷۴-۰-۰
فروخت کتب	۷۲۱۳-۱۵-۹	اشتہار	۲۵-۸-۰
اعانت اہل خیر	۵۹۴۳-۱۳-۹	اسٹیشنری	۹۸-۴-۶
زکوٰۃ و صدقات واجبہ	۶۱۶-۱۰-۳	سفر خرچ	۲۸۶-۲-۰
قرض	۲۱۴۱-۰-۰	مہمان خانہ	۴۶۵-۱۳-۶
وصول قرض	۱۵۰-۲-۶	طباعت کتب [۱]	۵۳۶۵-۱۵-۳
متفرق	۶۶۴-۱۳-۳	پریس [۲]	۳۱۲۷-۱-۲
		قرض جو بعض ارکان ادارہ کو دیا گیا	۲۵۱-۲-۶۱
		ادائے قرض [۳]	۱۴۴۳-۰-۰
		عربی تراجم [۴]	۲۰-۰-۰
		اعانت اہل حاجت	۱۵۰-۴-۰
		خرچ ڈاک	۵۸۹-۱۰-۶
		کتب ایجنسی	۱۱۹۵-۰-۰
		متفرق	۲۵۳-۱۳-۶
		میزان	۱۳۹۶۳-۱۱-۰
		بقایا باختتام دسمبر ۱۹۴۲ء [۵]	۳۰۴۱-۱۰-۶
میزان	۱۷۰۰۵-۵-۶	کل میزان	۱۷۰۰۵-۵-۶

۱؎ ختم سال پر حسابات کی جانچ سے ۷۵ روپیہ ۲ ر کاغذ کے حساب میں زائد نکلے اور (باقی صفحہ ۸۰ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۷ سے) انہیں متفرق آمدنی میں شامل کر دیا گیا۔ اس طرح طباعت کتب کے واقعی مصارف ۳-۱۳-۵۳۰۸ ہیں۔

۲؎ پریس کی خریداری اور حمل و نقل اور ضروریات کی فراہمی کے سلسلہ میں جو رقمیں علی الحساب دی گئی تھیں ان میں سے ۴۷۵۰ روپے بعد میں واپس ہو گئے اور متفرق آمدنی میں شامل کر لیے گئے۔ اس طرح پریس کے حقیقی مصارف ۳-۱-۳۶۸۷ ہیں۔

۳؎ نقد ادائیگی کے علاوہ ایک صاحب کے قرض میں ۱۲۷ روپے بصورت کتب بھی ادا کیے گئے ہیں۔ اس طرح جماعت کے ذمہ واقعی قرض ۶۸۶ روپے ہیں۔

۴؎ سال کے آواخر میں مولانا ابوالحسن علی صاحب کے زیر نگرانی جماعت کے لٹریچر کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ترجمے سب بلامعاوضہ کیے جا رہے ہیں۔ یہ رقم تبییض (مسودے صاف کرانے) اور ممالک عربیہ کے اخبارات و رسائل سے مراسلت پر صرف ہوتی ہے۔

۵؎ اس کے علاوہ جماعت کے بکڈپو میں ختم سال پر تقریباً چھ ہزار روپیہ کی کتابیں موجود تھیں اور مختلف تاجران کتب اور بیرونی جماعتوں اور اشخاص کے ذمہ بکڈپو کے ۱۷۲۲ روپیہ ایک آنہ چھ پائی واجب الادا تھے۔

رفتار کار

از ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت

"جماعت اسلامی" کی رفتارِ ترقی معلوم کرنے کے لیے ارکان کی طرف سے اکثر بے چینی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور یہ بے چینی ایک حد تک فطری ہے۔ میں اب تک اس اندیشہ سے اس کو نظر انداز کرتا رہا ہوں کہ کہیں ہمارے کام میں بھی نمائش اور اشتہار کا عنصر داخل نہ ہو جائے اور اللہ کے لیے کام کرنے کے بجائے ہم دنیا کو دکھانے کے لیے کام نہ کرنے لگیں۔ مگر آج محض اس خیال سے اس کا ذکر کرتا ہوں کہ جو رفقاء مرکز سے دور بیٹھے ہیں اور جن کو معلوم نہیں ہے کہ کام کس رفتار سے ہو رہا ہے، کہیں ان پر مایوسی طاری نہ ہونے لگے۔

تعداد ارکان۔

جماعت کے ارکان کی تعداد اس وقت سات سو کے قریب ہے۔ بیرونی جماعتوں کی طرف سے اب تک پوری فہرستیں نہیں آئی ہیں اس لیے صحیح تعداد متعین نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ اصل تعداد اس تخمینہ سے زیادہ

ہی ہو۔

جماعت کا دائرۂ اثر۔

سندھ، بلوچستان، سرحد، بنگال، بمبئی اور وسط ہند کے علاقے ابھی تک ہماری دعوت سے بہت بیگانہ ہیں۔ زیادہ تر جن علاقوں نے اس کا اثر قبول کیا ہے وہ پنجاب، یوپی، بہار، دکن اور مدراس کے علاقے ہیں۔

جہاں تک لٹریچر کی اشاعت اور ارکانِ جماعت کے کام کی رپورٹوں سے اندازہ کر سکا ہوں، پچھلے ڈیڑھ دو سال میں ہم تقریباً ایک لاکھ آدمیوں تک اپنی آواز پہنچا چکے ہیں اور ان میں سے کم از کم دس فی صدی حصّہ ہماری دعوت سے متاثر ہو چکا ہے۔ غیر مسلموں میں ابھی دعوت کا کام بمنزلۂ صفر ہے، لیکن جو تھوڑی سی کوشش اس سلسلہ میں کی گئی ہے اس کے نتائج مایوس کن نہیں ہیں۔ اس سے اتنا اندازہ تو ضرور ہو گیا کہ غیر مسلم قوموں میں مسلمانوں کے خلاف جو تاریخی اور قومی تعصبات پائے جاتے ہیں وہ انشاءاللہ ہماری اس دعوت کی راہ میں کوئی بڑی رکاوٹ نہ بن سکیں گے۔ عوام اور دیہاتیوں اور محنت پیشہ طبقوں میں بھی ابھی تک کسی بڑے پیمانے پر کام شروع نہیں ہو سکا ہے۔ اس سلسلہ میں ابھی میں خود بھی ابتدائی تجربات کر رہا ہوں اور بعض دوسرے رفقاء بھی اپنے اپنے مقام پر مختلف طریقوں سے کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ کچھ زیادہ مدت نہ گذرے گی کہ ان تجربات سے ہم عوام میں تبلیغ کرنے کا ایک مناسب ترین ڈھنگ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

دوسری زبانوں میں لٹریچر کی تیاری۔

دعوت کے لیے اب تک ہم زیادہ تر اردو زبان ہی کو وسیلہ بناتے رہے ہیں اور دوسری زبانوں سے کچھ زیادہ کام نہیں لے سکے ہیں۔ لیکن انگریزی، ترکی، ہندی، تامل، تلنگی اور ملیالم میں لٹریچر کی تیاری کے لیے عملاً کوشش شروع ہو چکی ہے اور اگر اللہ کا فضل شامل حال رہا تو جنگ کے بعد ہم ہندستان اور بیرونِ ہند میں ان زبانوں کے واسطے سے خیالات کی اشاعت شروع کر دیں گے۔

دعوت کے اثرات۔

سب سے بڑی چیز جو ہمارے نزدیک ہر دوسرے نتیجہ سے زیادہ قیمتی ہے وہ یہ ہے کہ اس دعوت کا اثر جہاں جہاں بھی پہنچا ہے، اس نے مردہ ضمیروں کو زندہ اور سوتے ہوئے ضمیروں کو بیدار کر دیا ہے۔ اس کی اوّلین تاثیر یہ ہوئی ہے کہ نفس اپنا محاسبہ آپ کرنے لگے ہیں۔ حلال اور حرام، پاک اور ناپاک، حق اور ناحق کی تمیز پہلے کی محدود مذہبیت کی بہ نسبت اب بہت زیادہ وسیع پیمانہ پر زندگی کے تمام مسائل میں شروع ہو گئی ہے۔ پہلے جو کچھ دینداری کے باوجود کر ڈالا جاتا تھا وہ اب گوارا نہیں ہوتا بلکہ اس کی یاد بھی شرمندہ کرنے لگی ہے پہلے جن لوگوں کے لیے کسی معاملہ کا یہ پہلو سب سے کم قابلِ توجہ تھا کہ یہ خدا کی نگاہ میں کیسا ہے ان کے لیے اب یہی سوال سب سے زیادہ مقدم ہو گیا ہے۔ پہلے جو دینی حس اتنی کند ہو چکی تھی کہ بڑی بڑی چیزیں بھی نہ کھٹکتی تھیں

اب وہ اتنی تیز ہوگئی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی کھٹکنے لگی ہیں۔ خدا کے سامنے ذمہ داری و جواب دہی کا عقیدہ اب احساس بنتا جا رہا ہے اور بہت سی زندگیوں میں اس احساس سے نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے۔ لوگ اب اس نقطۂ نظر سے سوچنے لگے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں جو کچھ سعی و عمل وہ کر رہے ہیں وہ آیا خدا کی میزان میں کسی قدر وزن کی حامل ہو سکتی ہے یا محض ھَبَآءً منثورا بن جانے والی ہے۔ پھر الحمد اللہ اس دعوت نے جہاں بھی نفوذ کیا ہے بے مقصد زندگیوں کو با مقصد بنایا ہے اور صرف ان کے مقصد زندگی ہی کو نہیں بلکہ مقصد تک پہنچنے کی راہ کو بھی ان کی نگاہوں کے سامنے بالکل واضح کر دیا ہے۔ خیالات کی پراگندگی دُور ہو رہی ہے۔ فضول اور دور از کار دلچسپیوں سے دل خود ہٹ رہے ہیں۔ زندگی کے حقیقی اور اہم تر مسائل مرکز توجہ بن رہے ہیں۔ فکر و نظر ایک منظم صورت اختیار کر رہی ہے اور ایک شاہراہ مستقیم پر حرکت کرنے لگی ہے۔ غرض بحیثیت مجموعی وہ ابتدائی خصوصیات اچھی خاصی قابل اطمینان رفتار کے ساتھ نشوونما پا رہی ہیں جو اسلام کے بلند ترین نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اوّلاً لازماً مطلوب ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جو کچھ ہونا چاہیئے تھا اس کے لحاظ سے، جو کچھ ہوا وہ بہت کم ہے۔ لیکن اس کمی کا احساس اگر کسی شخص کو مایوس ہو کر بیٹھ جانے پر آمادہ کرتا ہے تو اس کو متنبہ ہو جانا چاہیئے کہ اس قسم کے احساسات ہمیشہ نزغ شیطانی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ احساس اس کو تلافی مافات

کے لیے سعی و جہد پر ابھارتا ہے تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور جو کچھ کمی وہ محسوس کرتا ہے اسے پورا کرنے کے لیے مستعدی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے۔ جہاں تک یہ کمی ہماری کوتاہیوں کے سبب سے ہے اس پر ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں اور آئندہ زیادہ خدمت کی توفیق مانگتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری کوتاہیاں ہی اس کمی کا واحد سبب نہیں ہیں، بلکہ اس کے کچھ اور اسباب بھی ہیں جن پر ہمیں کوئی اقتدار حاصل نہیں۔

رکاوٹیں اور مشکلات

(۱) جنگی حالات کی گرفت:۔ سب سے پہلا اور اہم سبب جو ہمارے راستہ میں غیر معمولی رکاوٹ پیدا کر رہا ہے، موجودہ جنگ ہے۔ ہمارے رفقاء اکثر کام کی سست رفتاری دیکھ کر یاس و قنوط کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کو یاد نہیں رہتا کہ ہم نے کام کی ابتدا ہی جنگ کے زمانہ میں کی ہے اور آغاز کار سے لے کر اب تک جنگی حالات کی گرفت شدید تر ہی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اوّل تو ایک نظام تمدن و سیاست جو پوری ہمہ گیری کے ساتھ محیط و مسلط ہو، اپنے دائرے میں ویسے ہی کسی مخالف دعوت کے لیے اٹھنے اور پھیلنے کی گنجائش بہت کم چھوڑتا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ جب وہ ایک بیرونی طاقت سے حیات و موت کی کشمکش میں مبتلا ہو، اس کے حدود میں رہ کر اس نوعیت کی ایک دعوت شروع کرنا، جیسی کہ ہم کر رہے ہیں، اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ نظام غالب اس وقت زمین اور اس کے تمام ذرائع پر شدت کے ساتھ قابض ہے اور اپنے بقاء کے لیے تمام وسائل کو اس طرح

استعمال کر رہا ہے کہ دوسروں کے لیے معمولی اسباب حیات تک نہیں چھوڑنا چاہتا۔ ان حالات میں ان تحریکوں کے لیے بھی جینا محال ہو رہا ہے جو سالہا سال سے چل رہی تھیں اور گہری بنیادوں پر قائم ہو چکی تھیں۔ پھر کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ ایک ایسی تحریک جو اس نظام کی بالکل ضد ہے اور جس نے عین جنگ میں جنم لیا ہے آسانی کے ساتھ جڑ پکڑ سکے گی اور تیز رفتاری کے ساتھ چل سکے گی۔

(۲) ذرائع کی کمی :- دوسری بڑی رکاوٹ ہماری راہ میں ذرائع کی کمی ہے۔ تشکیل جماعت کے وقت ہمارے پاس صرف ۷۴ روپے کا سرمایہ تھا اور دو ہزار روپے کی کتابیں ہمارے بکڈپو میں موجود تھیں۔ اتنے قلیل ذرائع سے ہم نے اس عظیم الشان کام کی ابتداء کی تھی جس کا مقصد پورے نظام زندگی کو بدل ڈالنا تھا۔ جماعت میں جو لوگ داخل ہوتے وہ بیشتر غریب تھے اور اب تک خوشحال عنصر ہمارے اندر ایک فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے ارکان جماعت کی طرف سے اس کام میں کوئی قابل ذکر مالی اعانت ہمیں حاصل نہیں ہو سکی۔ عام اہل خیر سے مدد لینے میں جن اصولوں کی ہم پابندی کرتے ہیں وہ بھی ایسے نہیں ہیں کہ ہم بڑے پیمانہ پر کوئی مستقل مالی اعانت حاصل کرنے کی توقع کر سکیں۔ صرف ایک مستقل ذریعہ ہمارے پاس جماعت کا بک ڈپو ہے جس کے بل بوتے پر ہم اطمینان کے ساتھ کام کر سکتے ہیں، چنانچہ اب تک میں نے زیادہ تر توجہ اسی ذریعہ کو ترقی دینے پر صرف کی ہے اور دوسرے کام شروع کرنے سے قصداً

احتراز کیا ہے ۔ تاکہ کوئی قدم آگے بڑھنے کے بعد پیچھے نہ پڑنے پائے۔ اگر جنگی حالات زیادہ شدت اختیار نہ کر گئے ہوتے تو بک ڈپو اس وقت اس حد تک ترقی کر چکا ہوتا کہ اس کی مدد سے ہم دوسری تجویزوں پر عمل شروع کر دیتے، لیکن موجودہ حالات نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ اپنے تمام ذرائع اور اپنی ساری قوتیں بک ڈپو کی زندگی برقرار رکھنے پر صرف کر دیں۔

(۳) مردانِ کار کی کمی :- تیسری اہم رکاوٹ مردانِ کار کی کمی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص تنہا اپنی ذات سے پورا ادارہ نہیں بن سکتا۔ بڑے بڑے اجتماعی کام صرف اسی طرح ہو سکتے ہیں کہ قیادت و رہنمائی کا کام جس شخص کے سپرد ہو اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے عمدہ صلاحیتیں رکھنے والے چند آدمی موجود ہوں جو ایک ایک شعبہ کا کام پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھال سکیں۔ اس قسم کے آدمی مجھے ابھی تک میسر نہیں آئے ہیں۔ سات سو آدمیوں کی یہ جماعت، جو گذشتہ ڈیڑھ پونے دو سال کی دعوت و تبلیغ سے فراہم ہوئی ہے، یہ ابھی بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ یہ محض ایک موادِ خام ہے جو آئندہ کی تعمیر کے لیے جمع کیا گیا ہے۔ ابھی اجزاءِ مختلفہ کے اس مجموعہ نے کوئی ترکیبی مزاج اختیار نہیں کیا ہے۔ ابھی اس کے اجزاء کو جانچنے اور چھانٹنے اور ان کی صلاحیتوں کا جائزہ لینے اور ہر صلاحیت کے جزو کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنے کا کام باقی ہے۔ یہ کام زیادہ آسان ہوتا اگر جنگی مشکلات حائل نہ ہوتیں اور بار بار ارکانِ جماعت کے اجتماعات کیے جا سکتے، بالکم از کم چار پانچ آدمی مجھے ایسے مل گئے ہوتے جن پر مرکز کے

کاموں کا بوجھ ڈال کر میں خود پے درپے دورے کر سکتا۔ مگر جو حالات اس وقت درپیش ہیں اُن میں نہ تو اجتماعات ہی ہو سکتے ہیں اور نہ میں خود جگہ جگہ پہنچ کر ارکانِ جماعت سے شخصی روابط قائم کر سکتا ہوں اسی لیے اب تک میں پوری طرح جماعت کا جائزہ لے کر یہ معلوم نہیں کر سکا ہوں کہ ہمارے رفقاء میں کن کن صلاحیتوں کے لوگ موجود ہیں اور ان سے کیا کام لیے جا سکتے ہیں۔ جن رفقاء کی صلاحیتوں کا مجھے علم ہو چکا ہے ان سے کام لینے میں بھی متعدد امور مانع ہیں۔ ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو فکرِ معاش سے بے نیاز ہو۔ ان کا پورا وقت اگر جماعت کی خدمت کے لیے حاصل کیا جائے تو ان کے معاش کا انتظام جماعت کو کرنا چاہیئے مگر جماعت کے ذرائع اس بار کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کو مرکز میں بُلا کر یہ چاہوں کہ اپنی معاش وہ خود پیدا کریں اور جماعت کا کام بھی ساتھ ساتھ کریں تو یہ بھی ممکن نہیں، کیونکہ موجودہ معاشی نظام اتنا نالائق ہے کہ یہ کسی کو دو وقت کی روٹی نہیں دیتا جب تک کہ اس کا سارا وقت اور اس کی تمام قوتیں سونت نہ لے۔

(۴) کارکنوں کا غیر تربیت یافتہ ہونا: ان موانع کے سوا ایک اور چیز بھی ہے جس کی وجہ سے اب تک نہ تو کام کی رفتار ہی تیز ہو سکی ہے اور نہ اتنا بہتر کام ہو سکا ہے جیسا ہونا چاہیئے تھا۔ وہ یہ ہے کہ ابھی ہمارے ارکان کی تربیت بالکل ابتدائی حالت میں ہے۔ بہت کم ارکان ہیں جنہوں نے اس جماعت کے مزاج اور اس کے مقصد اور طریقِ کار

کو اچھی طرح سمجھا ہو اور جو یہ جانتے ہوں کہ انہیں کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ بلشیتر لوگ جو ہمارے حلقہ میں داخل ہوتے ہیں، بہت زیادہ تربیت کے محتاج ہیں۔ ان میں سے متعدد لوگ ایسے ہیں جو محض وقتی اور جزئی کشش کی بنا پر جماعت کے اندر داخل ہوگئے ہیں مگر ان کی ذہنیت، سیرت و اخلاق اور راہِ سعی و عمل میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو "عمل" اور "تنظیم" کے وہی تصورات ابھی تک اپنے ذہن میں لیے ہوتے ہیں جو پہلے کی جماعتوں کو دیکھ کر یا ان کے اندر کام کرکے انہوں نے اخذ کیئے تھے۔ وہ بار بار اسی قسم کے "عمل" اور اسی طرز کی "تنظیم" کے مطالبے کرتے ہیں اور ان کے ذہن ابھی تک اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکے ہیں کہ مصنوعی تنظیم اور مظاہرے کے عمل کے سوا تنظیم اور عمل کی کچھ دوسری قوی تر صورتیں بھی ہیں اور اسلامی تحریک کے مزاج سے وہی زیادہ مناسبت رکھتی ہیں۔ کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اصولی حیثیت سے تو تمام باتیں اچھی طرح سمجھ لی ہیں مگر ابھی تک عملی طریق کار ان کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آیا ہے۔ ان کی حالت اس طالب علم کی سی ہے جس نے صرف کتاب سے میکانکس کا علم حاصل کیا ہو مگر جب مشین سے اس کو سابقہ پیش آئے تو وہ اس کے سامنے اپنے آپ کو بالکل مبتدی محسوس کرے۔ جماعت کی اکثریت ان مختلف حالتوں میں مبتلا ہے۔ رہے وہ قلیل التعداد ارکان جو خلاصہ جماعت ہیں تو ان کو بھی ابھی چند ارتقائی مدارج سے گذرنا ہے۔ وہ خوب

سمجھ چکے ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے، اور حتی الامکان کام کر بھی رہے ہیں لیکن انہیں اپنی قوتوں اور نہ قابلیتوں کو، جن کا نشوونما اب تک کسی اور ہی ڈھنگ پر ہوتا رہا ہے اور جن کو کسی اور طرز پر اب تک استعمال کیا جاتا رہا ہے" اوور ہالی" کرکے از سرِ نو مرتب کرنا پڑ رہا ہے اور یہ ترتیبِ جدید بہرحال ابھی کافی وقت لے گی۔ ان میں جو مقرر تھے اور اچھے مقرر تھے، اس جماعت کے اندر آنے کے بعد یکایک وہ گونگے ہو گئے ہیں کیونکہ ان کی زبان اب تک جس راہ پر چلتی رہی تھی، یہ راہ اس سے بہت مختلف ہے اور اس راہ میں بولنے کے لیے انہیں زبان کو بالکل نئے سرے سے تیار کرنا ہے۔ یہی حال ادیبوں، مصنفوں، معلّموں، پبلک کارکنوں اور دوسری قابلیتوں کے رفقاء کا ہے کہ ہر ایک اس جماعت میں آنے کے بعد اپنی شخصیت کو تبدیل کرنے میں لگا ہوا ہے اور یہ تبدیلی جب تک مکمل نہ ہو لے، یہ لوگ جماعتی عمل میں اپنا پورا حصّہ ادا کرنے سے معذور ہیں۔

ان اسباب پر غور کرنے سے کام کی رفتار سست اور غیر محسوس ہونے کے وجوہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جو عظیم الشّان مقصد ہمارے سامنے ہے اور جن زبردست طاقتوں کے مقابلہ میں ہم کو اٹھ کر اس مقصد کے لیے کام کرنا ہے، اس کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ ہم میں صبر ہو، تدبّر اور معاملہ فہمی ہو اور اتنا مضبوط ارادہ موجود ہو جس سے ہم دُور رس نتائج کے لیے لگاتار ان تھک سعی کر سکیں۔ بے صبری کے ساتھ جلدی جلدی نتائج

برآمد کرنے کے لیے بہت سے ایسے سطحی کام کیے جا سکتے ہیں جن سے ایک وقتی ہلچل برپا ہو جائے۔ لیکن اس کا کوئی حاصل اس کے سوا نہیں ہے کہ کچھ دنوں تک فضا میں شور رہے اور پھر ایک صدمہ کے ساتھ سارا کام اس طرح برباد ہو کہ مدت ہائے دراز تک دوبارہ اس کا نام لینے کی بھی کوئی ہمت نہ کر سکے۔

(ترجمان القرآن۔ ربیع الاوّل ۶۲ھ)

تحریک اسلامی پاکستان
مردان

رُوداد اجتماع دربھنگہ

از سیّد عبدالعزیز صاحب شرقی

حسبِ اعلان ۲۱، ۲۲ر اکتوبر ۴۳ء کو مشرقی یوپی اور بہار کے ارکان جماعت کا اجتماع دربھنگہ میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل ارکان شریک ہوئے۔

مرکز سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (امیر جماعت) اور سیّد عبدالعزیز شرقی۔ لاہور سے جناب نصر اللہ خاں صاحب عزیز، مدیر مسلمان۔ الٰہ آباد سے ڈاکٹر نذیر علی صاحب زیدی، محمد اسحاق صاحب و عبدالرشید صاحب۔ سرائے میر سے مولانا امین احسن صاحب و مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی۔ پٹنہ سے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، تقی الدین صاحب نعمانی، حافظ محمد عثمان صاحب، ڈاکٹر نورالعین صاحب اور ڈاکٹر غیاث الدین صاحب۔ مونگیر سے فضل الرحمان صاحب (سابق وکیل)، دربھنگہ سے سید محمد حسین صاحب جامی۔

ارکان کے علاوہ آٹھ دس ہمدردان جماعت بھی مختلف مقامات سے

آ گئے تھے۔

اجتماع کے لیے دربھنگہ کی آبادی سے ڈیڑھ دو میل دور سبز کھیتوں کے درمیان ایک الگ تھلگ مقام تجویز کیا گیا تھا تاکہ سکون کے ساتھ کام کیا جا سکے۔ ۱۲ اکتوبر کی صبح کو پہلی نشست ہوئی۔ تلاوت قرآن کے بعد سب سے پہلے ارکانِ جماعت کا ایک دوسرے سے تفصیلی تعارف ہوا۔

اِفتتاحی تقریر

اس کے بعد مولانا مودودی صاحب نے افتتاحی تقریر کی جس میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی :۔

۱۔ تحریک اس وقت کس مرحلہ پر ہے ؟
۲۔ کس نوعیت کی مشکلات درپیش ہیں ؟
۳۔ مالی حالات کیسے ہیں ؟
۴۔ کام کو کس نقشہ پر آگے بڑھانا مدنظر ہے ؟
۵۔ ہماری تحریک اور دوسری تحریکوں کی نوعیت میں فرق کیا ہے ؟
۶۔ کس کس قسم کے کام اصل انقلابی حرکت سے پہلے کرنے ضروری ہیں ؟
۷۔ بعض ارکانِ جماعت میں جو سرد مہری پائی جاتی ہے اس کے اصل وجوہ کیا ہیں ؟
۸۔ کن غلط فہمیوں کے ماتحت محدود پروگراموں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے ؟

پوری تقریر کو لفظ بلفظ یہاں نقل کرنا تو مشکل ہے البتہ جماعت کی رہبری کے لیے تقریر کے ضروری حصص یہاں پیش کیے جاتے ہیں:۔

توسیع دعوت کے سلسلے میں قابل توجہ امور۔

(۱) "ہماری تحریک اس وقت چند ارتقائی منازل کو عبور کرتی ہوئی اس مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ جہاں تک ہمارے نصب العین کا تعلق ہے، ہندوستانی[1] مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اس سے متاثر ہو چکی ہیں اور وہ بات جسے تین چار سال پہلے ہماری مذہبی و سیاسی جماعتیں زبان پر لانے کے لیے تیار نہیں تھیں، اب اسے بیشتر جماعتیں اپنا نصب العین قرار دینے لگی ہیں۔ لیکن یہ چیز ہمارے لیے خواہ کتنی ہی باعث مسرت ہو، ہمیں اس پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے، کیونکہ جہاں تک مسلم جماعتوں کا تعلق ہے، وہ جس بھانی سے اس نصب العین کو قبول کر لیتی ہیں اس آسانی سے اس نصب العین کے مخصوص طریق کار اور ذمہ داریوں اور اخلاقی مقتضیات کو قبول نہیں کر سکتیں۔ اس وقت یہ خطرہ درپیش ہے کہ کہیں یہ نصب العین ہنگامہ پسند جماعتوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہ رہ جائے اور وہ اس کو ایک سنجیدہ مقصد حیات کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بجائے ایک اضحوکہ نہ بنا دیں۔ لہٰذا اب زور اس پہلو پر دینے کی ضرورت ہے کہ اس نصب العین کے لیے جدوجہد کرنا تو درکنار، اس کا نام زبان پر لانے کے

---

[1] یہ یاد رہے کہ یہ روداد تقسیم ملک سے قبل اکتوبر ۴۳ء کے اجتماع کی ہے۔

لیے بھی اعلیٰ کیرکٹر ضروری ہے ۔ اس پہلو سے نشر افکار کی مہم اس زور سے شروع ہو جانی چاہیئے کہ حکومت الٰہیہ کا نعرہ بلند کرنے والی جماعتیں دیانت دارانہ طریقہ سے اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر مجبور ہوں اور اس نعرہ کے مطابق کام کریں ، یا اگر انہیں کسی دوسرے راستہ ہی پر چلنا ہو تو عوام فریبی سے باز آجائیں ۔

(۲) خطرہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پچھلے پچیس تیس سال سے مسلمانوں کی سیاسی تربیت بہت غلط طرز پر ہوتی رہی ہے ۔ ان کی مستقل اجتماعی خصلت یہ بن گئی ہے کہ ایک تخیل پر ٹھوس کام کرنے کے بجائے کسی نقشۂ کار (Plan) کو مرتب کیے بغیر شور مچا دیتے ہیں ۔ یہ غلط طرز تحریک جو جمود سے کچھ کم مضر نہیں ہے بہت مقبول عوام ہے لیکن ہم اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں ۔ ہمیں تحریک کا پورا نقشۂ کار مرتب کرنے سے پہلے دعوت کو ہنگامہ پسند عوام تک پہنچانے سے احتراز کرنا ہے ۔ خوب سوچ لیجئے کہ جس میدانِ جنگ میں آپ اتر رہے ہیں اس میں دشمن کے مورچے کدھر کدھر اور کس ترتیب سے پھیلے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں آپ کو کس طرز پر مورچہ بندی کرنی ہے آپ کے کمزور پہلو کون کون سے ہیں ، آپ کی جمعیت کو کس کس پہلو سے مضبوط ہونا چاہیئے ، پیش قدمی کدھر سے ہو اور کس رفتار سے ہو ۔ غرض یہ کام ہلڑ مچانے سے نہیں ہوگا اس کے لیے تو ایک ہوشیار جنرل کی دوربینی و وسیع النظری اور اس کے ساتھ ایک نظامِ اطاعت میں جکڑی ہوئی

جمعیت کی جدوجہد مفید مطلب ہے۔

(۳) موجودہ مرحلہ کی نزاکت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں تک بنیادی افکار کا تعلق ہے ان کو پھیلانے میں تو ہم بڑی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں، لیکن ہمارے پاس ایسی سیرت اور ایسی اعلیٰ قابلیت رکھنے والا ایک منظم گروہ مہیا نہیں ہو سکا ہے جو دنیا کے سامنے اس عملی تفصیلات کو پیش کر سکے جن کی مانگ ہمارے ان افکار پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے والے لوگوں میں فوراً پیدا ہو جاتی ہے۔ جب لوگ ہم سے اجتماعی زندگی کا وہ تفصیلی نقشہ مانگنے لگتے ہیں جو ہمارے نظام فکر کی بنیاد پر بننا چاہیئے تو ہم اسے پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ محض اس لیے کہ ان تفصیلات کو مرتب کرنا ایک شخص واحد کے بس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صاحب فکر محققین کا ایک گروہ درکار ہے جو باہم محنت اور کاوش سے اس کام کو انجام دیتا رہے۔"

(۴) ہماری دعوت پر لبیک کہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روشن اور تاریک دونوں پہلو رکھتی ہے۔ روشن پہلو یہ ہے کہ ہماری طرف مسلمانوں کا وہی عنصر کھینچ رہا ہے جو صالح اور کارآمد ہے۔ ہماری پکار پر جو لوگ نحن انصار اللہ کہہ کر جمع ہو رہے ہیں ان میں ایک نہایت خوش گوار اخلاقی تغیر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس روشن پہلو کے ساتھ تاریک پہلو یہ ہے کہ ارکان جماعت میں صبر اور اپنے مقصد سے گہری وابستگی اور اپنے "ہولناک عہد" کی ذمہ داریوں کے احساس میں کمی پائی جاتی

ہے جس کی وجہ سے بہت جلدی سرد مہری پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اگر باہم اکسانے اور گرمانے کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ گویا اگر اکسانے والا نہ ہو اور کوئی دلچسپ کام ان کو فوراً نہ بتادیا جائے تو اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ کی صورت بہت آسانی سے رونما ہو سکتی ہے۔ ہمارے ارکان میں یہ تصوّر پوری شدّت کے ساتھ کارفرما نہیں ہے کہ شعور و ادراک اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ شہادتِ توحید و رسالت ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا عہد کسی شخص یا جماعت کے ساتھ نہیں بندھ رہا ہے بلکہ خدا کے ساتھ بندھ رہا ہے اور اس شہادت کے ساتھ جو نصب العین خود بخود مسلمان کی زندگی کا قرار پاجاتا ہے اس کے لیے کام کرنا شہادت ادا کرنے والے کا اپنا فریضہ بن جاتا ہے۔ دوسرا ایک تاریک پہلو ہمارے جماعتی نظام میں یہ ہے کہ اطاعتِ امر میں کمی پائی جاتی ہے۔ نیز ارکان جماعت میں باہم وابستگی اور تعاون میں نمایاں ترقی نہیں ہوئی اور ابھی تک ایسے لوگ ہم کو نہیں ملے ہیں جو مقامی امارتوں کے فرائض اچھی طرح سمجھیں اور مقامی جماعتوں کے ارکان سے صحیح طرز پر کام لے سکیں۔

ہماری مشکلات۔

مشکلات کا جائزہ لینے سے تین چیزیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔
اوّلاً ہمارے پاس مردانِ کار کی بہت کمی ہے۔ دوسرے ذرائع و وسائل بہت محدود ہیں اور جنگ کی معاشی تاخت نے تو انہیں صفر کے درجے

"تک پہنچا دیا ہے۔ تیسری مشکل جو اسی دوسری مشکل سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ تعمیری کام کرنے والے لوگوں کا جو محدود سا ذخیرہ جماعت کے ہاتھ آیا ہے وہ بالکل منتشر ہے اور اسے سمیٹنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے۔ کچھ پرزے ہیں جو ہندوستان کے حدود میں بکھرے پڑے ہیں۔ انہیں جمع کر کے جوڑ دینے کی اسکیم بر سرِ عمل نہیں آ رہی یہی وجہ ہے کہ نہ تو مرکز کا فکری "پاور ہاؤس" مکمل ہو سکا ہے، نہ عملی کارروائیوں کی ضروری مشین باضابطہ طور پہ نصب ہو سکی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صورتِ حالات کے بعض اسباب پر ہماری دسترس نہیں ہے لیکن جماعت اس ذمہ داری سے بالکل بری بھی نہیں ہے۔ ہمارے رفقاء میں مالی ایثار کا جذبہ بہت کم بلکہ صفر کے برابر ہے۔ ابھی تک اپنے مقصدِ حیات کے لیے روپیہ صرف کرنا لوگوں نے نہیں سیکھا اور انفاق فی سبیل اللہ کا ولولہ ناپید ہے۔ ممکن ہے کہ اگر دوسری جماعتوں کی طرح چندہ کی اپیلوں سے لوگوں کو ٹھیلا جاتا رہے اور اُدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ کی صدا لگائی جاتی رہے تو یہ کمی پوری ہو جائے لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ خارجی تحریک کے محتاج ہو کر رہ جائیں۔ ہماری تحریک کا مخصوص مزاج یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ کیا جائے اندرونی تحریک سے کیا جائے۔ جس طرح ایک فرد اپنی بقاء کے لیے بغیر کسی خارجی تحریک کے معدہ کو غذا بہم پہنچاتا ہے اسی طرح جماعت کو اپنے جماعتی معدہ بیت المال کی بھوک کا خود احساس کرنا چاہیئے ورنہ زندگی کی حرکت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے ارکان بیشتر وہی لوگ ہیں جو معاشی اعتبار سے کچھ زیادہ خوش حال نہیں ہیں لیکن اس امر کو نہ بھولنا چاہیئے کہ اس دعوت نے کبھی بھی آغاز میں زیادہ خوش حال لوگوں کو اپیل نہیں کیا ہے۔ پہلے بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگ اس کی طرف کھنچتے رہے ہیں جن کی مالی حالت بہتر نہ تھی۔ دراصل مالی ایثار کے جذبہ کا تعلق جیب کے ثقل سے اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا دل کی لگن سے ہے۔ اسی لگن میں کمی معلوم ہوتی ہے۔

تاہم مالی حالت بالکل مایوس کن بھی نہیں ہے۔ اس بدحالی کے زمانہ میں بھی کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے لیکن بیت المال اس پوزیشن میں بھی نہیں ہے کہ کوئی بڑا کام شروع کیا جا سکے۔ جتنی تعمیری اسکیمیں مدنظر تھیں معرضِ التوا میں ہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ آمدنی بک ڈپو تھا مگر کاغذ کی گرانی اور نایابی اس کی جان کی لاگو ہو گئی ہے۔ باہر سے جو رقمیں اعانت کے لیے بلا طلب آیا کرتی تھیں ۱۹۴۲ء کی بہ نسبت ۱۹۴۳ء میں ان کے اندر نمایاں کمی آگئی ہے۔ ان حالات کو مدّنظر رکھ کر ہر رفیق کو اپنی جگہ سوچنا چاہیئے اور اپنے احساس ذمہ داری سے استفتاء کرنا چاہیئے کہ اس کا فرض کیا ہے۔"

ہماری تحریک اور دوسری تحریکوں کا فرق۔

"اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ارکان کو اپنی تحریک اور دوسری تحریکوں کے فرق کا پورا شعور نہیں ہے۔ حالانکہ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ

لینے کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک عام تحریکوں سے بنیادی اختلافات رکھتی ہے! اوّلاً یہ کہ اس کے سامنے پوری زندگی کا مسئلہ ہے، زندگی کے کسی ایک پہلو کا نہیں۔ ثانیاً یہ کہ خارج سے پہلے یہ باطن سے بحث کرتی ہے۔ جہاں تک پہلے پہلو کا تعلق ہے ہمارے سامنے کام اتنا بڑا اور اہم ہے جو اسلامی تحریک کے سوا دنیا کی کسی تحریک کے سامنے نہیں ہے اور ہم اس جلد بازی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے جس جلد بازی سے دوسرے کر سکتے ہیں۔ پھر چونکہ ہمارے لیے خارج سے بڑھ کر باطن اہمیت رکھتا ہے اس وجہ سے محض تنظیم اور محض ایک چھوٹے سے ضابطہ بند پروگرام پر لوگوں کو چلانے اور عوام کو کسی ڈھرّے پر لگا دینے سے ہمارا کام نہیں چلتا۔ ہمیں عوام میں عمومی تحریک (Mass - Movement) چلانے سے پہلے ایسے آدمیوں کو تیار کرنے کی فکر کرنی ہے جو بہترین اسلامی سیرت کے حامل ہوں اور ایسی اعلیٰ درجہ کی دماغی صلاحیتیں بھی رکھتے ہوں کہ تعمیرِ افکار کے ساتھ اجتماعی قیادت کے دوسرے فرائض کو سنبھال سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں عوام میں تحریک کو پھیلا دینے کے لیے جلدی نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری تمام تر کوشش اس وقت یہ ہے کہ ملک کے اہلِ دماغ طبقوں کو متاثر کیا جائے اور ان کو کھنگال کر صالح ترین افراد کو چھانٹ لینے کی کوشش کی جائے جو آگے چل کر عوام کے لیڈر بھی بن سکیں اور تہذیبی و تمدنی معمار بھی۔ یہ کام چونکہ ٹھنڈے دل سے کرنے کا ہے اور ایک عمومی تحریک کی طرح فوری ہلچل اس میں نظر نہیں آسکتی ہے، اس وجہ سے نہ صرف ہمارے

ہمدرد و ہم خیال لوگ بلکہ خود ہمارے ارکان تک بد دل ہونے لگتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ارکانِ جماعت کام کے اس نقشہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اپنی قوتیں بد دلی کی نذر کرنے کے بجائے کسی مفید کام میں استعمال کریں۔

ہمارے پیش نظر نقشۂ کار۔

یہ اعتراض بجا ہے کہ کثیر التعداد عوام کو اس نقشہ کے مطابق بلند سیرت بنانے کے لیے مدت مدید درکار ہے۔ مگر ہم اپنے انقلابی پروگرام کو عوام کی اصلاح کے انتظار میں ملتوی کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارے پیش نظر صرف یہ نقشہ ہے کہ عوام کی سربراہ کاری کے لیے ایک ایسی مختصر جماعت فراہم کر لی جائے جس کا ایک ایک فرد اپنے بلند کیریکٹر کی جاذبیت سے ایک ایک علاقہ کے عوام کو سنبھال سکے۔ اس کی ذات عوام کا مرجع بن جائے اور کسی مصنوعی کوشش کے بغیر بالکل فطری طریقہ سے عوام کی لیڈر شپ کا منصب اُسے حاصل ہو جائے۔ مگر صرف مرجعیت سے بھی کام نہیں چل سکتا اس سے کام لینے کے لیے دماغی صلاحیتیں بھی ہونی چاہئیں تاکہ ان مرکزی شخصیتوں کے ذریعہ سے عوام کی قوتیں مجتمع اور منظم ہو کر اسلامی انقلاب کی راہ میں صرف ہوں۔ ایک ٹھوس پائیدار اور ہمہ گیر انقلاب کا لازمی ابتدائی مرحلہ یہی ہے۔ اس مرحلہ کو صبر سے طے کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ تحریک کی تباہی ناگزیر ہے۔ اگر موجودہ حالات میں عوام کو اُکسا دیا جائے جب کہ عوام کو سنبھال کر لے چلنے والے مقامی رہنما

موجود نہیں ہیں تو عوام بالکل بے راہ روی پر اُتر آئیں گے اور اپنے آپ کو نااہل لوگوں کے حوالے کر دیں گے ۔"

"عمومی تحریک (Mass - Movement) کے آغاز سے پہلے چند تعمیری کام کر لینے ضروری ہیں ۔

ایک یہ کہ ہم اپنے تعلیمی پروگرام کی بنا ڈال دیں ، کیونکہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے نصب العین تک پہنچ جائیں ۔ اس لیے ہمیں ابھی سے یہ فکر کرنی چاہیئے کہ ہم اپنی جگہ اپنے سے بہتر کام کرنے کے لیے آئندہ نسل کو تیار کرنا شروع کر دیں ۔

دوسرے ہمیں اہلِ قلم کا ایک ایسا لشکر تیار کر لینا چاہیئے جو علوم و فنون اور ادب کے ہر پہلو سے نظامِ حاضر پر حملہ آور ہو سکے ۔ کچھ سیاسی مفکرؒ ہوں جو حال کی کافرانہ سیاست کے مکروہ خدوخال کو خوب نمایاں کریں ، کچھ معاشی ماہرین ہوں جو رائج الوقت معاشی تنظیم کے عیوب کو کھولیں ، کچھ علمائے قانون کی ضرورت ہے جو انسانی قوانین کی بے اعتدالیوں کو نمایاں کریں ، اخلاق و نفسیات کے کچھ حکماء چاہئیں جو عہدِ حاضر کے علم النفس اور علم الاخلاق کی کوتاہ بینیوں کی نشان دہی کریں ، اور اس تخریبی کارروائی کے ساتھ یہ لوگ علوم کی نئی تدوین کا تعمیری کام بھی سنبھالیں ۔ ان مجتہد مفکرین کو مدد بہم پہنچانے کے لیے ادیبوں ، افسانہ نگاروں اور ڈرامہ نویسوں کا ایک گروہ بھی ضرور ہونا چاہیئے جو فکری میدانِ کارزار میں "گوریلا وار" لڑتا ہے ۔

تیسرا تعمیری کام ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عمومی تحریک کو چلانے کے لیے کارکنوں اور رضا کاروں کی تربیت کی جائے۔ ہمیں منفرد وں سے لے کر خاموش کارکنوں تک بالکل نئی وضع کے کارندے درکار ہیں جن کے اندر خشیتہ اللہ کی روح جاری وساری ہو۔ ان تین شعبوں میں جس کم سے کم تعمیری کام کی ضرورت ہے اس کو انجام دینے سے پہلے یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ ہم عوام میں انقلابی دعوت پھیلانے کے لیے کوئی کامیاب اقدام کر سکتے ہیں۔"

ہ کام کے اس نقشہ کو اب تک سمجھا نہیں گیا ہے اور آنکھیں انہیں تحریکوں سے واقف ہیں جو پچھلے ۲۰، ۲۵ برس سے چلتی رہی ہیں، اس لیے لوگ بجائے اس کے کہ ان پہلوؤں میں اپنے آپ کو اور اپنی جماعت کو تیار کرنے پر اپنی قوتوں کو صرف کریں وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کوئی چلتا پھرتا کام فوراً ہونے لگے اور جب وہ ہوتا نظر نہیں آتا توان کے اوپر مایوسی طاری ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ بہت سے ارکانِ جماعت ایسے ہیں جنہوں نے مجھ سے بالمشافہ اور بالمراسلہ یہ سوال کیا ہے کہ ہمارا پروگرام کیا ہے۔ اور ہم کیا کریں؟ یہ پروگرام کا مطالبہ اور یہ تصور کہ ان لوگوں کو کرنے کے لیے کوئی کام بتایا نہیں گیا، اس کی بنا بھی یہی ہے کہ ہمارے رفقاء ابھی تک پوری طرح نہیں سمجھے ہیں کہ جس تحریک کی خدمت کے لیے اُنہوں نے اپنے آپ کو پیش کیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ درحقیقت مسلمان کو اگر اس امر کا پورا شعور حاصل ہو کہ اس کی حیثیت کیا

رہے اور اس کی ذمہ داری کتنی بھاری ہے تو اسے خود بخود معلوم ہو جائے کہ اس کی پوری زندگی کے لیے ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر پروگرام موجود ہے جس پر اگر وہ پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ عمل کرے تو اسے ایک لمحہ کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔

اسلام کا ہمہ گیر پروگرام

ہر شخص کو بہت سی جسمانی اور ذہنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ بہت سے اسبابِ زندگی بطور امانت اس کی تحویل میں دیئے ہیں۔ بہت سے انسانوں کے ساتھ اسے تعلقات کے رشتوں میں باندھا ہے اور ان رشتوں کے لحاظ سے مختلف ذمہ داریاں اس پر عائد کی ہیں۔ خدا کے سامنے ہر شخص کی ذمہ داری اس لحاظ سے ہے کہ وہ اپنی ان قوتوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے اور خدا کی سپرد کی ہوئی امانتوں میں کن طریقوں سے تصرف کر رہا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے پروگرام یہی ہے کہ وہ ہر وقت اپنا حساب لے کر دیکھتا رہے کہ اس عظیم الشان ٹرسٹ کا ٹرسٹی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے فرائض کو کہاں تک انجام دے رہا ہے اور ان میں خدا کے منشاء کو پورا کرنے میں کس حد تک کامیاب ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی قوتِ گویائی کے حساب ہی پر متوجہ رہے اور پیہم اس کوشش میں لگا رہے کہ زبان کی طاقت جس مقصد کے لیے اللہ نے اس کو عطا کی تھی اس کو کہاں تک پورا کر رہا ہے اور اس عطیہ کے ساتھ جو ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں ان کو کہاں تک نباہ رہا ہے تو شاید اسی سلسلہ کے پروگرام سے اس

کو اتنی فرصت نہ ملے کہ اس کے بعد کسی دوسرے پروگرام کے پوچھنے کی اس کو ضرورت پیش آئے۔ یہی حال دوسری بے شمار قوتوں کی ذمہ داریوں کا ہے۔

اگر میں چند چھوٹے موٹے کاموں کو بطور پروگرام کے آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ اُس بڑے اور ہمہ گیر پروگرام سے، جس کی بے شمار مدات ہیں اور جس پر زندگی کے ہر سانس میں آپ کو عمل کرنا ہے، آپ غافل ہو جائیں گے اور سمجھیں گے کہ اصل کرنے کے کام وہ چند ہیں جو ایک چھوٹے سے لائحہ عمل میں آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ اسی لیے میں شدید اور پے در پے مطالبوں کے باوجود ایسی کوئی چیز پیش کرنے سے سخت احتراز کر رہا ہوں اور آئندہ بھی احتراز کروں گا۔

ہر کارکن اس پروگرام کو سامنے رکھ کر اپنا محاسبہ کرے۔

میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ ہر شخص جو جماعت میں داخل ہو وہ اس بڑے پروگرام کو سمجھے اور اس پر عمل درآمد کرے جو شعوری مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آپ سے آپ اس کی زندگی کے لیے قرار پا جاتا ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنے رفقاء سے بسا اوقات اس قسم کی باتیں سُنتا ہوں کہ "ہمارے لیے کرنے کا کام کیا ہے؟" میں پوچھتا ہوں کہ کیا اپنی تمام کمزوریوں کو آپ دُور کر چکے ہیں اور اپنے نفس کو کامل طور پر اللہ کا بندہ بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں؟ کیا ان تمام حقوق کی ادائیگی

سے بھی آپ فارغ ہو چکے ہیں جو اللہ اور اُس کے دین کی طرف سے آپ کے دماغ پر، آپ کے دل پر، آپ کے اعضاء و جوارح پر، آپ کی ذہنی و جسمانی قوتوں پر اور آپ کے مملوکہ اموال پر عائد ہوتے ہیں؟ اور کیا آپ کے گردو پیش کوئی انسان بھی خدا سے غافل یا گمراہ یا دینِ حق سے ناواقف یا اخلاقی پستیوں میں گرا ہوا باقی نہیں رہا ہے جس کی اصلاح کا فرض آپ پر عائد ہوتا ہو؟ —— اگر ایسا نہیں ہے تو آپ کے اندر یہ تخیل آ کہاں سے گیا کہ آپ کے لیے کرنے کا کام کوئی نہیں رہا ہے اور آپ کو کچھ اور کام بتایا جائے جس میں آپ مشغول ہوں۔ یہ سارے کام تو اَن ہوتے پڑے ہیں جو آپ سے ہر وقت کا شدید انہماک چاہتے ہیں اور اگر آپ ان کو اس طرح انجام دینا چاہیں جیسا کہ ان کا حق ہے تو آپ کو ایک لمحہ دم لینے کی فرصت بھی نہیں مل سکتی۔ مگر چونکہ آپ کو ابھی تک پچھلی سطحی تحریکوں کے طور طریقوں کی چاٹ پڑی ہوئی ہے اور آپ کے اندر پوری طرح اسلامی تحریک کا احساس بیدار نہیں ہوا ہے اس لیے کام نہ ہونے کی اور پروگرام کے فقدان کی شکایتیں آپ کی زبان پر آتی ہیں۔ ان شکایتوں کے دفعیہ کی صحیح صورت میرے لیے یہی ہے کہ کام اور پروگرام بتانے کے بجائے میں آپ لوگوں میں صرف اُس احساسِ ذمہ داری اور اس شعورِ اسلامی کو بیدار کرنے کی کوشش کروں جس کے بعد کبھی نہ ختم ہونے والے کام اور دائماً منہمک رکھنے والے پروگرام کا نقشہ خود بخود آپ کے سامنے آ سکتا ہے۔"

مقامی امراء اور ارکانِ جماعت کی ذمہ داری۔

" ارکان جماعت کی طرف سے بار بار اس خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ مرکز سے پیہم ان کو ہدایات ملتی رہیں اور جماعتی کارروائیوں کے سلسلہ میں لوگوں کو پیہم حرکت دی جاتی رہے۔ میں اس طریق کار کو صحیح نہیں سمجھتا۔ میری کوشش یہ ہے کہ ہر جگہ مقامی جماعت کے نظام کو چلانے کے لیے ایسے لوگ ہونے چاہئیں جن میں خود قوتِ کارکردگی (Initiative) موجود ہو اور جو اپنے فرائض کو خود سمجھنے اور ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ لگے بندھے کاموں کو مقرر طریقوں کے مطابق انجام دیتے رہنے کی عادت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اصول اور طریق کار سمجھا دوں اور اصولی ہدایات دے کر چھوڑ دوں۔ اس کے بعد ارکانِ جماعت اور خصوصاً مقامی جماعتوں کے امراء کو خود اپنے کام سمجھنا اور انجام دینا چاہیئے۔ جہاں کسی قسم کی مشکلات پیش آئیں کہیں کوئی پیچیدگی پیدا ہو یا کوئی نئی اسکیم وہ اپنے حلقہ میں عمل میں لانا چاہتے ہوں وہاں وہ مجھ سے رجوع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر وقت اس انتظار میں رہنا کہ ہدایات ملیں اور ٹھیلا اور گھسیا جاتا رہے اور نگرانی اور باز پُرس ہوتی رہے، یہ اس تحریک کو چلانے کے لیے کوئی مفید صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اس راہ پر چلنے کے لیے مستقل طور پر کسی حرکت اور ہدایت دینے والے کے محتاج رہیں گے اور اگر کسی وقت وہ ہٹ گیا تو اُلٹے پاؤں پھر جائیں گے۔ کم از کم ہمارے ابتدائی کارکن جو سابقین اوّلین کی حیثیت

رکھتے ہیں، ان کی تو یہ صفت ہونی چاہیئے کہ ان میں سے ہر شخص کے اندر یہ داعیہ موجود ہو کہ اگر کوئی اس راہ پہ چلنے والا نہ ہو تو وہ خود چلے گا اور کوئی اکسانے والا نہ ہو تو نہ صرف وہ خود حرکت کرے گا، بلکہ دوسروں کو بھی حرکت دے گا۔"

جماعتی کام کا غلط تصوّر۔

"منجملہ اُن غلط فہمیوں کے جو آج کل عام طور پہ پھیلی ہوئی ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں میں بعض مخصوص طرز کے کاموں کی اہمیت کا غیر متناسب تصور پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بس ہر شخص اسی طرز کے کام کرے اور لفظ "کام" کے یہی معنی سمجھے جاتے ہیں کہ ہو تو بس وہی کام ہو۔ مثلاً دیہات کا چکر لگانا یا عوام میں دعوت پھیلانا وغیرہ۔ اب قطع نظر اس سے کہ کسی شخص میں دیہاتیوں سے خطاب کرنے اور عوام کی اصلاح کرنے کی اہلیت ہو یا نہ ہو، لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی کام کرنے کے لیے اُٹھے وہ یہی کام کرے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے کام جو اپنے وزن اور نتائج کے لحاظ سے دیہاتیوں کی اصلاح اور عمومی دعوت سے کچھ کم اہم نہیں ہیں بلکہ بہت زیادہ عظیم الشان ہیں، ان کی اہمیت کو نہیں سمجھا جاتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ اس غلط تصور عمل سے ہمارے رفقاء بھی بہت کچھ متاثر ہیں اور بعض لوگوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اپنی قابلیتوں کو سمجھے بغیر بس وہ کام کریں جسے دنیا لفظ کام سے تعبیر کرتی ہے۔ اس چیز کی غلطی

اچھی طرح سمجھ لیجئے اور اس میں مبتلا ہونے سے بچئے۔

جماعتی کام کا صحیح تصوّر۔

دراصل اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر شخص سے اس عبادت کا مطالبہ کرتا ہے جس کی صلاحیت اس نے اس کے اندر ودیعت کی ہے۔ جو جو قوتیں اللہ نے کسی شخص کو تفویض کی ہیں ان ساری قوتوں سے اس کو عبادت بجالانی چاہیئے اور جو خاص قوت کسی کو زیادہ عطا فرمائی ہے اس پر عبادت کا حق بھی بہ نسبت دوسری قوتوں کے زیادہ عائد ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو اللہ نے گویائی کی قوت زیادہ عطا کی ہو تو اس کے لیے اصل عبادت یہی ہوگی کہ اپنی زبان کو اعلائے کلمۃ اللہ کی خدمت میں استعمال کرے اور جسے تحریر کی نمایاں صلاحیت بخشی گئی ہو۔ سب سے زیادہ اس کے قلم ہی پر فرائضِ عبودیت عائد ہوں گے۔ غرض ہر شخص کے ذمّہ وہی کام ہے جس کی قوت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کی ہو۔ اگر وہ اس کام کو چھوڑ کر کسی دوسرے ایسے کام میں اپنی قوتیں صرف کرتا ہے جس کی اہلیت اس میں نسبتہً کم ہے تو وہ اجر کا مستحق نہیں بلکہ اس کے مبتلائے وِزر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

جب اللہ کے دین کی خدمت کے بے شمار پہلو ہیں اور ہر پہلو اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے تو اشخاص کی مساعی کو کسی ایک دائرہ میں سمیٹنا قطعاً غلط ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ہم تعلیم و تدریس کے ماہرین، مصنفین، اہلِ صحافت، سب کو دیہات میں کام کرنے کے لیے بھیج دیں۔ ایسا ہی ایک تجربہ

اشتراکی انقلاب کے علمبرداروں نے ابتداءً روس میں کیا تھا۔ انہوں نے اہلِ دماغ کا ایک بڑا لشکر مزدوروں اور کسانوں میں کام کرنے کے لیے پھیلا دیا لیکن کثیر لوگوں کی زندگیاں ایک غلط مصرف پر صرف کر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ یہ نازک دماغ لوگ دیہاتیوں کو انقلاب کے لیے تیار بھی نہ کر سکے اور دوسری خدمات سے بھی محروم رہے ہم اس قسم کا تجربہ دوہرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔

ہر شخص اپنے حلقہ میں کام کرے۔

اس گذارش کا مدعا یہ ہرگز نہیں ہے کہ دیہاتیوں میں کام نہ کیا جائے یا عوام کی اصلاح کا کوئی کام اہمیت نہیں رکھتا۔ جو لوگ اس کام کی صلاحیتیں رکھتے ہوں وہ ضرور اس میدان میں اپنی خدمات کو مصروف رکھیں اور عوام کو اپنے ساتھ کھینچ لے چلنے کی جدوجہد کریں۔ پہلے بھی ہمارے کچھ ارکین عوام میں تحریک کو پھیلانے کا تجربہ کر رہے ہیں اور ان کی عملی واقفیت سے فائدہ اٹھا کر دوسرے مقامات پر بھی یہ مہم شروع ہونی چاہیئے مگر جو لوگ دیہاتیوں اور عوام کی ذہنیت سے ناواقف اور ان سے خطاب کرنے کی اہلیت سے کورے ہوں اور اہلِ دماغ طبقہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں انہیں اپنی قوتیں اسی طبقہ کی اصلاح میں صرف کرنی چاہیئیں فی الواقع اس طبقہ کے ایک آدمی کی اصلاح طبقۂ عوام کے ہزار آدمیوں کی اصلاح سے زیادہ وزنی ہے۔ علمی اور تعلیمی پہلو سے دین کی خدمت انجام دینے کی قابلیت رکھنے

والے لوگ اپنے اوپر اور اپنے مقصدِ زندگی پر ظلم کریں گے اگر ان کاموں کو چھوڑ کر دیہات کے چکر لگانے لگیں گے یا مزدوروں کی بستیوں میں گھومنا شروع کر دیں گے۔ ہر آدمی اپنی صلاحیتوں کو سمجھے اور ان کے مطابق اپنے میدانِ کار کی حد بندی کر لے۔ اس طرح ہر پہلو کو مضبوط کر کے ہم کامیاب پیش قدمی کر سکیں گے۔"

مختلف مقامات پر کام کی رپورٹیں اور اُن پر تبصرہ

اس تقریر کے بعد مختلف مقامات کی جماعتوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے حلقوں کی رپورٹیں پیش کیں اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ وہاں اب تک کیا کام ہوا ہے، کس قسم کے لوگ جماعت میں آئے ہیں، مقامی آبادی میں ہماری دعوت کا اثر کس حد تک پھیلا ہے، دعوت کی ترقی میں کس کس قسم کی مشکلات اور رکاوٹیں حائل ہیں اور دعوت کے کیا کیا طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔"

یہ سلسلہ ابھی چل رہا تھا کہ پہلی نشست ختم ہو گئی۔ دوسری نشست اسی روز ظہر کے بعد ہوئی اور اس میں بھی ابتداءً کچھ وقت بقیہ رپورٹیں پڑھنے پر صرف ہوا۔ اس کے بعد ان رپورٹوں پر بحث و تبصرہ ہوتا رہا۔ جو کمزوریاں نظامِ جماعت میں نظر آئیں ان پر امیر جماعت نے گرفت کی اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً

ارکان کی اصلاح اور بھرتی کے بارے میں ہدایات۔

بعض مقامات پر نامناسب یا خام آدمیوں کو بے احتیاطی کے ساتھ جماعت میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کے متعلق ہدایت دی گئی کہ اس طرح جو لوگ تحریک کو اچھی طرح سمجھے بغیر جماعت میں آ گئے ہیں اور جن کے اندر کوئی نمایاں اخلاقی تبدیلی نہیں پائی جاتی ان کو پختہ کرنے کی کوشش کی جاتے اور پھر بھی جن کے اندر خامی رہ گئی ہو ان سے درخواست کی جائے کہ نظام جماعت سے باہر رہ کر ہر ممکن طریقہ سے ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ نیز آئندہ صرف انہی لوگوں کو جماعت میں لیا جائے جنہوں نے اچھی طرح جماعت کے مسلک کو سمجھ لیا ہو، جو دستور کی روح کو جذب کر چکے ہوں اور جن کے اخلاق و سیرت میں ضروری تبدیلیاں نمایاں نظر آتی ہوں۔

طریق دعوت کے بارے میں ہدایات۔

اسی طرح جہاں دعوت کے طریقوں میں کوئی کمزوری پائی جاتی تھی امیر جماعت نے اس پر بھی گرفت کی اور تفصیل کے ساتھ بتایا کہ دعوت کا صحیح طریقہ کیا ہے نیز دعوت کی راہ میں جو مختلف رکاوٹیں اور مشکلات بیان کی گئی تھیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کیا ہیں۔ مثلاً آپ نے ہدایت کی کہ عوام میں سردست صرف دین کی حقیقت اور دین داری کے اصل مفہوم کی تبلیغ کی جائے۔ آخری اور انتہائی مقتضیات کو پیش کرنے میں ابھی احتیاط سے کام لیا جائے فی الحال تمام تر زور توحید اور اطاعت خدا و رسول

کی دعوت پر اور اس تبلیغ و تلقین پر صرف کرنا چاہیئے کہ لوگوں کے اندر خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس پیدا ہو جائے۔ دعوت کے سلسلہ میں اس امر کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے کہ داعی اپنے آپ کو کسی خاص نظام جماعت سے وابستگی رکھنے والے مبلغ کی حیثیت سے پیش نہ کرے اور نہ نظام جماعت کی طرف اپنی تقریروں یا گفتگوؤں میں عام دعوت دے۔

جو لوگ تعلیم یافتہ طبقہ میں کام کریں انہیں بحث و مذاکرہ کے بجائے لٹریچر کی اشاعت میں کوشش صرف کرنی چاہیئے۔ ہر شخص جس سے سابقہ پیش آئے اس کی ذہنیت کو ملحوظ رکھ کر جماعت کے لٹریچر میں سے خاص خاص چیزیں ایک صحیح ترتیب سے اس کے مطالعہ کے لیے تجویز کی جائیں۔ اس کے بعد جن امور کی مزید تفہیم کی ضرورت پیش آئے ان پر زبانی گفتگو کر لی جائے۔ لیکن جہاں گفتگو کا رخ بحث و مناظرہ کی طرف مڑتا نظر آئے وہاں مزید پیش قدمی سے صاف انکار کر دینا چاہیئے اور اپنے آپ کو دماغی کشتی کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہیئے۔ جو لوگ دوسری جماعتوں کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں یا اپنے نظری معتقدات میں غلو رکھتے ہیں انہیں خواہ مخواہ کھینچنے اور ایسی بحثیں چھیڑنے سے سخت پرہیز کیا جائے جو ان کے اندر ضد پیدا کرنے والی ہوں۔

جہاں مخالفتیں اور رکاوٹیں پائی جاتی ہوں وہاں دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ چیزیں کسی غلط فہمی کی بنا پر ہیں یا ہمارے مقصد اور مسلک کو ٹھیک ٹھیک جان لینے کے بعد قصداً مخالفت کی جا رہی ہے۔ اگر پہلی صورت ہو

تو معقول طریقوں سے غلط فہمی کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے اور جہاں محسوس ہو کہ دوسری صورت ہے وہاں صبرِ جمیل سے کام لیا جائے۔

ان ضروری ہدایات کے خاتمہ پر امیر جماعت نے رفقاء سے کہا کہ "جو بات میں خاص طور پر آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تبلیغ صرف تقریر یا گفتگو یا تحریر ہی کے ذریعہ سے نہیں ہوا کرتی بلکہ اصل تبلیغ وہ ہوتی ہے جو ایک تخیل کے داعی اپنی پوری زندگی سے ہر آن کرتے رہتے ہیں بشرطیکہ ان کی زندگی اس تخیل کا مجسم ظہور اور اس کی زندہ شہادت بن گئی ہو۔ آپ جس تخیل کے داعی ہیں اگر اس کے سانچے میں آپ کی زندگی پوری طرح ڈھل جائے تو اس تخیل کے خلاف چلنے والی دنیا میں آپ کی حالت ایسی ہو گی جیسے ایک گول سوراخ میں چوکھونٹی میخ اپنے پورے وجود سے ہر آن ہر زاویہ پر اس گول سوراخ کے پورے وجود کے ساتھ متصادم ہوتی رہتی ہے اور ہر وقت اپنے اور اس کے اختلاف کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔ یا جیسے برف خانہ میں چند دہکتے ہوئے انگارے جو اگر کوئی آواز بلند نہ کر رہے ہوں تب بھی ان کا وہاں محض موجود ہونا ہی بجائے خود برف کے تودوں کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ ہے۔ اگر ان کے اردگرد کوئی آتش گیر مواد موجود ہو گا تو وہ کسی وعظ کے بغیر ان سے اثر لے کر مشتعل ہو جائے گا اور برف خانہ آتش کدے میں تبدیل ہو کر رہے گا۔ بے شعوری کے اسلام اور منافقانہ اسلام کا معاملہ تو دوسرا ہے، لیکن جب کوئی شخص اخلاق کے ساتھ شعوری طریقہ سے اسلام

قبول کرلیتا ہے تو اس کے ساتھ ہی افکار، اخلاق، معیشت، معاشرت، تمدن غرض ہر شعبۂ زندگی میں اپنے غیر اسلامی ماحول سے اس کا تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ ماحول، اور اس ماحول کو وہ ہر وقت کھٹکتا ہے۔ اس کی پوری ہستی فضائے جاہلیت کے خلاف ایک احتجاج بن جاتی ہے اور اس فضا میں وہ اس طرح اجنبی و نامانوس ہو کر رہ جاتا ہے جیسے سیاہ چادر پر سفید دھبہ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کفر و جاہلیت کے مارے ہوئے ماحول میں آپ یہی کچھ بن کر رہ جائیں تاکہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں اس نظام کے ہر جزء سے ہر ہر قدم آپ کا تصادم ہو اور اپنے پورے وجود سے آپ اس کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ اور ایک ابدی و دائمی احتجاج بن جائیں۔ یہ ہر آئینی و ہر جہتی کشمکش اور یہ ہر لحظہ کا خاموش تصادم ہزار دعظوں، تقریروں اور مقالوں سے زیادہ وزنی ہے، بلکہ درحقیقت یہی اصل چیز ہے اور اس کے بغیر تبلیغِ افکار کی مہم سرانجام نہیں پا سکتی۔"

سابق جماعتی تعصبات سے پرہیز۔

ان پُر مغز مشوروں کے بعد آپ نے رفقاء کی ایک بڑی اور عام کمزوری کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ مختلف جماعتوں سے آنے والے لوگ اپنے ساتھ پچھلی گروہی اور سیاسی زندگیوں کے اثرات لے آتے ہیں۔ ان میں اب تک سابق جماعتی تعصبات کا اثر موجود ہے مثلاً جو گروہ کانگریس سے نکل کر آیا ہے وہ اگرچہ کانگریس کے حق میں اثباتی تعصب نہیں رکھتا ہے لیکن لیگ کی مخالفت کا رجحان ان کے دماغوں

ہیں واضح طور پر باقی ہے۔ یہی حال لیگ سے آنے والے حضرات کا ہے۔ پھر جو لوگ مخصوص مذہبی گروہوں سے ٹوٹ کر آتے ہیں اُن میں بھی اُن گروہوں کے خلاف اچھا خاصا تیز جذبہ مخالفت پایا جاتا ہے جن سے لڑنے میں اُن کی عمریں گذری ہیں۔ ان مختلف تعصبات کے حاملین جب کبھی مل بیٹھتے ہیں اور بحث و مذاکرہ کا سلسلہ چل نکلتا ہے تو بسا اوقات یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کی باہمی گفتگوئیں سابق عصبیتوں کو اسی طرح تازہ نہ کر دیں جس طرح اَوس و خزرج کے لوگوں میں منافقین کا چھوڑا ہوا ایک شوشہ جنگِ بُعاث کے اثرات تازہ کر دیتا تھا۔

تنظیمی اُمور

صوبہ بہار کے لیے قیم کا تقرر۔

اس تبصرے کا سلسلہ تیسری نشست تک جاری رہا۔ اس کے بعد تیسری نشست میں صوبہ کے کام کی تنظیم کے متعلق مشورہ ہوا۔ مشورہ کے دوران میں اندازہ ہوا کہ اس امر کی ضرورت بہ شدت محسوس کی جا رہی ہے کہ صوبۂ بہار میں کم از کم ایک قیّم جماعت ضرور ہونا چاہیئے جو مستعد اور فرض شناس ہو اور مختلف مقامات کی جماعتوں اور متفرق ارکان کے ساتھ ربط و ضبط رکھے، ان کی کارروائیوں سے واقف رہے، وقتاً فوقتاً ان کو جمع کرتا رہے اور کبھی کبھی خود ان کے پاس پہنچتا رہے۔ اس غرض کے لیے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی موزوں ترین ہو سکتے تھے لیکن افسوس ہے کہ

ان کی صحت اس کی اجازت نہیں دیتی - اس لیے تجویز کیا گیا کہ بہار کی جماعتوں کے ارکان جلدی سے جلدی آپس میں مشورہ کر کے ایک قیم جماعت کا انتخاب کریں -

ہفتہ وار اجتماعات کا التزام اور پروگرام -

دوسری چیز جس کے متعلق مختلف مقامی جماعتوں کے امراء کو ہدایت کی گئی یہ تھی کہ اپنے اپنے حلقہ کے ارکان کی صلاحیتوں کا صحیح صحیح اندازہ کر کے ان سے کام لیں اور جمعہ کے اجتماع کا شدت سے التزام کریں - جو لوگ بلا عذرِ معقول جمعہ کے اجتماع میں نہ آئیں اُن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ جماعت سے دلچسپی نہیں رکھتے - جمعہ کے اجتماعات سے حسبِ ذیل طریقوں سے استفادہ کیا جائے :-

۱- جماعت کی طرف سے شائع ہونے والے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے، نہ صرف تازہ شائع ہونے والی چیزوں کا بلکہ پہلی مطبوعات کا بھی، تاکہ ان کے مضامین بار بار ذہن میں تازہ ہوتے رہیں، خصوصاً دستور کو وقتاً فوقتاً جماعت کے اجتماعات میں پڑھا جاتا رہے -

۲- پس ماندہ رفقاء کو اٹھانے اور ابھارنے اور ہمدردی و اخلاص کے ساتھ ان کی کمزوریوں کو رفع کرنے کی سعی کی جائے -

۳- دعوت کو مختلف حلقوں میں پھیلانے کی تدابیر پر غور و خوض کیا جائے -

۴- ہر فرد نے پچھلے ہفتہ میں جو کام کیا ہو اس کو وہ پیش کرے اور

دوسرے ارکان یا تو اس سے استفادہ کریں یا اگر اس کے طریق کار میں کوئی غلطی پائیں تو اس کی اصلاح کریں یا اگر اس کو مشکلات پیش آئی ہوں تو ان کا حل تلاش کریں۔

۵۔ دعوت کی راہ میں جو مزاحمتیں پیش آ رہی ہوں ان کا جائزہ لیا جائے اور انہیں دور کرنے کی تدبیریں سوچی جائیں۔

۶۔ اگر مقامی جماعت میں کوئی صاحب درسِ قرآن کی اہلیت رکھتے ہوں تو ہفتہ وار درس ہو ورنہ تفہیم القرآن کی مدد سے کتاب اللہ میں بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہفتہ وار اجتماعات کی اہمیت۔

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ہفتہ وار اجتماع کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ارکان کو جماعت سے وابستہ رکھنے اور ان کے اندر تحریک سے دلچسپی اور باہمی تعاون کی روح کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے تغافل برتنے کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ جماعت بے روح اور بےجان ہو جائے گی، ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا کہ ہم میں سے کون لوگ تحریک سے واقعی دلچسپی رکھتے ہیں اور کون نہیں رکھتے، ہمارے ارکان ایک دوسرے سے اجنبی رہیں گے، ان کے درمیان نہ دوستی و رفاقت کا رشتہ مضبوط ہو سکے گا، نہ وہ جماعت کے کاموں میں تعاون کر سکیں گے، اور نہ ایک دوسرے کی اصلاح میں مددگار بن سکیں گے۔

عہدِ رکنیت کی ذمہ داریاں۔

تیسری چیز جس کی طرف امیرِ جماعت نے تمام رفقاء کو پورے زور کے ساتھ توجہ دلائی وہ یہ تھی کہ انہیں اپنے عہد کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور ہر شخص کو اپنی قوتوں اور قابلیتوں کا پورا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا چاہیئے کہ وہ کیا کام کر سکتا ہے، پھر جس کام کی اہلیت وصلاحیت اسے اپنے اندر محسوس ہو اس کو انجام دینے میں بس لگ جانا چاہیئے۔ یہ وقت وہ ہے جو ہم سے اپنی انتہائی حدِ وسع تک سعی وکوشش کا مطالبہ کر رہا ہے، ضرورت ہے کہ ایک لمحہ کا انتظار کیے بغیر ہم میں سے ہر شخص اُٹھے اور جس سے جو کچھ ہو سکتا ہے کرے۔ جو اہلِ علم ہیں وہ تخریب و تعمیرِ افکار کی مہم میں مصروف ہوں، جو اہلِ تعلیم ہیں وہ نئی نسل کی تیاری کے لیے مستعد ہو جائیں، جو ادیب ہیں وہ ادب کی مختلف راہوں سے نظامِ حاضر پر حملہ آور ہوں اور نظامِ اسلامی کی دعوت پھیلائیں، جو مضمون نگار ہیں وہ اخباروں اور رسالوں میں اظہارِ خیال شروع کر دیں، جو بات چیت سے لوگوں پر اثر ڈالنے کی قوت رکھتے ہیں وہ انفرادی تبلیغ کی مہم میں مصروف ہو جائیں، جنہیں دیہاتیوں میں کام کرنے یا عوام کو خطاب کرنے کا تجربہ ہو وہ دیہات میں گھومیں اور عامۃ الناس کی اصلاح کی کوشش کریں، جن کو اللہ نے بہتر معاشی حالات دیئے ہوں وہ بیت المال کی تقویت کا فکر کریں۔ غرض کسی

قوت کی ایک رمق بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ رہا یہ سوال کہ آپ کتنا کام کریں اور کس حد تک کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا بہترین فیصلہ آپ کا اپنا ضمیر ہی کر سکتا ہے۔ آپ اتنا کام کریں اور اس حد تک کئے جائیں جس کے بعد آپ کا ضمیر مطمئن ہو جائے کہ خدا جب آپ سے آپ کے وقت اور قوتوں کا حساب لے گا تو آپ اس کارنامۂ خدمت کو پیش کر کے مغفرت کی امید کر سکیں گے۔

ایک معاشی اسکیم

آخر میں جناب فضل الرحمان صاحب (مونگیر) کی ایک اسکیم زیر بحث آئی جس کا مفاد یہ تھا کہ ارکانِ جماعت کو مالِ حرام سے اجتناب کی وجہ سے جو مالی مشکلات پیش آتی ہیں انہیں دُور کرنے کے لیے مختلف مقامات پر اس طرز کی کاروباری اسکیمیں عمل میں لائی جائیں کہ کچھ مالدار اور کچھ کارندے مل کر دولت فراہم کریں اور یہ دولت ایک مقررہ تناسب سے سرمایہ لگانے والوں، محنت کرنے والوں اور جماعت کے بیت المال پر تقسیم ہوتی رہے۔ اس طرح مختلف مقامات پر تبلیغی اور تعلیمی مراکز کو جاری کر کے کام کی رفتار تیز کی جا سکتی ہے۔

اس تجویز پر مشاورتی گفتگو کچھ دیر تک ہوتی رہی۔ مولانا امین احسن صاحب نے اس سلسلہ میں مختصر تقریر کی جس میں انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر ارکانِ جماعت باہم انفرادی طور پر معاشی امور میں ایکدوسرے

کی معاونت کریں تو یہ نہایت احسن اور ضروری ہے بلکہ جہاں کوئی رکن معاشی مشکلات میں مبتلا ہو وہاں تمام ارکان کا فرض ہے کہ اس کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے جو کچھ وہ کر سکتے ہیں، کریں۔ لیکن جماعت کو اپنی جماعتی حیثیت میں اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت اور جدوجہد کے سوا کوئی کاروباری حرکت نہیں کرنی چاہیئے اگر ایک انقلابی جماعت ایک پہلو سے کاروباری ادارہ بھی بن جائے تو ایک تو اس کی مساعی بالکل تقسیم ہو کر رہ جائیں گے، دوسرے کچھ لوگ بلا کسی حقیقی جذبہ کے محض معاشی مفاد کی ہوس میں اس کے اندر جذب ہونے شروع ہو جائیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے اصلی مقصد کو نقصان پہنچے گا اس خیال کی تائید جناب امیر نے بھی کی اور بغیر کسی ووٹنگ کے فضل الرحمان صاحب نے خود اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا اور اپنی اس تجویز کو جو بہت دنوں کے غور و خوض کے بعد مرتب کر کے لائے تھے، بلا تامل واپس لے لیا۔

دوسرے دن ارکانِ جماعت سے انفرادی طور پر تبادلۂ خیالات جاری رہا اور ہر شخص اور ہر جماعت کو مقامی ضرورت کے لحاظ سے امیر جماعت نے مشورے اور ہدایات دیں۔

خصوصی ملاقاتیں اور بعض شبہات کا ازالہ

عام ملاقاتوں کے لیے ۲۳ ؍ اکتوبر کا دن مقرر کیا گیا تھا لیکن دربھنگہ اور دوسرے مقامات سے مختلف اصحاب ۲۲ ؍ کی شام سے ہی آنے

لگے جن میں مسلم لیگ، امارت شرعیہ، جمعیۃ العلماء اور دوسری جماعتوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی شامل تھے۔ اُن سے گھنٹوں امیرِ جماعت اور دوسرے رفقاء تبادلہ خیالات فرماتے رہے اور اپنے مسلک کی وضاحت اور ان غلط فہمیوں کی تردید کی جو مختلف حلقوں میں جماعت کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ان گفتگوؤں کا خلاصہ پیش کر دینا مشکل ہے۔ مختصراً دو تین باتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عام مسلمانوں کے بارے میں جماعت کا نقطۂ نظر۔

بعض حلقوں کی طرف سے مسلمانوں میں یہ غلط فہمی بکثرت پھیلائی گئی ہے کہ ہم عام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس کا اثر دربھنگہ میں بھی پایا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کی عملی تردید کے لیے یہ بات کافی تھی کہ ہم نے جمعہ کی نماز عام مسلمانوں کے ساتھ ادا کی، لیکن اس پر بھی لوگوں کے لیے یہ سوال دریافت طلب ہی رہا اور جواب میں امیرِ جماعت نے لوگوں کو صاف صاف بتا دیا کہ یہ محض ایک بہتان ہے جو ہماری دعوتِ اصلاح میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جان بوجھ کر لگایا جا رہا ہے۔

دوسری جماعتوں کے بارے میں جماعت کا طرزِ عمل۔

دوسرا شبہ عام طور پر مختلف جماعتوں میں یہ پھیلا ہوا ہے کہ ہماری ان سے براہ راست کوئی کشمکش ہے۔ اس سلسلہ میں بھی صاف صاف بتا دیا گیا کہ براہ راست کسی جماعت کے خلاف ہمارا کوئی معرکہ (Campaign) نہیں ہے۔ ہم جن امور میں مختلف جماعتوں کے مسلک سے اختلاف

رکھتے ہیں ان کی وضاحت لٹریچر میں کر دی گئی ہے۔ اب ہمارا اصل تصادم کافرانہ نظامِ حیات سے ہے، محدود مقاصد پہ کام کرنے والی جماعتی ہیئتوں (Political - Bodies) سے نہیں ہے۔

اسلامی انقلاب برپا کس طرح ہوگا۔

بہت سے لوگ اس بات کو بھی سمجھنا چاہتے تھے کہ یہ اسلامی انقلاب برپا کس طرح ہوگا؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے مولانا مودودی صاحب نے بتایا کہ آغاز ہمیشہ افکار کی تبدیلی اور ذہنیتوں کی نئی تعمیر سے ہوتا ہے اس کے بعد ایک اصولی جماعت کو اپنے نصب العین کی طرف بڑھنے کے لیے وہ مشکلات پیش نہیں آتیں جو ایک قومی گروہ کو پیش آتی ہیں۔ ایک قوم کے لیے تو بے شک یہ سوال بڑا اہم ہے کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلہ کے لیے تربیت یافتہ آدمی اور سامان کہاں سے لائے، لیکن ایک اصولی جماعت کے لیے یہ سوالات اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے لیے تو صرف یہ سوال اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی دعوت کو جو لوگ لے کر اُٹھیں وہ اپنے اصولوں پہ اعتقادی اور عملی طور پر سچا ایمان رکھنے والے ہوں جس کے ذریعہ سے حریفوں کے دل اور دماغ مفتوح ہو سکتے ہوں۔ اس طرح جب دعوت اُس منزل پہ پہنچتی ہے جہاں نظامِ حاضر سے اس کا مسلح تصادم ہونے لگتا ہے تو اُسے تمام ساز و سامان اور ہر قسم کے تربیت یافتہ آدمی خود نظامِ حاضر ہی سے ملتے چلے جاتے ہیں۔ اسے آدمی بنانے نہیں پڑتے بلکہ بنے بنائے آدمیوں کو مسخر کرنا ہوتا ہے۔

"حلقۂ مطالعۂ اسلامی" کی طرف سے جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا تھا اور پروگرام یہی تھا کہ جنابِ امیر عوام کو بھی خطاب کریں۔ اس پروگرام کے مطابق بہت سے لوگ محض مولانا کی تقریر سننے کے لیے آتے تھے مگر افسوس ہے کہ منتظمین جلسہ کو پروگرام بدلنا پڑا اور مولانا کی تقریر نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دربھنگہ میں ایک گروہ چند روز پہلے سے فتنہ انگیزی میں مشغول تھا اور اس بات کا امکان تھا کہ یہ لوگ جلسۂ عام میں افتراق برپا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ حالات سُن کر امیرِ جماعت نے جلسہ میں شریک ہونے سے معذرت ظاہر کی کیونکہ ان کا مستقل مسلک یہ ہے کہ فتنہ سے اجتناب کیا جائے اور جہاں لوگ ہماری دعوت کو سُننا نہ چاہتے ہوں ان کے کانوں میں حق کی آواز کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ ان کے بجائے اجلاسِ عام میں ملک نصر اللہ خاں عزیزؔ صاحب مدیر "مسلمان" لاہور نے تقریر کی جو بحیثیتِ مجموعی کامیاب رہی۔

تحریک اسلامی پاکستان
مردان

رُوداد جماعتِ اسلامی

حصہ دوم

مرتبہ

شعبۂ تنظیم جماعتِ اسلامی

شعبۂ نشر و اشاعت جماعتِ اسلامی، پاکستان،
منصورہ ـــــ لاہور ۱۸

فہرست مضامین

چوتھی نشست ۷۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

رُوداد اجتماع دارالاسلام

حسبِ اعلان ۲۶، ۲۷ ر مارچ ۱۹۴۴ء کو دارالاسلام متصل پٹھانکوٹ انڈیا میں ارکانِ جماعت اسلامی شمالی ہند، پنجاب، سرحد، سندھ، کشمیر و بلوچستان کا اجتماع ہوا جس میں مرکز کی منظوری سے بعض ہمدردانِ جماعت بھی شریک ہوئے۔ یو پی اور بہار سے جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (سرائے میر ضلع اعظم گڑھ) اور جناب محمد حسنین صاحب سید (لہریا سرائے دربھنگہ) بھی تشریف لے آئے تھے۔ تعداد حاضرین تقریباً ۵۰ تھی۔

غیر رسمی ملاقاتیں

۲۶ ر مارچ کو ۹ بجے صبح سے ۱۲ بجے دوپہر تک اور پھر نماز ظہر سے نماز عصر تک مختلف مقامات سے آنے والے گروہوں نے امیرِ جماعت کے سامنے کھلی ملاقاتوں میں مقامی حالات پیش کیے، اپنی اپنی کارگزاریوں کا مختصر تذکرہ کیا۔ اپنی مشکلات بیان کیں اور ضروری امور میں مشورے حاصل کیے۔ اسی دوران میں چند اصحاب نے

اپنے آپ کو رکنیت جماعت کے لیے پیش کیا۔ اس پر امیر جماعت نے چند اہم نکات بیان فرمائے جنہیں تسلسل کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

امیدوارانِ رکنیت سے

ہمارے ہاں جماعت کی شرکت میں تو کوئی دشواری نہیں ہے مگر شرکت جماعت سے ذمہ داریوں کا جو بارِ گراں اُٹھانا پڑتا ہے اس کے وزن کو آگے بڑھنے سے پہلے محسوس کر لینا چاہیے۔ رکنیت کی ذمہ داریوں کا صحیح صحیح اندازہ کیے بغیر لوگ ہماری طرف بڑھ آتے ہیں اور نصب العین میں متفق ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداءً طریق کار کے اختلاف پر گہری نظر نہیں ہوتی لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے یہ اختلاف اُبھرنے لگتا ہے اور لوگ اپنے اپنے پسندیدہ طریق کار کی محبت کے جوش میں آ کر نظم جماعت کی خلاف ورزی کر بیٹھتے ہیں اور بسا اوقات نصب العین تک سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ حضرات نے بہت اچھی طرح ہمارے طریق کار کو سمجھ لیا ہو اور اس کے ساتھ دوسرے طریق ہائے کار کا فرق ذہن نشین ہو گیا ہو، نیز آپ برضا و رغبت دُوسرے طریقوں کو چھوڑ کر ہمارا طریقۂ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہوں تو آئیے بسم اللہ! ورنہ جلدی نہ کیجیے۔ ہمارے لٹریچر کا بغور مطالعہ کرتے رہیے اور ہمارے کام کو مزید کچھ عرصہ دیکھ کر آخری رائے قائم کیجیے۔

الحمد للہ کہ مسلمانوں میں ابھی تک صحیح العقیدہ لوگوں کی ایک خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس حق موجود ہے مگر فرق بس اتنا ہے کہ عموماً مختلف گروہ کسی جزوِ حق کو لے کر چل رہے ہیں، بخلاف اس کے ہم پُورے حق کو لے کر

چلنا چاہتے ہیں۔ آپ حضرات کے ساتھ پہلے جو جزو حق تھا وہ بدستور ساتھ رہے گا۔ مگر اس پر اکتفا نہ کیجئے۔ اب آپ کو دوسرا جز اسے حق بھی اس کے ساتھ شامل کر لینے ہیں۔"

اس کے بعد ایک موقع پر طریق تبلیغ کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اس سلسلہ میں امیر جماعت نے مجملاً یوں اظہار خیال کیا۔

طریق تبلیغ

جہاں تک تبلیغ مسلک کا تعلق ہے عام طور پر مسلمانوں کی جماعتیں تشدد سے کام لیتی ہیں اور تندی جذبات اور مناظرانہ داؤ پیچ اور تیزی زبان کے مظاہرہ سے لوگوں کو اپنے اندر جذب کرتی ہیں۔ لیکن ہمارے مسلک کی تبلیغ کے لیے یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ اس معاملہ میں بے حد صبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یہ تحریری و تقریری مناظرے اور بحثیں جو عام طور پر مروّج ہیں ان میں مبتلغ غیر محسوس طور پر غضب النفس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور محسوس تک نہیں کرتا کہ میں خود اپنے محبوب نصب العین کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ رہا ہوں۔ بخلاف اس کے ہمیں ایک ڈاکٹر کی طرح کام کرنا ہے جو آخر دم تک کوشش کرتا ہے کہ بیمار عضو تندرست ہو جائے اور اگر اسے کاٹ کر جسم سے الگ کرتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ دوسری تمام تدابیر کو آزما چکنے کے بعد اس کی علاج پذیری سے مایوس ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ حال ہے کہ ہمارے ڈاکٹر سب سے پہلے بیمار عضو کو کاٹ پھینکنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ یہ عوام کا جو انبوہ آپ کے گرد پھیلا ہوا ہے ان میں سے جو لوگ

کفر، شرک یا فسق کے مریض ہیں ان کا علاج غصّہ اور تلخی سے کرنے کے بجائے صبر اور ہمدردی سے کرنا ہے۔ ان بیمار اعضاء کو کاٹ کاٹ کر نہیں پھینک دینا ہے بلکہ ان پر تمام دوسری بہتر تدابیر کو آزما لینا ہے۔

عوام کی معذوری کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ان لوگوں میں بہت سے مشرکانہ عقائد اور رسوم خود مذہبیت ہی کے مقدس دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اصلاح کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے اور اس مہم کو صبر و تحمل ہی سے سر کیا جا سکتا ہے۔ عرب میں بھی یہی حالات تھے اور وہاں بھی ٹھنڈے طریقوں سے تبلیغ کا کام کیا گیا۔"

پہلی باقاعدہ نشست

(۲۶ مارچ ۱۹۴۴ء بعد مغرب)

پروگرام کے مطابق پہلی نشست اسی روز نماز مغرب سے لے کر نماز عشاء سے کچھ پہلے تک منعقد ہوئی۔ اس نشست میں امیر جماعت نے اپنی تقریر میں جماعت کے کام اور اس سے متعلق ضروری مسائل پر مفصل تبصرہ کیا۔ یہ تبصرہ بلا کم و کاست تھا۔ اس کا مقصد نہ تو مخالفین کو مرعوب کرنا تھا اور نہ رفقاء کے جذبات کو برانگیختہ کرنا مدنظر تھا، بلکہ اس تقریر سے جماعت کو اس کے کمزور پہلوؤں پر متوجہ کیا گیا تاکہ لوگ ان کی اصلاح کی فکر کریں۔ تقریر ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

تقریر امیر جماعت

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

ہمارے اجتماعات کی نوعیت اور غرض

حضرات! جیسا کہ آپ نے خود بھی اندازہ کیا ہوگا، ہمارے اجتماع کی نوعیت اصطلاحی جلسوں سے بالکل مختلف ہے۔ جلسوں اور کانفرنسوں میں زیادہ تر تقریریں

ہوتی ہیں، جلوس نکلتے ہیں، نعرے بلند کیے جاتے ہیں لیکن اس نوعیت کی کوئی چیز یہاں نہ ہوتی نہ کبھی ہوگی۔ ہمارے ان اجتماعات کے انعقاد کی اصل غرض ہنگامہ آرائی نہیں ہے اور نہ توجہاتِ عوام کو اپنی طرف کھینچنا مقصود ہے بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہوں، باہم قریب تر ہو جائیں، آپس میں تعاون کی سبیلیں نکالیں، صاحبِ امر آپ سے اور آپ صاحبِ امر سے شخصاً واقف ہوں اور اسے آپ کی قوتوں اور صلاحیتوں کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو تاکہ وہ آپ سے منظم کام لینے کی کوشش کرے، وقتاً فوقتاً ہم اپنا اور اپنے کام کا جائزہ لیتے رہیں، اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو سمجھیں اور انہیں دور کرنے کی فکر کریں اور باہمی مشوروں سے اپنے کام کو آگے بڑھانے کی تدبیریں سوچیں غرض ہمارے یہ اجتماعات اپنے اندر عملی روح رکھتے ہیں، ان میں جلسوں کی نوعیت کی کوئی چیز نہ آپ پا سکتے ہیں نہ آپ کو اسے پانے کی خواہش کرنی چاہیے۔ اگر ابھی تک جلسہ بازی کی پرانی عادتوں کا کچھ اثر آپ میں موجود ہو اور ان چیزوں کی کوئی تشنگی آپ اپنے اندر پاتے ہوں تو اسے بھی نکالنے کی کوشش کیجیے۔ ان ہنگاموں میں فی الواقع کچھ نہیں رکھا ہے۔ فضول کاموں میں ذرہ برابر وقت ضائع نہ کیجیے۔ بس کام کی بات کیجیے اور پھر اپنا فرض ادا کرنے میں لگ جائیے۔

آج صبح سے میں مختلف مقامات کی جماعتوں اور اشخاص کے ساتھ تبادلہ خیال کرتا رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ کبھی کبھی غیر ضروری باتیں کرنے کی خواہش لوگوں میں عود کر آتی ہے اور بسا اوقات بیان مطابق حقیقت نہیں رہتا۔ یہ ایک کمزوری ہے جسے دور کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ جو عادتیں

مدت دراز سے جڑ پکڑے ہوتے ہیں وہ چھوٹتے چھوٹتے ہی چھوٹیں گی مگر انہیں چھوڑنے کی طرف آپ کی توجہ اور سعی ضروری ہے۔

اجتماعات میں حاضری کی اہمیت

اب تک مختلف مقامات پر جا کر جو کچھ میں نے دیکھا اور باہر کی اطلاعات سے جو اندازہ لگایا اور آج آپ حضرات سے فرداً فرداً و مجتمعاً تبادلۂ خیالات کر کے جو معلومات حاصل کیں ان کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ ہماری انتہائی احتیاط کے باوجود ایک اچھی خاصی جماعت ہمارے نظام میں ایسی داخل ہو گئی ہے جسے فی الواقع اس کام سے کوئی گہری دلچسپی نہیں ہے۔ دلچسپی کے اس فقدان کی نمایاں علامت یہ ہے کہ یہاں اجتماع کے لیے دعوت عام دی گئی تھی اور اعلان کیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ارکان شریک ہونے کی کوشش کریں، مگر بہت سے ارکان کسی عذرِ معقول کے بغیر نہیں آئے، بلکہ بہت سوں نے عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ لوگوں کے لیے ان کے معمولی کام، ان کے روزمرہ کے مشاغل، ان کے خانگی امور، ان کے دنیوی مفاد اس سے بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں کہ وہ جماعت کی پکار پر لبیک کہیں اور اسی بنا پر وہ غیر اولی الضرر ہونے کے باوجود بیٹھے رہ گئے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے بہت سے رفقاء کو اس کام سے حقیقی دلچسپی و دلبستگی نہیں ہے۔ اگر فی الواقع وہ جانتے کہ یہ اجتماع کیا معنی رکھتا ہے اور جماعت کی پکار سے ان پر کیا لازم آ جاتا ہے اور جو عہد انہوں نے اب اپنے رب سے کیا ہے اس سے کیا ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں تو وہ اپنے بڑے سے بڑے دنیوی فائدے اور سخت سے سخت مشغولیت کو بھی

یہاں کی حاضری پر ہرگز ترجیح نہ دیتے۔ جب آج ان کا یہ حال ہے تو کیا اُمید کی جاسکتی ہے کہ کل کوئی بڑی مہم سامنے ہو اور ہم انہیں پکاریں تو وہ ہماری پکار پر لبیک کہیں گے۔ نظامِ جماعت سے منسلک ہو جانے کے بعد آدمی کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑے اور سارے کام چھوڑ دے اس سے مستثنیٰ صرف وہ حالات ہیں جن میں خدا اور رسول نے خود رخصت دی ہے ان حالات کے سوا باقی تمام حالات میں جماعت کی شرکت کے لیے دوسری ہر مشغولیت سے قطع نظر کر لینا لازم ہے۔ جب تک ارکانِ جماعت میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو گی، نظامِ جماعت بالکل بے جان رہے گا۔ کسی شخص کا یہ خیال کر کے بیٹھ رہنا کہ اس وقت کوئی خاص کام نہیں ہے، اجتماع کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہے، اگر اس وقت میں شریک نہ ہوا تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ درحقیقت ایک غلط خیال ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سرے سے کوئی کام نہ ہوتا بلکہ آپ کو صرف جمع ہو جانے کے لیے پکارا جاتا تب بھی آپ کو ایک آواز پر جمع ہو جانا چاہیے تھا، کیوں کہ اس ابتدائی مرحلہ میں یہی بجائے خود ایک اہم کام ہے کہ آپ کے اندر ایک آواز پر جمع ہو جانے کی استعداد پیدا ہو۔ اس ڈسپلن کے بغیر آپ کون سا کام تنظیم اور تعاون کے ساتھ کر سکیں گے؟

جمود میں مبتلا ارکان

یہ سرد مہری جس کا اظہار اس اجتماع کے موقع پر ہوا ہے، کوئی اتفاقی چیز نہیں ہے جو اس وقت رونما ہوئی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ متعدد مقامات پر ہماری جماعت کے بعض یا اکثر ارکان ہفتہ وار اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے یا

شریک ہوتے ہیں تو التزام کے ساتھ نہیں بلکہ "گنڈے وار" طریقے سے کہ جب دنیا کی کوئی چھوٹی بڑی مشغولیت انہیں نہ ہوتی اور تفریح کو بھی جی چاہا تو مقامی جماعت کے اجتماع میں آگئے۔ بعض مقامات پر ہفتہ وار اجتماع کا قاعدہ ہی سرے سے منسوخ کر دیا گیا ہے اور بہت سے ارکان ایسے بھی ہیں جو جماعت میں داخل ہونے اور جان بوجھ کر خدا سے عہدِ غلامی تازہ کرنے کے بعد ویسے ہی ٹھنڈے، بے رُوح اور جامد و ساکن ہیں جیسے اس سے پہلے تھے۔ نہ ان کی زندگی میں کوئی تغیر واقع ہوتا، نہ جاہلیت کے ماحول سے ان کی کوئی جنگ ٹھنی، نہ دعوت الی اللہ کے لیے کوئی سرگرمی ان میں پیدا ہوئی اور نہ ہم سفر رفیقوں کے ساتھ وابستگی ان کے اندر پائی گئی حالانکہ ہم نے ابتدا میں جماعت قائم کرتے وقت بھی کہہ دیا تھا اور اس کے بعد بھی بار بار کہتے رہے ہیں کہ ہمیں کثرتِ تعداد کی نمائش کرنے کے لیے ارکان کی فضول بھرتی نہیں کرنی ہے۔ ہمیں وہ فربہی مطلوب نہیں ہے جو جسم کو طاقت ور بنانے کے بجائے اُلٹا بوجھل بنا دے، ہمیں صرف اُن لوگوں کی ضرورت ہے جنہیں فی الواقع کچھ کرنا ہو اور جو کسی خارجی دباؤ سے نہیں بلکہ ایمان کے اندرونی تقاضے سے خدا کے دین کو قائم کرنے کی سعی کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان پے در پے تصریحات کے باوجود اس قسم کے لوگ ہمارے اس نظام میں بھی داخل ہو گئے جو اس سے پہلے محض مسلمانوں کے گروہ سے متعلق ہونے ہی کو نجات کے لیے کافی سمجھ لینے کے عادی رہے ہیں۔ ان سے میں عرض کروں گا کہ اگر آپ کو یہی کچھ کرنا تھا تو اس غریب جماعت کو خراب کرنا کیا ضرور تھا۔ آپ کو اگر فی الواقع اُس نصب العین سے ہمدردی تھی جس کی خدمت کے لیے ہماری یہ جماعت بنی ہے اور اسی ہمدردی

نے آپ کو ہم سے تعلق پیدا کرنے پر آمادہ کیا تھا، تو آپ کی ہمدردی کا کم سے کم تقاضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ اس جماعت کو خراب کرنے سے پرہیز کرتے اور وہ بیماریاں اسے نہ لگاتے جن کی وجہ سے مسلمان مدت ہائے دراز سے کوئی صحیح کام نہیں کر سکے ہیں۔

جماعت سے علیحدہ ہونیوالے لوگ

اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ پچھلے دو سال کے دوران میں متعدد اصحاب ہمارے نظامِ جماعت سے الگ ہوتے ہیں اور بایک دو مستثنیات کے سوا تقریباً سب کے اندر اس علیحدگی نے رجعت قہقری کی شکل اختیار کر لی ہے۔ آپ جانتے ہیں اور ہر شخص بھی ہمارے طریق کار سے واقف ہے اس بات کو جانتا ہے کہ ہم نے جماعت میں لینے سے پہلے ہر شخص کو سوچنے سمجھنے کا پورا پورا موقع دیا ہے، دین کو اور اس کے مقتضیات اور مطالبات کو، اپنے مقصد اور اس کے حصول کے طریقے کو اچھی طرح کھول کر بیان کیا ہے۔ پھر داخلۂ جماعت کے موقع پر بھی ایک ایک شخص کے سامنے واضح طور پر اُن ذمہ داریوں کو پیش کر دیا ہے جو توحید و رسالت کے شعوری اقرار سے اس پر عائد ہوتی ہیں اور اس تصریح کے بعد ہر امیدوارِ رکنیت سے دریافت کیا ہے کہ آیا وہ اس اقرار کے وزن کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے برضا و رغبت یہ بار اٹھانے کے لیے تیار ہے؟ اس طرح ہر اشتباہ و التباس اور ہر غلط فہمی کے بغیر جن لوگوں نے اقرار کیا صرف وہی جماعت میں لیے گئے۔ ایسے سوچے سمجھے اور جچے تلے اقرار کے بعد نظامِ جماعت سے کسی شخص کے الگ ہونے کی اگر کوئی معقول صورت ہو سکتی تھی تو وہ یہی تھی کہ وہ ہم میں نفاق کی بُو محسوس کر کے یا ہمارے نظام میں کوئی ناقابلِ علاج

کمزوری پا کر ہم سے الگ ہوتا اور پھر ہم سے زیادہ بہتر طریقہ سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اُس نصب العین کی طرف پیش قدمی کرتا جس کو اس نے خوب ٹھنڈے دل سے جان بوجھ کر اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا۔ اور اس صورت میں بعید نہ تھا کہ اس کو اپنے سے آگے پا کر ہم خود اس سے جا ملتے۔ لیکن یہاں جو صورتِ حال دیکھنے میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے پورے شعور کے ساتھ نا جلد بازی میں نہیں بلکہ خوب سوچ سمجھ کر ہم سے نہیں بلکہ اپنے خدا سے اقرار کیا تھا وہ جماعت سے الگ ہو گئے اور الگ ہو کر ان میں سے بعض ساکن و جامد ہو گئے، بعض ان گروہوں کی طرف پلٹ گئے جن کے متعلق وہ کہتے تھے کہ ان کے طریقوں کو غلط پا کر اور ان سے مایوس ہو کر وہ "علی وجہ البصیرت" اِدھر آئے ہیں اور بعض ظالم تو ایسے پلٹے کہ جو دینداری اور پابندی شریعت انہوں نے اختیار کی تھی اور اخلاقی اصلاح کے جو اثرات قبول کیے تھے ان کے بھی بیشتر حصّہ پر خطِ نسخ پھیر دیا اور وہی سب کچھ کرنا شروع کر دیا جو پہلے کرتے تھے۔ چند اصحاب کے اندر رجعت کی شدت کا یہ حال دیکھ رہا ہوں کہ نماز تک کے تارک ہو گئے ہیں، جن حرام چیزوں سے پرہیز کرنے لگے تھے ان میں پہلے سے بھی کچھ زیادہ مبتلا ہو رہے ہیں اور معروف اخلاقی ذمہ داریوں تک سے بے پروا ہوتے جاتے ہیں۔ میں آپ سے بیان نہیں کر سکتا کہ ان حالات کو دیکھ کر مجھے کس قدر رنج ہوتا ہے۔

رجعت اور سرد مہری کے اسباب

ہمیں سوچنا چاہیے کہ ان سرد مہریوں، ان عہد فراموشیوں اور ان رجعتوں کے

حقیقی اسباب کیا ہیں۔

پہلا سبب

میرے نزدیک پہلی اور بنیادی خرابی یہ ہے کہ جس قوم میں کام کرنے کے لیے ہم اُٹھے ہیں، صدیوں کے مسلسل انحطاط نے اس کے اخلاق کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔ اس میں کیرکٹر کی وہ طاقت بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے جس کی مضبوط چٹان پر اٹل فیصلے، مستقل ارادے، ثابت عزائم اور بھروسے کے قابل عہد و میثاق قائم ہوتے ہیں۔ اس میں مدت ہائے دراز سے یہ کمزوری پرورش پا رہی ہے کہ ایک چیز کو حق جانیں اور دل سے اسے حق مانیں مگر اس کے لیے کوئی قربانی گوارا نہ کریں، نہ قوت کی، نہ مال کی، نہ خواہشات نفس کی، نہ اپنے مرغوب افکار و نظریات کی، نہ اپنے جاہلیت کے اذواق اور دلچسپیوں کی اور نہ کسی اور چیز کی۔ انہیں وہ حق پرستی تو بہت اپیل کرتی ہے جس میں حق کو زبان سے حق کہنا اور اس پر لفظی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنا اور اس کے لیے چند نمائشی کام کر دینا کافی ہو اور اس کے بعد انہیں اس حق کے خلاف ہر طرح اپنے کاروبار اپنے ادارے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات چلانے کی پوری آزادی حاصل رہے۔ اسی لیے وہ نام نہاد مذہبیت کے ان راستوں کی طرف خوشی خوشی لپک جاتے ہیں جن کی دینداری اور سعی و عمل کا سارا مدار اسلام اور جاہلیت کی مصالحت (Compromise) پر ہے لیکن ایسی حق پرستی ان کے لیے ایک ناقابل تحمل بار گراں ہے جو کفر و اسلام، حق و باطل اور اطاعت و بغاوت کے درمیان دو ٹوک فیصلہ چاہتی ہو اور جس میں ہر اس شخص سے حق کو ماننے کا اقرار کرے، اور باطل کا انکار کرنے کا مطالبہ کیا جائے جو کلمہ طیبہ پر ایمان لانے اور مسلمان ہونے۔ پہلا مطالبہ یہ ہو کہ وہ یک سو ہو جائے اور پھر مزید مطالبہ یہ ہو کہ جس

چیز کو اس نے حق مانا ہے اس کے لیے اپنی پوری شخصیت کو تج دے اور عمر بھر کے لیے تج دے، وقت کی، مال کی، خواہشاتِ نفس کی مرغوبات اور دلچسپیوں کی، امنگوں اور تمناؤں کی، توقعات اور امیدوں کی، گھر سے تعلقات کی، قوتوں اور قابلیتوں کی، غرض ہر قسم کی قربانیاں گوارا کرے اور ایک دو دن کے لیے نہیں، چار چھ مہینے کے لیے نہیں، کسی مقررہ مدّت کے لیے نہیں، بلکہ جب تک جیتا ہے اُس وقت تک گوارا کرتا رہے۔ آپ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ایسے مسلمان بہت پا سکتے ہیں جو خوشی خوشی جان دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے سینے پر گولیاں کھا لیں گے، سروں پر لاٹھیوں کی بارش سہ لیں گے، جیل کی سختیاں برداشت کر لیں گے۔ یہ سب ان کے لیے چھوٹے اور ہلکے کام ہیں، جنہیں بہ آسانی برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی پوری زندگی کو ایک ضابطہ میں کس دینا، عمر بھر ایک مقصد کے پیچھے صبر سے کام کیے چلے جانا، جیتے جی اپنی خواہشات پر ایک بریک لگائے رکھنا، اپنی عادتوں اور ذہنیتوں کو بدل ڈالنا اور کسی خارجی دباؤ کے بغیر اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنا اور نباہنا۔ یہ فی الحقیقت ان کی برداشت سے بہت زیادہ بھاری بوجھ ہے جس کی سہار ان کے لیے سخت دشوار ہے۔ یہ نمائشی ہنگاموں میں ایک عمر گزار سکتے ہیں، مگر کسی ایثار طلب عہد کو سال دو سال بھی بمشکل نباہ سکتے ہیں ان کے ارادے کمزور ہو چکے ہیں ان کی قوتِ فیصلہ ڈھیلی پڑ گئی ہے، ان میں عادات اور خواہشات کے انضباط اور اعتقاد و عمل کی مطابقت اور کسی نظام کی پابندی میں مسلسل کام کرنے کی قوت باقی نہیں رہی ہے۔ ان کی مثال اس جنگلی گھوڑے کی سی ہے جو روزِ پیدائش سے آزاد پھرنے کا عادی رہا ہو کسی گاڑی میں جُت کر ایک مقررہ راستہ پر سیدھا چلنے

کے لیے تیار نہ ہو۔ ایسے گھوڑے کو اگر کسی طرح رام کر کے باندھ بھی لیا جائے تو بہت جلدی وہ بندشوں سے اُکتانے لگتا ہے حتیٰ کہ ایک دن رسّی تڑا کر ایسا ہی بھاگتا ہے کہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ دُور نکل جاتا ہے۔

دُوسرا سبب

دوسری بنیادی کمزوری جسے میں روز بروز زیادہ شدّت کے ساتھ محسوس کرتا جا رہا ہوں، یہ ہے کہ ہمارے عوام تو دین کے فہم اور اس کی رُوح کے ادراک سے محروم ہیں ہی مگر ہمارے درمیان جو لوگ مذہبی میلان رکھنے والے ہیں وہ اس معاملہ میں کچھ اس سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ مخلص اور نیک لوگوں تک کا یہ حال ہے کہ وہ دین داری اور پیشہ ورانہ دین داری کے فرق کو نہیں جانتے، دین کی حقیقی قدروں کو انہوں نے دوسری قدروں سے بدل لیا ہے یا خلط ملط کر دیا ہے، جو چیزیں دین میں نہایت اہم ہیں بلکہ اساسی اہمیت رکھتی ہیں وہ ان کی نگاہ میں ہماری تمام کوششوں کے باوجود محض ایک سطحی سی اہمیت حاصل کر سکی ہیں کیونکہ ایک طویل مدّت کی تعلیم و تلقین سے ان کا اندازِ فکر کچھ ایسا ہی بنا دیا گیا ہے۔ بخلاف اس کے جو چیزیں دین میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں یا کسی قدر رکھتی بھی ہیں تو محض ایک ضمنی اہمیت، وہی ان کے نزدیک مدارِ دین ہیں کیونکہ فنِ دین داری اور پیشہ ورانہ دین داری نے ان کو یہی مرتبہ دیا ہے۔ عالم ہوں یا عامی یا متوسطین، بہرحال ان کے درمیان کم ہی اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں جو صحیح دینی بصیرت کی بنا پر جانتے ہوں کہ خدا کے دین میں کون سی چیزیں کس درجہ میں مطلوب ہیں، کس چیز پر کتنا زور دینا چاہیے اور کون سی چیز کس چیز کی خاطر چھوڑی جا سکتی ہے۔ یہ اختلاف جو قدروں کے تناسب میں ہمارے اور عام

مذہبی میلان رکھنے والے لوگوں کے درمیان موجود ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ بھی بہت سی سرد مہریوں اور رجعتوں کا ایک بڑا سبب ہے۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ دین کو خوب جان کر اور سمجھ کر ہم نے اقامتِ دین کا جو نصب العین اپنے سامنے رکھا ہے اس کے ساتھ ہم بے وفائی نہیں کر سکتے اور اگر لوگوں میں سرگرمی پیدا کرنا یا پلٹنے والوں کو رجعت سے باز رکھنا اسی پر موقوف ہے کہ دینی قدروں کے حقیقی تناسب کو بدل دیا جائے تو نہ ہمیں ایسی سرگرمی مطلوب ہے اور نہ کسی پلٹنے والے کی بازگشت، کائناً من کان۔

تیسرا سبب

ایک اور اصولی سبب ان رجعتوں اور سرد مہریوں کا یہ ہے کہ بہت سے لوگ اس جماعت کی رکنیت اور عام انجمنوں اور پارٹیوں کی رکنیت کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ انہوں نے ابھی پوری طرح محسوس نہیں کیا ہے کہ اس جماعت کی شرکت کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ ابھی تک اس گمان میں ہیں کہ یہ بھی کوئی انجمن ہے جس میں کسی ادنیٰ وجہ کشش کی بنا پر شامل ہو جانا اور شامل ہو کر دلچسپی نہ لینا اور پھر کسی چھوٹی یا بڑی وجہ ناپسندیدگی کی بنا پر الگ ہو جانا، آدمی کے دین و ایمان سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ حالانکہ فی الحقیقت اس جماعت کی نوعیت عام انجمنوں اور پارٹیوں کی نوعیت سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جماعت خالصتہً دینِ حق کی اقامت کے لیے قائم ہوئی ہے۔ اس کا نصب العین وہی ہے جو قرآن کی رُو سے اسلام کا حقیقی نصب العین ہے۔ اس کے پیشِ نظر وہی کام ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس میں داخل ہوتے وقت ہر شخص سے پورے شعور کے ساتھ وہی عہد لیا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں معاملۂ بیع سے تعبیر فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ؎ ایسی جماعت میں داخل ہونے کا جو شخص ارادہ کرے اسے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا فی الحقیقت اس کی یہی غرض اور یہی نوعیت ہے اور یہی کام اس کے پیشِ نظر ہے؟ اگر تحقیق سے اس کو ان امور پر اطمینان حاصل نہ ہو تو سرے سے جماعت کی شرکت ہی غلط ہے لیکن اگر اسے اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ یہ یقین رکھتے ہوئے داخلِ جماعت ہو کہ اس جماعت کی غرض وغایت یہی ہے جو دستور میں بیان کی گئی ہے، اور اس یقین کی بنا پر وہ اللہ سے خوب سوچ سمجھ کر بیع کا معاہدہ کرے، تو اس کے بعد آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی شرکت اور ایسے معاہدۂ بیع کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ ایک کوٹ ہے جسے جب چاہا پہنا اور جب چاہا اُتار دیا۔ ادھر قدم بڑھانے سے پہلے اپنی واپسی کی کشتیاں جلا دیجئے۔ یہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھیے کہ اب پلٹ کر جانے کے لیے کوئی جگہ آپ کے لیے نہیں ہے۔ خدا سے عہد باندھنے کے بعد جس جان و مال کو آپ بیچ چکے اسے اب آپ واپس نہیں لے سکتے۔ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آپ سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں۔ اب آپ کو جان لڑا کر یہ کام کرنا ہے۔ خود اس راہ پر چلنا ہے اور دوسروں کو اس پر چلانا ہے۔ کوئی خرابی رونما ہوتی نظر آئے تو بھاگنے کی فکر نہ کیجیے بلکہ کم از کم اسی جذبہ کے ساتھ اُسے دُور کرنے کی فکر کیجیے جس طرح آپ کے

؎ ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ (التوبہ: ۱۱۱)

گھر میں آگ لگ جائے تو اسے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ تانگے والا اگر نہ چلے تو پیچھے سے تحرک نہ جائیے بلکہ یا تو اسے چلنے پر مجبور کیجیے یا اُسے ہٹا کر پھینک دیجیے اور خود آگے بڑھیئے یہاں آکر اگر آپ اس کام میں دلچسپی نہ لیں گے، یا وقت، مال، محنت اور دل ودماغ اور جسم وجان کی قوتیں اس راہ میں صرف کرنے سے جی چرائیں گے، یا دوسرے کاموں کو اس کام پر مقدم رکھیں گے تو اپنے خدا سے بے وفائی کریں گے۔ آپ کا عہد کسی انسان سے نہیں، خدا سے ہے۔ شرکت کے وقت جو عہد آپ نے کیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ اپنا سب کچھ اور خود اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب آپ کی ہر چیز پر پہلا اور مقدم حق خدا اور اس کے کام کا ہے۔ باقی تمام چیزیں اس سے مؤخر ہیں۔

یہ ساری باتیں میں آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ اس کام کی عظمت کو اچھی طرح محسوس کر لیں جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ مجھ پر اکثر تقاضے ہوتے رہتے ہیں کہ تم جلدی سے کوئی بڑا اقدام کر ڈالو، لیکن ابھی میں نے جن کمزوریوں کا ذکر آپ کے سامنے کیا ہے ان کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اگر میں کوئی بڑا اقدام کر بیٹھوں تو مجھ سے بڑا نادان کوئی نہ ہوگا۔ سیرت واخلاق کی ان خامیوں اور فہم ونظر کی ان کوتاہیوں کے ساتھ دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کیا جا سکتا، کجا کہ وہ کام جو دنیا میں سب سے بڑا ہے۔ دنیا کے نظامِ زندگی میں جو ہمہ گیر انقلاب پیدا کرنا ہمارے پیش نظر ہے اس کے لیے ایک اور ہی قسم کی ذہنیت اور سیرت درکار ہے جسے ڈھالنے اور تیار کرنے کا کوئی انتظام ہمارے ہاں ایک مدت دراز سے نہیں ہوا ہے۔ جو سانچے ہمارے ہاں مدتوں سے بنے ہوئے ہیں وہ اخلاق وعادات اور ذہنیتوں اور سیرتوں کو کسی اور

ڈھنگ پڑھاتے رہے ہیں جو اس کام کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا قبل اس کے کہ ہم اپنے پیشِ نظر کام کی طرف کوئی بڑا قدم اٹھائیں۔ ہمیں ان بوسیدہ سانچوں کو توڑنا ہے اور نہایت صبر کے ساتھ پیہم سعی و جہد سے نئی سیرتیں، نئی ذہنیتیں، نئی عادتیں اور نئی اخلاقی صفات پیدا کرنی ہیں، جو حقیقۃً نئی نہیں بلکہ سب کی سب پرانی ہیں مگر بدقسمتی سے آج ہمارے لیے نئی ہو گئی ہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ کسی فاسد و مفسد گروہ کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنی زمین کے انتظام اور اپنی خلق کی امامت و پیشوائی کے منصب پر قابض نہیں ہونے دیتا جب تک دنیا ایک صالح و مصلح گروہ (منتشر افراد نہیں بلکہ منظم گروہ) سے بالکل ہی خالی نہ ہو جائے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق قیادت و رہنمائی کے منصب اور زمین کے انتظام میں کوئی اصولی تغیر بھی اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایک اُمّۃً وسط، ایک خیرُ اُمّۃ وجود میں نہ آ جائے، جو شہداءُ علی الناس ہونے کے لائق ہو، جس کا جینا اور مرنا خالص اللہ اور اس کے دین کے لیے ہو۔ اور جو اپنی اخلاقی صفات کے اعتبار سے تمام دنیا کی امتوں پر فوقیت رکھتی ہو۔

دعوتِ حق ایک عظیم آزمائش ہے

اس موقع پر میں ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس قسم کی ایک دعوت کا جیسی کہ ہماری یہ دعوت ہے، کسی مسلمان قوم کے اندر اُٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جب تک حق کے بعض منتشر اجزاء باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں، ایک مسلمان قوم کے لیے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے۔

اور اس کا عذر مقبول ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جو امّتِ مسلمہ کی پیدائش کی اصل غرض ہے، یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کر لے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے۔ ایسی صورت میں ان دو راہوں کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش اس قوم کے لیے باقی نہیں رہتی۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس دو ٹوک فیصلہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو ڈھیل دے اور اس نوعیت کی یکے بعد دیگرے کئی دعوتوں کے اٹھنے تک دیکھتا رہے کہ وہ ان کے ساتھ کیا روش اختیار کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال اس دعوت کی طرف منہ موڑنے کا انجام آخر کار وہی ہے جو میں نے آپ سے عرض کر دیا ہے۔ غیر مسلم اقوام کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ لیکن مسلمان اگر حق سے منہ موڑیں اور اپنے مقصدِ وجود کی طرف صریح دعوت کو سن کر الٹے پاؤں پھر جائیں تو یہ وہ جرم ہے جس پر خدا نے کسی نبی کی امت کو معاف نہیں کیا ہے۔

اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان[1] میں اٹھ چکی ہے اس لیے کم از کم یہاں کے

---

[1] متحدہ ہندوستان مراد ہے جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان اور بھارت دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان میں جماعت اسلامی پاکستان اور بھارت میں جماعت اسلامی ہند، یہ کام کر رہی ہے۔

مسلمانوں کے لیے تو آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آہی گیا ہے ، رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ میں یہ دعوے کرنے کیلیے تو کوئی بنیاد نہیں رکھتا کہ یہ آخری موقع ہے جو مسلمانوں کو مل رہا ہے۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ ممکن ہے کہ ابھی کچھ اور مواقع مسلمانوں کے لیے مقدر ہوں۔ لیکن قرآن کی بنیاد پر میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے یہ وقت ہے ایک نازک وقت۔ یہاں کے مسلمانوں کے سامنے اس وقت دو قسم کی دعوتیں ہیں۔ ایک طرف ہماری یہ دعوت ہے جو مسلمانوں کو ٹھیک اُس کام کے لیے بُلا رہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلم جماعت کی تاسیس و تشکیل کی واحد غرض قرار دیا ہے اور دوسری طرف وہ دعوتیں ہیں جن کے پیشِ نظر مسلمانوں کے دنیوی مفاد کی خدمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان دو متقابل پکاروں میں سے دوسری پکار کی طرف مسلمانوں کا فوج در فوج لپکنا اور پہلی پکار کو امت کی عظیم اکثریت کا بہرے کانوں سے سُننا اکابر امت اور علماء و مشائخ کا اس سے بے اعتنائی برتنا یا اس کی کھلی یا چھپی مخالفت پر اُتر آنا، اور ایک گروہ قلیل کا اس کی طرف بڑھنا بھی تو رُکتے اور جھجکتے اور پس و پیش کرتے ہوئے بڑھنا، میرے نزدیک ایک نہایت بُری علامت ہے اور ایک عظیم خطرہ ہے جس میں یہ مسلمان قوم اپنے آپ کو ڈال رہی ہے۔ خوب جان لیجئے کہ اگر اس وقت اس قوم میں سے کچھ آدمی بھی ایسے نہ نکلے جو امۃ وسط اور شہداء اللہ بننے کے قابل ہوں اور وہ خدمت انجام دے سکیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی

زمین پر ایک صالح و مصلح گروہ کو کمر بستہ دیکھنا چاہتا ہے تو پھر:

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

(المائدہ: ۵۴)

"بعید نہیں کہ اللہ کسی دوسری ایسی قوم کو لے آئے جو اللہ کو محبوب ہو اور اللہ اسے محبوب ہو، جو اہلِ ایمان پر نرم اور کفار پر سخت ہو، جو اللہ کی راہ میں جد وجہد کرے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرے یہ اللہ کا فضل ہے جسے اللہ عطا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت رکھنے والا اور علیم ہے۔"

آپ حضرات یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آپ دراصل اُمّتِ وسط بننے کے امیدوار ہیں۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ اس مقامِ بلند کو حاصل کریں۔ اتنے بڑے منصب کی امیدواری کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا اور پھر نہ اُس کی عظمت کو محسوس کرنا، نہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا، ایک عظیم الشان بے خبری ہے اور اس سے بڑھ کر بے خبری یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ اُن کم سے کم صفات سے بھی ابھی تک متصف نہ ہوئے ہوں جو اس کارِ عظیم کے لیے ضروری ہیں اور دوسری طرف آپ تقاضا کریں کہ فوراً ہی کوئی بڑا قدم اُٹھا دیا جائے۔ کیا آپ اتنا نہیں سمجھتے اور اس سے ڈرتے نہیں کہ اگر آپ نے کوئی ایسا قدم اُٹھایا جس کے لیے ضروری

استعداد آپ نے اپنے اندر پیدا نہیں کی ہے تو آپ منہ کی کھا کر پسپا ہوں گے اور اس راہ میں پیچھے ہٹنا فِرَارٌ مِّنَ الزَّحْفِ ہے جو خدا کی شریعت میں بہت بڑا گناہ ہے۔

اس دعوت کے کام کیلئے جو شخصی اور جماعتی اوصاف ضروری ہیں

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ وہ کم سے کم ضروری صفات کیا ہیں جو اس دعوت کے لیے کام کرنے والوں میں ہونی چاہئیں۔ دوسری وہ جو ایک صالح جماعت بنانے کے لیے ضروری ہیں اور تیسری وہ جو مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ناگزیر ہیں۔

شخصی اوصاف

(۱) شخصی اوصاف میں پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور خدا کا مطیع فرمان بنائے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ :

اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ۔

حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کشمکش کرے۔

یعنی قبل اس کے کہ آپ باہر کی دنیا میں خدا کے باغیوں سے مقابلہ کے لیے نکلیں اُس باغی کو مطیع بنائیے جو خود آپ کے اندر موجود ہے اور خدا کے قانون اور اس کی رضا کے خلاف چلنے کے لیے ہر وقت تقاضا کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ باغی آپ کے اندر پل رہا ہے اور آپ پر اُتنا قابو یافتہ ہے کہ آپ سے رضائے الٰہی کے خلاف اپنے مطالبے منوا سکتا ہے تو یہ بالکل ایک بے معنی بات ہے کہ آپ بیرونی باغیوں

کے خلاف اعلانِ جنگ کریں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ گھر میں شراب کی بوتل پڑی ہے اور باہر شرابیوں سے لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ تضاد ہماری تحریک کے لیے تباہ کن ہے۔ پہلے خود خدا کے آگے سر جھکائیے، پھر دوسروں سے اطاعت کا مطالبہ کیجیے۔

(۲) جہاد کے بعد دوسرا درجہ ہجرت کا ہے۔ ہجرت کا اصل مدعا گھر بار چھوڑنا نہیں ہے بلکہ خدا کی نافرمانی سے بھاگ کر خدا کی رضا جوئی کی طرف بڑھنا ہے۔ اصلی مہاجر ترک وطن اگر کرتا ہے تو اس لیے کہ اس کے وطن میں قانونِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے مواقع نہیں ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے گھر بار چھوڑا اور اللہ کی فرمانبرداری ہی اختیار نہ کی تو اس نے حماقت کی۔ یہ حقیقت بھی احادیث میں اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے۔ بطور مثال ایک حدیث کو لیجیے۔ آنحضورؐ سے پوچھا گیا کہ:

اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔

یارسولؐ اللہ کون سی ہجرت افضل ہے؟

جواب ملا:

اَنْ تَھْجُرَ مَاکَرِہَ رَبُّکَ

یہ کہ تو ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

اندر کا باغی اگر مطیع نہ ہو تو آدمی کا ترکِ وطن کر دینا خدا کی بارگاہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات باہر کی قوتوں سے پہلے اپنے اندر کی سرکش قوتوں سے لڑیے اور اصطلاحِ کفار کو مسلمان بنانے سے پہلے اپنے نفس

کو مسلمان بنائیے۔ اس معنی کو جامع تر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ حدیثِ نبوی کے مطابق اپنے آپ کو اس گھوڑے کی طرح بنائیے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے وہ کتنا ہی گھومے پھرے بہرحال اُس حد سے آگے نہیں جا سکتا جہاں تک رسی اُسے جانے دیتی ہے۔

مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَ مَثَلُ الْاِیْمَانِ کَمَثَلِ الْفَرَسِ فِیْ اٰخِیَّتِہٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی اٰخِیَّتِہٖ۔

ایسے گھوڑے کی حالت آزاد گھوڑے سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ہر میدان میں گھومتا ہے، ہر کھیت میں گھس جاتا ہے اور جہاں ہری گھاس دیکھتا ہے وہیں پوری بے صبری کے ساتھ ٹوٹ پڑتا ہے۔ پس آپ آزاد گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر سے نکالیں اور کھونٹے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی سی کیفیت اپنے اندر پیدا کریں۔

اس کیفیت کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرا قدم یہ اُٹھائیے کہ اپنے قریبی ماحول سے جسے میں "ہوم فرنٹ" کہوں گا، لڑنا شروع کر دیجئے۔ گھر کے لوگ، اعزّہ، دوست اور سوسائٹی جس سے آپ کا گہرا ربط ہے، ان سب سے ایک عملی کشمکش شروع ہو جانی چاہیئے۔ کش مکش اس معنی میں نہیں کہ آپ اپنے متعلقین سے کُشتی لڑیں یا ان سے تُو تُو مَیں مَیں اور مناظرہ شروع کر دیں بلکہ یہ کش مکش اس معنی میں ہونی چاہیئے کہ آپ بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت اپنے نصب العین کے اتنے دلدادہ اور اپنے اصول و ضوابط کے اتنے پابند ہو جائیں کہ آپ کے گرد و پیش جو لوگ کسی نصب العین کے بغیر بے اصول زندگیاں بسر کر رہے ہیں وہ آپ کی

پابند اصول زندگی کو گوارا نہ کر سکیں۔ آپ کی بیویاں، آپ کی اولادیں، آپ کے والدین، آپ کے رشتہ دار اور دوست آپ کے رویہ کے خلاف مزاحمت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ آپ اپنے شہر میں اجنبی ہو کر رہ جائیں۔ جہاں آپ کسبِ معاش کے لیے کام کرتے ہوں وہاں آپ کا وجود نمایاں طور پر کھٹکنے لگے۔ دفتر کی آرام کرسی جس پر بیٹھ کر جاہ و ترقی کے خواب دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کے لیے انگاروں کی انگیٹھی بن کر رہ جائے۔ غرض جو جتنا زیادہ قریبی ہو اس سے اتنا ہی پہلے تصادم شروع ہو جانا چاہیے۔ جس شخص کے گھر میں میدانِ جہاد موجود ہو وہ آخر چند میل کے فاصلہ پہ ہی کیوں لڑنے جائے۔ پہلا معرکہ تو گھر ہی سے شروع ہونا چاہیے۔ اب تک جہاں جہاں اس کشمکش کی اطلاعات آ رہی ہیں وہاں کے لوگوں سے مطمئن ہو رہا ہوں اور جہاں سے ایسی اطلاعات نہیں آ رہی ہیں وہاں کے لیے بے تابی سے منتظر ہوں کہ ایسی کوئی اطلاع ملے۔

مگر میں بروقت یہ واضح کر دوں کہ یہ ساری کشمکش اس ذہنیت کے ساتھ ہونی چاہیے جس کے ساتھ ایک ڈاکٹر بیماروں سے کشمکش کرتا ہے۔ دراصل وہ بیمار سے نہیں لڑتا بلکہ بیماری سے لڑتا ہے اور اس کی تمام تر جدوجہد ہمدردی کی روح سے لبریز ہوتی ہے۔ وہ اگر بیمار کو کڑوی دوائیں پلاتا ہے یا اس کے کسی عضو پر نشتر چلاتا ہے تو یہ تمام تر اخلاص ہوتا ہے دشمنی نہیں ہوتی۔ اس کی نفرت اور اس کا غصہ بالکل مرض کے خلاف ہوتا ہے نہ کہ مریض کے خلاف۔ بالکل اسی طرح اپنے ایک گمراہ بھائی کو ہدایت کی طرف لایئے۔ وہ کبھی کسی بات سے یہ محسوس نہ کرے کہ اسے تحقیر سے دیکھا جا رہا ہے یا براہِ راست اس کی ذات سے دشمنی کی جا رہی ہے، بلکہ وہ آپ کے اندر

انسانی ہمدردی، محبت اور اخوت کو کام کرتا ہوا پاتے۔ میں نے اجتماع دربھنگہ کے موقع پر بھی مختصراً یہ کہا تھا کہ اصلی تبلیغ تقریری اور تحریری مناظروں سے نہیں ہوا کرتی۔ یہ کام کرنے کے بہت ہی ادنیٰ طریقے ہیں۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت کا مجسم ظہور اور نمونہ ہوں۔ جہاں کہیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے یہ نمونہ گزر جاتے وہ آپ کے طرزِ عمل سے پہچان لیں کہ یہ ہیں خدا کی راہ کے راہی۔ جس طرح کوئی "فنا فی الکانگریس" آدمی سامنے آجاتا ہے تو کانگریسیت کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے اسی طرح آپ ایسے فنا فی الاسلام بن جایئے کہ جہاں آپ سامنے آئیں اسلامی تحریک کا پورا نقشہ واضح ہو جاتے۔ یہی وہ چیز ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

إِذَا رُءُوا ذُكِرَ اللهُ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا فوراً ہو جانا چاہیئے۔ یہ مقام تو تدریجاً ہی حاصل ہوگا۔ خدا کی راہ میں جب اپنے ماحول سے پیہم آپ کا تصادم ہوتا رہے گا اور آپ ہر آن، ہر لمحہ اپنے مقصد کے لیے کوشش کرتے ہوئے قربانیاں دیتے رہیں گے تو ایک مدت میں جا کر فنائیت کی کیفیت آپ پر طاری ہو گی اور آپ اپنی دعوت کا مجسم ظہور بن سکیں گے۔ اس مقصد کے لیے قرآن و حدیث کا گہری نظر سے بار بار مطالعہ کیجئے اور دیکھیے کہ اسلام کس قسم کا انسان چاہتا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرز کے آدمی تیار کیا کرتے تھے۔ وہ کیا صفات تھیں جو اس تحریک کے کارکنوں میں پہلے پیدا کی گئیں اور اس کے بعد جہاد کا علم بلند کیا گیا۔ آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے مزکی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انسان تیار کیے

بنے انہیں ۱۵ برس کی تیاری کے بعد میدان میں لایا گیا۔ اس تیاری کی تفصیلات معلوم کیجیے اور دیکھیے کہ یہ کس تدریج کے ساتھ ہوتی تھی، اس میں کن صفات کی پرورش مقدم تھی اور کن کی مؤخر، کون سی صفات کس درجہ میں مطلوب تھیں اور انہیں کس حد تک ترقی دی گئی تھی اور کس مقام پر پہنچ کر اس جماعت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تم دنیا کا بہترین گروہ بن گئے ہو اور اس قابل ہو گئے ہو کہ نوعِ انسانی کی اصلاح کے لیے نکلو۔ یہی نمونہ خود اپنی تیاری کے لیے بھی آپ کے سامنے ہونا چاہیئے۔

یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ میں صرف دو حدیثیں آپ کی رہنمائی کے لیے پیش کروں گا جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کام کے لیے کن صفات کے آدمی درکار ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔

یعنی آدمی پورا مومن اس وقت بنتا ہے جب اس کی کیفیت یہ ہو جائے کہ اس کی دوستی اور دشمنی اور اس کا دینا، روکنا جو کچھ ہو خالص اللہ کے لیے ہو۔ نفسانی اور دنیوی محرکات اس کے لیے ختم ہو جائیں۔

دوسری حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ۔

میرے رب نے مجھے نو چیزوں کا حکم دیا ہے۔

۱: خَشْیَۃِ اللّٰہِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ۔

کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈرتا رہوں۔

۲: وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا۔

کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصہ میں ہوں دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں۔

۳: وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَا۔

خواہ فقیری کی حالت میں ہوں، یا امیری کی حالت میں۔ بہر حال راستی و اعتدال پر قائم رہوں۔

۴: وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِيْ۔

اور یہ کہ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں۔

۵: وَاُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِيْ

اور جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں۔

۶: وَاَعْفُوَ مَنْ ظَلَمَنِيْ

اور جو مجھ پر زیادتی کرے میں اسے معاف کروں۔

۷: وَاَنْ يَكُوْنَ صَمْتِيْ فِكْرًا

اور یہ کہ میری خاموشی تفکر کی خاموشی ہو۔

۸: وَنُطْقِيْ ذِكْرًا

اور میری گفتگو ذکر الٰہی کی گفتگو ہو۔

۹: وَنَظَرِيْ عِبْرَةً

اور میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو۔

ان اوصاف مطلوبہ کا ذکر کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ۔

یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں۔

معلوم ہوا کہ نیکی کو پھیلانے اور بدی کو ختم کرنے کے لیے جو اُمتِ وسط اُٹھے اس کے فرد فرد میں یہ اوصاف ہونے چاہئیں۔ انہیں اوصاف کے ساتھ یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے۔ یہ نہ ہوں تو ہم کبھی اپنے منصب کے مقتضیات کو پورا نہیں کر سکتے۔

جماعتی اوصاف

یہ تو شخصی اصلاح کا پروگرام ہوا۔ اس سے آگے جماعتی حیثیت سے کچھ دوسرے اخلاقی اوصاف کی ضرورت ہے۔ جماعتی نظم کو مستحکم اور کارگر بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ارکانِ جماعت کے درمیان محبت و ہمدردی ہو، آپس میں حُسنِ ظن ہو، بے اعتمادی کی جگہ اعتماد ہو، آپس میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہو، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے کی عادت ہو، خود آگے بڑھیں اور دوسروں کو اپنے ساتھ آگے بڑھائیں۔ یہ اوصاف ہر جماعتی نظم کے لیے ناگزیر ہیں۔ ورنہ اگر فرداً فرداً سب لوگ اعلیٰ درجہ کی صفاتِ حسنہ اپنے اندر پیدا کرلیں لیکن منظم و مربوط نہ ہوں، آپس میں متعاون نہ ہوں، شانہ سے شانہ ملا کر چل نہ سکیں تو ہم دنیا میں علم بردارانِ باطل کا بال تک بیکا نہیں کر سکتے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شخصی حیثیت سے بہترین انسان ہم میں ہمیشہ موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔ اور اگر آج دنیا بھر کو ہم چیلنج دے کر کہیں کہ ایسے لوگ کسی کے پاس نہ ہوں گے تو شاید اس چیلنج کا جواب کسی قوم سے نہ دیا جا سکے گا مگر یہ معاملہ صرف انفرادی اصلاح کی حد تک ہے۔ جن لوگوں نے اپنی انفرادی اصلاح میں کمال حاصل کیا ہے انہوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ چند سو یا چند ہزار افراد

پر اپنا اثر پھیلا دیا اور تقدس کی چند یادگاریں چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ یہ طریقہ بڑے کام کرنے کا نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا پہلوان جو بھاری بوجھ اُٹھانے اور کئی کئی آدمیوں کو کشتی میں پچھاڑنے کی طاقت رکھتا ہو، ایک مربوط رجمنٹ کے مقابلہ میں بالکل بے کار ہے۔ اسی طرح ہم میں سے کچھ لوگوں کی مثال انفرادی تزکیہ کی حیثیت سے اُس پہلوان کی سی ہے جو کسی رجمنٹ کا عضو بن کر کام نہیں کرتا بلکہ منفرداً ایک رجمنٹ کو دعوت مبارزت دیتا ہے۔ انفرادی تزکیہ کے لحاظ سے ہماری اپنی جماعت میں بھی ایسے رفقاء کی کمی نہیں ہے جن کی حالت پر خود مجھے رشک آتا ہے مگر جہاں تک جماعتی تزکیہ کا تعلق ہے، حالات افسوس ناک ہیں۔ میں مستقبل قریب میں اس مسئلہ پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ جماعتی حیثیت سے کیا کچھ ترک کر دینے کے قابل ہے اور اس کی جگہ کیا کیا چیزیں مطلوب ہیں۔

قرآن میں اس مسئلہ پر اصولی حد تک مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور حدیث میں اصول کی مکمل تشریحات موجود ہیں۔ پھر سیرتِ نبوی اور سیر الصحابہ کے مطالعہ سے مطلوبہ اجتماعی اخلاق کے عملی نمونے بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ان چیزوں کی ورق گردانی کیجیے اور ناپ تول کر دیکھیے کہ کس پہلو سے ہمارے اجتماعی نظم میں کیا اور کتنی کمی ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی فکر کیجیے۔

صاف بات ہے کہ اجتماعی نظم میں ایک فرد کو دوسرے افراد سے لامحالہ سابقہ پیش آتا ہے۔ اگر حسنِ ظن، ہمدردی، ایثار اور رواداری نہ ہو تو مزاجوں کا اختلاف تعاون کو چار دن بھی جاری نہیں رہنے دے گا۔ جماعتی نظم چلتا ہی اس اصول پر ہے کہ دوسروں کے لیے آپ اپنا کچھ چھوڑیں اور دوسرے آپ

کے لیے کچھ چھوڑیں۔ اس ایثار کی ہمت نہ ہو تو کسی انقلاب کا نام بھی زبان پر نہ لانا چاہیئے۔

مجاہدہ فی سبیل اللہ کے ضروری اوصاف

تیسری قسم کی صفات وہ ہیں جو مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لوازم میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کا بھی قرآن وحدیث میں مفصل تذکرہ موجود ہے۔ صرف تذکرہ ہی نہیں ایک ایک مطلوبہ صفت کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ وہ کس نوعیت اور کس درجہ کی ہونی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں احکام وہدایات کو جمع کیجئے اور سمجھئے کہ مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لیے کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں۔ میں مختصراً ان کی طرف اشارہ کر دینا چاہتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی صفت جس پر زور دیا گیا ہے صبر ہے۔ صبر کے بغیر خدا کی راہ میں کیا کسی راہ میں بھی مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خدا کی راہ میں اور قسم کا صبر مطلوب ہے اور دنیا کے لیے مجاہدہ کرتے ہوئے اور قسم کا صبر درکار ہے۔ بہرحال صبر ہے ناگزیر۔ صبر کے بہت سے پہلو ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ جلد بازی سے اجتناب کیا جائے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ کسی راہ میں جدوجہد کرتے ہوئے دشواریوں اور مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلہ میں استقامت دکھائی جائے اور قدم پیچھے نہ ہٹایا جائے۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ کوششوں کا کوئی نتیجہ اگر جلدی حاصل نہ ہو تب بھی ہمت نہ ہاری جائے اور پیہم سعی جاری رکھی جائے۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ مقصد کی راہ میں بڑے سے بڑے خطرات، نقصانات اور خوف وطمع کے مواقع بھی اگر پیش آجائیں تو قدم کو لغزش نہ ہونے پائے۔ اور یہ بھی صبر ہی کا ایک شعبہ ہے کہ اشتعال جذبات کے سخت سے سخت مواقع پر

بھی آدمی اپنے ذہن کا توازن نہ کھوئے، جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نہ اٹھائے۔ ہمیشہ سکون، صحتِ عقل اور ٹھنڈی قوتِ فیصلہ کے ساتھ کام کرے۔

پھر حکم صرف صبر ہی کا نہیں مصابرت کا بھی ہے، یعنی مخالف طاقتیں اپنے باطل مقاصد کے لیے جس صبر کے ساتھ ڈٹ کر سعی کر رہی ہیں اسی صبر کے ساتھ آپ بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کریں۔ اسی لیے "اِصْبِرُوْا" کے ساتھ "صَابِرُوْا" کا حکم بھی دیا گیا ہے جن لوگوں کے مقابلہ میں آپ حق کی علمبرداری کے لیے اُٹھنے کا داعیہ رکھتے ہیں ان کے صبر کا اپنے صبر سے موازنہ کیجئے اور سوچئے کہ آپ کے صبر کا کیا تناسب ہے؟ شاید ہم ان کے مقابلہ میں ۱۰ فی صدی کا دعویٰ کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ باطل کے غلبہ کے لیے جو صبر وہ دکھا رہے ہیں ان کا اندازہ کرنے کے لیے موجودہ جنگ کے حالات پر نظر ڈالیے۔ کس طرح وقت آ پڑنے پر ان لوگوں نے اپنے ان کارخانوں، شہروں اور ریلوے سٹیشنوں کو اپنے ہاتھوں سے پھونک ڈالا جن کی تعمیر و تیاری میں سالوں کی محنتیں اور بے شمار روپیہ صرف کیا گیا تھا۔ یہ ان ٹینکوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہیں جو فوجوں کو اپنے آہنی پہیوں تلے کچل ڈالتے ہیں۔ یہ دشمن کے ان بمبار طیاروں کے سائے میں استقامت سے کھڑے رہتے ہیں جو موت کے پرَ لگا کر اڑتے ہیں۔ جب تک ان کے مقابلہ میں ہمارا صبر ۱۰۵ فی صدی کے تناسب پر نہ پہنچ جائے ان سے کوئی ٹکر لینے کی جرأت نہیں کی جا سکتی۔ جب سر و سامان کے لحاظ سے ہم ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو پھر سر و سامان کی کمی کو صبر ہی سے پورا کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری چیز جو مجاہدہ کا لازمہ ہے، ایثار کی صفت ہے۔ وقت کا ایثار،

محنتوں کا ایثار اور مال کا ایثار! ایثار کے اعتبار سے بھی باطل کا جھنڈا اٹھانے والی طاقتوں کے مقابلہ میں ہم بہت ہی پیچھے ہیں۔ حالانکہ بے سروسامانی کی تلافی کے لیے ہمیں ایثار میں بھی ان سے میلوں آگے ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں صورت واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص بیس، پچاس، سو اور ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کے عوض اپنی پوری صلاحیتیں خود اپنے دشمن کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس طرح ہماری قوم کا کارآمد جوہر بے کار ہو جاتا ہے۔ یہ دماغی صلاحیتیں رکھنے والا طبقہ اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ ایک بڑی آمدنی کو چھوڑ کر یہاں محض بقدرِ ضرورت قلیل معاوضہ پر اپنی خدمات پیش کر دے۔ پھر فرمایئے کہ اگر یہ لوگ اتنا ایثار بھی نہ کریں گے اور اس راہ میں پتّہ مار کر کام نہ کریں گے تو پھر اسلامی تحریک کیسے پھل پھول سکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی تحریک محض والنٹیروں کے بل پر نہیں چل سکتی۔ جماعتی نظم میں والنٹیروں کو اسی درجہ کی اہمیّت حاصل ہے جیسی ایک آدمی کے نظامِ جسمانی میں ہاتھ اور پاؤں کو ہے۔ یہ ہاتھ اور پاؤں اور دوسرے اعضاء کس کام کے ہو سکتے ہیں اگر ان سے کام لینے کے لیے دھڑکنے والے دل اور سوچنے والے دماغ موجود نہ ہوں۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں والنٹیروں سے کام لینے کے لیے اعلیٰ درجہ کے جنرل چاہئیں مگر مصیبت یہ ہے کہ جن کے پاس دل اور دماغ کی تربیتیں ہیں وہ دنیوی ترقیوں کے دلدادہ ہیں اور مارکیٹ میں اسی کی طرف جاتے ہیں جو زیادہ قیمت پیش کرے۔ نصب العین سے ہماری قوم کے بہترین افراد کی وابستگی ابھی اس درجہ کی نہیں ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنے منافع کو بلکہ منافع کے امکانات تک کو قربان کر سکیں۔ اسی ایثار کو لے کر اگر آپ یہ توقع کریں کہ وہ مفسدینِ عالم جو روزانہ کروڑوں روپیہ اور لاکھوں جانوں کا ایثار کر رہے ہیں۔ ہم

سے کبھی شکست کھا سکتے ہیں تو یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

(۳) مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لیے تیسری صفت دل کی لگن ہے۔ محض دماغی طور پر ہی کسی شخص کا اس تحریک کو سمجھ لینا اور اس پر صرف عقلاً مطمئن ہو جانا، یہ اس راہ میں اقدام کے لیے صرف ایک ابتدائی قدم ہے لیکن اتنے سے تا آخر سے کام چل نہیں سکتا۔ یہاں تو اس کی ضرورت ہے کہ دل میں ایک آگ بھڑک اُٹھے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی آگ تو شعلہ زن ہو جانی چاہیے جتنی اپنے بچے کو بیمار دیکھ کر ہو جایا کرتی ہے اور آپ کو کھینچ کر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے، یا اتنی جتنی گھر میں غلہ نہ پا کر بھڑکتی ہے اور آدمی کو تگ و دو پر مجبور کر دیتی ہے اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سینوں میں وہ جذبہ ہونا چاہیے جو ہر وقت آپ کو اپنے نصب العین کی دُھن میں لگائے رکھے، دل و دماغ کو یکسو کر دے اور توجہات کو اس کام پر ایسا مرکوز کر دے کہ اگر ذاتی یا خانگی یا دوسرے غیر متعلق معاملات کبھی آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ ان کی طرف کھچیں۔ کوشش کیجیے کہ اپنی ذات کے لیے آپ قوت اور وقت کا کم سے کم حصہ صرف کریں اور آپ کی زیادہ سے زیادہ جدوجہد اپنے مقصدِ حیات کے لیے ہو۔ جب تک یہ دل کی لگن نہ ہو گی اور آپ ہمہ تن اپنے آپ کو اس کام میں جھونک نہ دیں گے، محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہ بنے گا۔ بیشتر لوگ دماغی طور پر ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو دل کی لگن کے ساتھ تن من دھن سے اس کام میں شریک ہوں۔ میرے ایک قریبی رفیق نے جن سے میرے ذاتی اور جماعتی تعلقات بہت گہرے ہیں حال ہی میں دو برس کی رفاقت کے بعد مجھ سے یہ اعتراف کیا کہ اب تک میں محض دماغی اطمینان کی بنا پر شریکِ جماعت تھا مگر

اب یہ چیز دل میں اُتر گئی ہے اور اس نے نہاں خانۂ رُوح پر قبضہ جما لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہر شخص اسی طرح اپنے اوپر خود تنقید کر کے دیکھے کہ کیا ابھی تک وہ اس جماعت کا محض ایک دماغی رکن ہے یا اس کے دل میں مقصد کے عشق کی آگ مشتعل ہو چکی ہے۔ پھر اگر دل کی لگن اپنے اندر نہ محسوس ہو تو اسے پیدا کرنے کی فکر کی جائے۔ جہاں دل کی لگن ہوتی ہے وہاں کسی ٹھیلنے اور اُکسانے والے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس قوت کے ہوتے ہوئے یہ صورتِ حال کبھی پیدا نہیں ہو سکتی کہ اگر کہیں جماعت کا ایک رکن پیچھے ہٹ گیا یا نقلِ مقام پر مجبور ہو گیا تو وہاں کا سارا کام ہی چوپٹ ہو گیا بخلاف اس کے پھر تو ہر شخص اُس طرح کام کرے گا جس طرح وہ اپنے کو بیمار پا کر کیا کرتا ہے۔

خدانخواستہ اگر آپ کا بچہ بیمار ہو تو آپ اسکی زندگی و موت کے سوال کو بالکلیہ کسی دوسرے پر ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ ممکن نہیں کہ آپ یہ عذر کر کے اُسے اُس کے حال پر چھوڑ بیٹھیں کہ کوئی تیماردار نہیں، کوئی دوا لانے والا نہیں، کوئی ڈاکٹر کے پاس جانیوالا نہیں۔ اگر کوئی نہ ہو تو آپ خود سب کچھ بنیں گے کیونکہ بچہ کسی دوسرے کا نہیں آپ کا اپنا ہے۔ سوتیلا باپ تو بچے کو مرنے کے لیے چھوڑ بھی سکتا ہے مگر حقیقی باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کو کیسے چھوڑ دے گا۔ اس کے تو دل میں آگ لگی ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کام سے بھی اگر آپ کا قلبی تعلق ہو تو اس کو آپ دوسروں پر نہیں چھوڑ سکتے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے کی نااہلی، یا غلط روی یا بے توجہی کو بہانہ بنا کر آپ اسے مرجانے دیں اور اپنے دوسرے مشاغل میں جا کر منہمک ہو جائیں۔ یہ سب باتیں اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ خدا کے دین اور اس کی اقامت و سربلندی کے مقصد سے آپ

کا رشتہ محض ایک سوتیلا رشتہ ہے۔ حقیقی رشتہ ہو تو آپ میں سے ہر شخص اس راہ میں اپنی جان لڑا کر کام کرے۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر آپ اس راہ میں کم از کم اتنے قلبی لگاؤ کے بغیر قدم بڑھائیں گے جتنا آپ اپنے بیوی بچوں سے رکھتے ہیں تو انجام پسپائی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور یہ ایسی بُری پسپائی ہوگی کہ مدتوں تک ہماری نسلیں اس تحریک کا نام لینے کی جرأت بھی نہ کر سکیں گی۔ بڑے بڑے اقدامات کا نام لینے سے پہلے اپنی قوتِ قلب کا اور اپنی اخلاقی طاقت کا جائزہ لیجئے اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کے لیے جس دل گردے کی ضرورت ہے وہ اپنے اندر پیدا کیجئے۔

(۴) چوتھی ضروری صفت اس راہ میں یہ ہے کہ ہمیں مسلسل اور پیہم سعی اور منضبط (Systematic) طریقہ سے کام کرنے کی عادت ہو۔ ایک مدت دراز سے ہماری قوم اس طریق کار کی عادی رہی ہے کہ جو کام ہو کم سے کم وقت میں ہو جائے۔ جو قدم اٹھایا جائے ہنگامہ آرائی اس میں ضرور ہو۔ چاہے مہینہ دو مہینہ میں سب کیا کرایا غارت ہو کے رہ جائے۔ اس عادت کو ہمیں بدلنا ہے۔ اس کی جگہ بتدریج اور بے ہنگام کام کرنے کی مشق ہونی چاہیئے۔ چھوٹے سے چھوٹا کام بھی، جو بجائے خود ضروری ہو، اگر آپ کے سپرد کر دیا جائے تو بغیر کسی نمایاں اور معجل نتیجہ کے اور بغیر کسی داد کے آپ اپنی پوری عمر صبر کے ساتھ اسی کام میں کھپا دیں۔ مجاہدہ فی سبیل اللہ میں ہر وقت میدان گرم ہی نہیں رہا کرتا ہے اور نہ ہر شخص اگلی ہی صفوں میں لڑ سکتا ہے۔ ایک وقت کی میدان آرائی کے لیے بسا اوقات پچیس پچیس سال تک لگاتار خاموش تیاری کرنی پڑتی ہے اور اگلی صفوں میں اگر ہزاروں آدمی لڑتے ہیں تو ان کے پیچھے لاکھوں آدمی جنگی ضروریات کے اُن چھوٹے چھوٹے

کاموں میں لگے رہتے ہیں جو ظاہر بین نظر میں بہت حقیر ہوتے ہیں۔

پیش نظر کام

تقریر کو ختم کرنے سے پہلے مختصراً میں اس امر کی تشریح کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اب ہمارے سامنے پروگرام کیا ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ جس پروگرام پر میں تحریک کو چلا رہا ہوں اسے سمجھا نہیں گیا۔ سب سے پہلا کام جس کے لیے یہ اجتماعات منعقد کیے جا رہے ہیں یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص سے مجھے شخصاً واقفیت ہو جائے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے ساتھ کن کن اوصاف کے لوگ چل رہے ہیں، ان میں کیا کیا صلاحیتیں اور قوتیں ہیں اور ان سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ آپ حضرات نہایت وضاحت سے مجھے بتائیے کہ کس موقع پر آپ کیا کیا خدمات سرانجام دے سکتے ہیں۔ جس قدر جلدی میں یہ معلومات حاصل کر لوں گا اسی قدر جلدی کام کا نقشہ تیار کر سکوں گا۔ قوّت کے اندازہ کے بغیر کوئی کام کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ اس غرض کے لیے آپ حضرات بار بار مرکز میں آتے رہیں، خط و کتابت سے مجھے معلومات فراہم کرتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہوگا میں خود بھی اجتماعات میں شرکت کر کے آپ سے انفرادی رابطہ کو ترقی دیتا رہوں گا۔ اس کے بعد ایک مکمل نقشۂ کار مرتب کر کے تدریجاً آگے بڑھنے کی فکر کروں گا۔

دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہمیں تربیت اشخاص کے لیے ایک ایسی مشینری بنانی ہے جس کے ذریعہ سے ہم ضرورت کے آدمی تیار کریں اور اپنے کارکنوں میں ضروری اوصاف پیدا کریں۔ کل جو تجاویز پیش ہونے والی ہیں ان سے آپ کو معلوم

ہو جائے گا کہ اس سلسلہ میں ہم بہت جلد ہی اقدام کرنے والے ہیں۔

تیسرا کام جس پر بہت دنوں سے بالمشافہ بھی اور خط وکتابت کے ذریعہ بھی مجھے بار بار توجہ دلائی جا رہی ہے اور جس کی شدید اہمیت کو میں خود بھی محسوس کر رہا ہوں یہ ہے کہ نئی نسلوں کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تحریک کی خدمت کے لیے تیار کیا جائے۔ اب تک سرمایہ اور مناسب کارکنوں کی کمی اور جنگ کی پیدا کردہ معاشی مشکلات اس راہ کی رکاوٹ بنی رہی ہیں۔ لیکن شاید اس سلسلہ میں اب بہت زیادہ تعویق نہ ہوگی اور عنقریب آپ سنیں گے کہ مرکز میں اس کام کی بنا ڈال دی گئی ہے۔ چنانچہ میں یہ خوشخبری بھی سنا دوں کہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اسی غرض کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں اور عجب نہیں کہ مستقلاً یہیں رہ جائیں۔

چوتھی چیز جس کے لیے ہمیں سر جوڑ کر سوچنا ہے، یہ ہے کہ عورتوں کو اپنے ساتھ لے چلنے کے لیے کیا صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اب تک ہمارا ایک ہی ہاتھ کام کرتا رہا ہے اور گاڑی کا ایک ہی پہیہ متحرک ہوا ہے۔ اب ہمیں اپنے دوسرے ہاتھ اور اپنی گاڑی کے دوسرے پہیے کی فکر کرنی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارا اور ہماری عورتوں کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے اور وہ ہم سے اور ہم ان سے ہر لحظہ متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اگر ہم ان کی اصلاح کی فکر نہ کریں گے تو خود ہماری اصلاح بھی نامکمل رہے گی۔ ہم گھروں کو مسلمان بنائے بغیر دنیا کو مسلمان نہیں بنا سکیں گے۔ اس معاملہ میں ساری دقت یہ ہے کہ عورتوں سے ہم وسیع پیمانے پر براہ راست ربط نہیں پیدا کر سکتے۔ اس کے لیے خود عورتوں

ہی سے مدد لینی پڑے گی۔ جو قومیں کوئی شرعی ضابطہ نہیں رکھتیں ان کا معاملہ آسان ہے۔ وہ اپنی سیاسی و تمدنی تحریکات کے لیے اپنی عورتوں کو بازاروں، کارخانوں، چٹانوں اور مدرسوں میں بے تکلفی سے لاسکتی ہیں مگر ہمارے لیے یہ ایک نازک مسئلہ ہے اور اسے حل کرنے کے لیے مغز زنی کی ضرورت ہے۔

پانچواں کام یہ سامنے ہے کہ رائے عام کو جذب کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر منظم کوشش کی جائے۔ اب تک ہم نے رائے عام کو براوراست مخاطب نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ہم اس سمندر کے محض ایک ذرا سے گوشہ میں کچھ ہلچل پیدا کر سکے ہیں۔ اب ہمیں آہستہ آہستہ اصل سمندر کی طرف بڑھنا ہے۔ ضروری نہیں کہ عوام پورے کے پورے ہمارے رکن بن جائیں۔ ہمارے مدعا کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ باشندگان ملک کی ایک کثیر تعداد حق کو حق مان لے، ہمارے مقصد کی صحت کی معترف ہو جائے اور ہمارا اخلاقی اثر اس پر قائم ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر ہم جو قدم اٹھائیں گے اس میں عوام کی ہمدردیاں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ اب تک ہم نے اپنے لٹریچر میں مسائل زندگی کے بہت تھوڑے حصہ سے تعرض کیا ہے اور وہ بھی زیادہ تر مجمل اشارات کی صورت میں ہے حالانکہ اس دور میں زندگی کے ہر پہلو پر ہمیں اپنے نقطۂ نظر سے تفصیلی روشنی ڈالنی چاہیئے۔ علوم کی تدوین جدید کرنی چاہیئے اور یہ کام ایک دو زبانوں میں نہیں متعدد زبانوں میں کرنا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہمارے مدعا کو سمجھیں۔ چنانچہ اب ہمیں اس میدان میں بھی اپنی مساعی کے دائرے کو وسیع کرنا ہے۔ پھر ابھی تک ہم نے نشر و اشاعت کے لیے صرف تحریر کے ذریعہ پر انحصار کیا ہے۔ تقریر سے ہم نے

ابھی کوئی کام نہیں لیا ہے۔ اب ہمیں اس میدان کی طرف بھی بڑھنا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم تقریر کا نیا ڈھنگ اختیار کریں، نمائشی اور ہنگامی اسٹیج سے دُور رہیں اور ذمّہ دارانہ گفتگو کی عادت ڈالیں تاکہ جو آواز بھی ہماری طرف سے بلند ہو وہ آپنی باوقعت، وزن دار اور ممتاز ہو کہ لوگ اس کو اُن بہت سے شوروں میں سے ایک شور نہ سمجھیں جو ہنگامہ پرور اور بے لگام مقررین کے سازوں سے نکل رہے ہیں۔ مَیں نے اب تک اپنے رفقاء کو تقریر سے اسی لیے روک رکھا ہے کہ پُرانی عادات کا اثر ابھی تک باقی ہے، ڈرتا ہوں کہ کہیں اسی پُرانے انداز کی تقریریں ہم بھی نہ کرنے لگیں جو نظامِ اسلامی کا نام لینے والوں کے منہ کو زیب نہیں دیتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ نشر افکار کے تمام ذرائع کو استعمال کریں مگر پہلی شرط یہ ہے کہ انہیں اخلاق اسلامی کا پابند بنائیں اور ان غیر صالح عناصر سے انہیں پاک کریں جو شتر بے مہار قسم کے لوگوں نے ان میں ملا دیئے ہیں۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا تھا۔ آپ ان پر غور کریں اور مفید مشوروں سے میری مدد کریں۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عہد کی ذمّہ داریاں سمجھنے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری نیتوں میں خلوص اور ہمارے ایمان کو طاقت بخشے۔ ہماری مساعی میں برکت دے۔ ہمارے تھوڑے ہی عمل کو قبول کرلے اور زیادہ عمل کی ہمت دے اور اپنے اُن بندوں سے ہماری تائید کرے جو ہم سے بہتر صفات رکھتے ہوں اور ہم سے زیادہ بہتر طریقہ سے دین کی خدمت کرسکتے ہوں۔

دُوسری نشست

(۲۷ مارچ ۹ بجے صبح تا ۱۲ بجے دوپہر)

پروگرام کے مطابق دوسری نشست جماعتوں کی مقامی کارگزاری کی رپورٹیں سنانے کے لیے مخصوص تھی۔ چنانچہ مختلف جماعتوں کے نمائندوں نے تفصیلاً اپنے کام اور اپنی مشکلات کی رپورٹوں کو حاضرین کے سامنے پیش کیا۔ ان رپورٹوں کی غرض یہ تھی کہ مختلف ارکان کو یہ معلوم ہو جاتے کہ کہاں کہاں کس نوعیت کا کام کس طرز پر ہو رہا ہے اور اس کے مقابلہ میں کہاں کے لوگ کتنے پیچھے ہیں، کیا کیا مشکلات مختلف اصحاب کو پیش آ رہی ہیں اور انہیں کس کس طرح حل کیا جا رہا ہے۔ رپورٹوں کے اس مدعا کو امیر جماعت نے مختصر سی تقریر میں اچھی طرح سے واضح کر دیا تھا۔

اس کے بعد امیر جماعت کے ایما سے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے ان پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت سی مفید ہدایات اور مشورے دیئے۔ ان کی تقریر کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

رپورٹوں پر تبصرہ

(جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی)

حاضرین! میں آپ کی رپورٹیں سُننے میں ایسا منہمک رہا کہ مجھے ان رپورٹوں کے مختلف پہلوؤں پر اتنا غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا جتنا کہ ان پر تبصرہ کرنے کے لیے ضروری ہے۔ تاہم کچھ باتیں مجھے کھٹکتی رہی ہیں اور ان کے متعلق امیر جماعت کے حکم سے کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک آپ کی کارگزاریوں اور بیان کردہ حالات و واقعات کا تعلق ہے ان پر تبصرہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے مگر جہاں تک دوسری جماعتوں سے تعلق و تصادم کا معاملہ ہے اس میں اصلاح کی بڑی گنجائش ہے اور میں اس پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔

تبلیغ حق کی مشکلات کا علاج

آپ حضرات نے جن مشکلات کو پیش کیا ہے ان کا سامنا تو اس راہ میں ناگزیر ہے۔ مگر ہم کو ان کا صحیح علاج سوچنے سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ صحیح طرز پر حق کا کام کرنے والوں کو مزاحمتوں سے بہرحال دوچار ہونا ہی ہے مگر اس مرحلہ پہ یہ طرز عمل تو قطعاً غلط ہے کہ دوسروں سے خواہ مخواہ تصادم پیدا کیا جائے۔ میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں اگر چند ضروری امور کا اہتمام کیا جائے تو ہماری راہ کے کانٹے بڑی حد تک دُور ہو سکتے ہیں۔

(۱) اس سلسلہ میں پہلی چیز جس پر میں نے آج بھی اور پہلے بھی بہت غور و خوض

کیا ہے اور جو بہت ہی مشکل معلوم ہوتی ہے، نہایت درجہ سنجیدہ توجہ چاہتی ہے۔
میری مراد حق کو جماعت سے باہر کے لوگوں تک پہنچانے کا مسئلہ ہے۔ دوسری جماعتوں
سے ہمیں اس کے سوا کچھ مطلوب نہیں ہے کہ وہ حق کو صاف صاف پہچان جائیں۔ یاد
رکھیے کہ یہ کام محض قول سے پورا نہ ہو سکے گا۔ اس کے لیے ہمیں اپنے انفرادی اعمال
اور اجتماعی کردار کو وسیلہ بنانا پڑے گا۔ بجائے اس کے کہ زوردار تقریروں کا سیلاب
بہایا جائے اور لٹریچر کی اشاعت پریس کے ذریعے سے کی جائے۔ ہونا یہ چاہیے
کہ اپنے عمل سے ہم یہ ثابت کر دیں کہ ہم اپنے مقصد میں مخلص ہیں اور مسلمانوں کے لیے
بالخصوص اور عالم انسانیت کے لیے بالعموم ایک حقیقی فائدے کا کام کرنا چاہتے ہیں۔
ہمیں کسی سے دشمنی نہیں بلکہ دنیا کی پوری آبادی سے حقیقی ہمدردی ہے۔

آزمائش کے مختلف مواقع پر، اگر ہم عمل سے یہ ثبوت بہم پہنچا دیں کہ ہماری
زندگی کسی خاص گروہ یا جماعت یا کسی قوم کے فائدے کے لیے نہیں بلکہ حق کے
نصب العین کے لیے ہے تو ذہنوں کو فتح کر لینے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ حقیقت
یہ ہے کہ ابھی تک ہمارے ساتھ بے شمار عصبیتیں چمٹی ہوتی ہیں اور ان کا ایک اچھا
خاصا موٹا خول خود ہمارے گرد لپٹا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ خود اپنی دعوت کی
راہ کی پہلی اور سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ خول ہمیں جتنا بھی جلدی ممکن ہو اُتار دینا
چاہیے اور حق کو بالکل بے نقاب کر کے لوگوں کے سامنے لانا چاہیے تاکہ لوگ صاف
صاف پہچان لیں کہ صداقت وحقیقت کیا ہے۔ اگر ہم اپنے بیوی بچوں، اپنے احباب،
اپنی جماعت اور اپنی قوم کو غلط عصبیت کی آلودگیوں سے اپنا دامن پاک کر لیں، تو
اگرچہ دنیا کی زبانِ طعن کبھی بند نہیں ہو سکتی مگر ہمارے خلاف حجت و دلیل کی زبان

بند ہو جائے گی۔ صرف یہی طریقہ ہے دنیا کو انکارِ حقیقت سے روک دینے کا۔ عصبیت کی بُو بھی اگر باقی رہے گی اور حق کے سوا اپنی ذات یا کسی قوم کے تفوق کی کوئی خواہش بھی ہمارے اندر موجود رہے گی تو ہم خود اپنے لیے حجاب بنے رہیں گے اور اپنی دعوت کے راستے میں چٹان بن کر حائل رہیں گے۔ گھروں میں، بازاروں میں، جلسوں میں، خانقاہوں اور مسجدوں میں ہر پہلو سے اپنے آپ کو ادنیٰ اغراض سے بلند تر دکھانا ناگزیر ہے۔

اس گزارش کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے آپ حضرات اسوۂ انبیاءؑ کا مطالعہ کیجیے۔ اللہ کی جانب سے جتنے داعی اللہ کے کلمے کو اونچا کرنے کے لیے آتے ان میں سے ہر ایک نے رشتۂ حق کے سوا ہر رشتے کو توڑ دیا، حمیت جاہلیت کے سارے بندھن کاٹ ڈالے، تعصبات کی موٹی موٹی زنجیروں سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی دعوت بغیر کسی فرق و امتیاز کے ہر حق آشنا دل کو اپیل کرتی اور جو لوگ ان کی دعوت پر لبیک کہتے ان کے سینوں میں گروہوں اور جماعتوں کی برتری کے بجائے انسانیت کی خدمت کا جذبہ مشتعل ہو جاتا۔ اگر انہی داعیانِ ہدایت کے اسوہ کا اتباع کیا جائے تو ہماری تبلیغی مشکلات فی الفور حل ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اگرچہ جماعت کے لٹریچر میں ضروری امور بیان کر دیئے گئے ہیں، مگر کام کا کوئی مفصل پروگرام ابھی ہم نہیں بتا سکتے ہیں۔ میں یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں عرض کر سکتا کہ اپنی پرائیویٹ اور پبلک زندگی میں یہ ثابت کر دینے کی فکر کیجیے کہ آپ کی ساری مساعی صرف اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ہیں۔ حنفیت اور وہابیت کے جھگڑوں اور گروہوں اور جماعتوں کی بدگمانیوں کو ختم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ ہمیں کوئی نئی جماعت نہیں بنانی ہے

ہمارا مقصد صرف حق کو واضح کر دینا ہے۔

(۲) ایک اور چیز جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ تعلی اور گھمنڈ جو ایک حقیقت کو پا لینے یا ایک علم کو حاصل کر لینے سے آدمی میں پیدا ہو جاتا ہے ایک داعی حق کے لیے سب سے بڑا حجاب ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں دوسروں سے کچھ اوپر ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی دعوت کی راہ میں خود روک بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ اس کبر کو ذرا زیادہ صفائی سے چھپا لیتے ہیں مگر دل میں یہ فتنہ موجود ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی گفتگوؤں اور تحریروں میں ایک بناوٹ سی آجاتی ہے اور بناوٹ دعوتِ حق کے ساتھ کوئی خفیف سا ربط بھی نہیں رکھتی۔ تعلی اور تکبر کے مظاہرہ سے لوگ بدک جاتے ہیں اور اپنے کان بند کر لیتے ہیں۔ اس بیماری کا علاج یہ ہے کہ آپ اس انکشافِ حق کو جو آپ پر ہوا ہے اللہ کے فضل کا نتیجہ سمجھیں اور اس پر شکر گزار ہوں۔ یہ احساس آپ میں کبر کی جگہ تواضع کا جذبہ پیدا کرے گا اور بندگانِ خدا کے ساتھ آپ کے تعلق کو مضبوط کر دے گا۔ جہاں خدا کی عنایات کا احساس آدمی میں پیدا ہو جاتا ہے، وہاں خود بخود تکبر کی جگہ تواضع، غضب کی جگہ ہمدردی اور بغض کی جگہ محبت کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں۔ داعی حق کو عوام سے ویسی ہی گہری اور قلبی محبت ہونی چاہیئے جیسی ایک بچے کے لیے ماں اور باپ میں پائی جاتی ہے۔ اسے لوگوں کی غلطیوں سے مزا لینے کے بجائے کوفت ہوتی ہے، احتساب کی جگہ اس میں دردمندی پیدا ہوتی ہے۔ غرور و تکبر کی جگہ اس میں ایک ہمدردانہ اضطراب رونما ہوتا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تو اس کے لب و لہجہ میں بھی وہ سوز پیدا ہو جاتا ہے جس سے پتھر کی

طرح سخت دل بھی موم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں۔

(۳) میں نے رپورٹوں کو سُن کر یہ محسوس کیا ہے کہ ہمارے رفقاء مخالف جماعتوں پر انہیں الفاظ میں چوٹیں کرتے ہیں جو مدتوں سے ہماری زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں ہم اپنے مخالفین کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی طرح لذت لیتے ہیں جس طرح دوسری جماعتیں اپنے حریفوں کی تحقیر سے لذت لیتی ہیں۔ بکثرت ایسے لوگ بھی ہم میں موجود ہیں جو جلوت میں چاہے محتاط ہوں مگر خلوت میں وہ بھی ایک حد تک دوسروں پر طعن و طنز سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس قسم کی ریاکاری سے وہ روح کبھی نشوونما نہیں پا سکتی جس کا نام خلوص ہے اور خلوص کے بغیر دعوتِ حق کو دوسروں کے دل و دماغ میں اتارنا ناممکن ہے۔

اصل میں جب ہم سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے جانا ہے وہ دوسروں کو نہیں معلوم ہے، اور پھر یہ خیال کرتے ہیں کہ آخر اتنی بدیہی بات دوسرے کیوں نہیں سمجھتے، تو ہمارے اندر کچھ قائدانہ اور کچھ معلمانہ شان پیدا ہو جاتی ہے اور ہم دوسروں کو اسی طرح ملامت اور سزا کا مستحق خیال کرنے لگتے ہیں، جس طرح ایک معلم اپنے شاگرد کو اس کی ہر غلطی پر گوشمالی کا مستحق سمجھتا ہے لیکن تعلیم پر غور کرنے والے اصحاب سے پوشیدہ نہ ہوگا کہ یہ طریقۂ تعلیم سرے سے غلط ہے۔ اگر تعلیم کو دلوں میں اتارنا مقصود ہے تو غضب، طنز و تعریض، درشت زبانی اور تلخ گفتاری کے ہتھیار کھول ڈالیے۔ آپ کسی سے لڑنے نہیں جا رہے ہیں، تعلیم و تبلیغ کی مہم درپیش ہے اور اس مہم کے لیے دلسوزی، ہمدردی اور احساسِ اخوت کے اسلحہ ہی مفید ہو سکتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ آپ پر سب سے زیادہ سخت

دن کون سا گزرا ہے۔ ارشاد ہوا طائف کا دن! اس روز دنیا کا سب سے بڑا انسان پتھروں کی باڑھ کا نشانہ بنا ہوا ایک باغ کی ٹٹی کی پناہ لیتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ان ظالموں کے حق میں بددعا کیجیے تو وہ بددعا کرنے کے بجائے اہلِ طائف کے لیے ہدایت کی دعا کرتا ہے۔ یہ سپرٹ پیدا کیے بغیر اور کام تو شاید ہو سکتے ہیں لیکن حق کا کام نہیں ہو سکتا۔ لوگ اگر حق کے مزے سے واقف نہیں، صداقت کی خوشبو سے محروم ہیں تو وہ غضب کے نہیں ہمدردی کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ ہم بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ بہت سے لوگ حق کو پہچاننے کی سعادت سے محروم ہیں مگر اس پر یہ کیسے جائز ہو گیا کہ ان سے بے رخی اور غرور کا برتاؤ کیا جائے۔ ہماری کوشش دورانِ تبلیغ میں یہ ہونی چاہیے کہ یہ لوگ محسوس نہ کریں کہ انہیں گھسیٹ کر یا ہانک کر کسی طرف لایا جا رہا ہے بلکہ یہ سمجھیں کہ وہ خود بخود ایک حقیقت تک پہنچے ہیں۔ اصولی مسلمات پر تمام مسلمان جماعتیں متفق ہیں۔ اور اگر نرمی، حلم اور برادرانہ محبت سے کام لیا جائے تو آسانی سے ان تمام جماعتوں میں ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یاد رہے یہ کام مناظرہ بازی اور دماغی فتح کی خواہش کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ یہی خواہش تو انسان کو تشدد اور تعصب پر آمادہ کرتی ہے۔

آپ حضرات اپنی تقریروں اور گفتگوؤں میں جُوں ہی اس خواہش کا اثر محسوس کریں وہیں اپنے نفس کی باگ کھینچ لیں اور اگر مخاطب کی طرف سے اس کا مظاہرہ ہو تو "قالوا سلاما" کا طریقہ اختیار کریں۔ تبادلۂ خیالات کے دوران میں ہار جیت کا کبھی سوال ہی نہیں پیدا ہونا چاہیے۔ داعی کا مقام ایسی چیزوں سے

بہت اُونچا ہے۔ اسے تو صرف کلمۂ حق کے چند بیج ذہنوں میں ڈالتے ہیں اور پھر دماغی کھیتوں کی رکھوالی کرنی ہے۔ کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ آنے دیجئے کہ ہماری بات رہ جاتے یہی خیال اصطلاحی مناظرہ کی رُوح ہے۔ اسی کی مشق ہم سالہا سال سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اب پوری قوت کے ساتھ اس عادت کی جڑیں اکھاڑنی ہیں۔ اب ہمیں مناظروں میں جیتنے کے بجائے ہارنے اور بار بار ہارنے کی مشق بہم پہنچانی ہے۔ جہاں گفتگو سے خلوص کی رُوح رخصت ہونے لگے وہیں زبان پر قفل چڑھا دیجئے اور کچھ پروا نہ کیجئے کہ اس پر تالی پٹ جائے گی۔ زبان کی ہر لغزش پر بے تکلفی سے مخاطب سے معافی طلب کیجئے اور اس سے بے نیاز ہو جایئے کہ آپ پر آوازے کسے جائیں گے۔ ان شکستوں کو اگر سہنے کی ہمت ہو تو آگے آیئے اور کام کیجئے ورنہ اگر مناظرانہ ہتھکنڈوں سے کسی کو آپ کھینچ کر لاتے بھی تو وہ جس راستہ سے آیا ہے اسی راستہ سے ایک دن واپس بھی ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کے کام کی خصوصیات

اگر اس معاملہ میں آپ انبیاء علیہم السّلام کے طریق کار پر غور و خوض کریں تو معلوم ہوگا کہ اس کی چند خصوصیات ہیں۔ ان خصوصیات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دنیا کی موجودہ جماعتوں میں سے ہماری جماعت نبیوں کے طریقِ کار کی پیروی کا عزم لے کر اُٹھی ہے۔ پس ہمیں براہِ راست وہیں سے روشنی حاصل کرنی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جب کبھی کوئی نبی آیا تو اس نے اپنی قوم کو یوں مخاطب نہیں کیا کہ "اے کافرو! ایمان لاؤ" یا "اے گمراہو! سیدھی راہ پر آ جاؤ" بلکہ محبت آمیز انداز میں "یا قوم" ۔ "یا ایھا الناس" اور "یا اھل

الکتٰب" کے الفاظ سے انہیں مخاطب کیا۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ ہوتے انہوں نے جب ایمانی کمزوریاں دکھائیں اور انہیں تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہیں بھی یوں نہیں مخاطب کیا کہ اے منافقو! یا اے بدعہدو! اپنی روش کو بدلو، بلکہ انہیں یاایھا الذین آمنوا کہہ کر پکارا۔ پھر جو لوگ ان داعیانِ حق کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوئے تو انہوں نے بھی اپنے طرزِ خطاب کو حلم، محبت اور نرمی کی حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔

پھر آگے چل کر ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ایک صالح و مصلح جماعت اپنے قول و عمل سے حق کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے اور حق کا چہرہ گرد و غبار سے صاف ہو کر لوگوں کو نظر آنے لگتا ہے۔ اس موقع پر حق کو کھلا دیکھنے کے باوجود جو لوگ مکابرت، ضد یا تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دلائل کا ترکش خالی ہو جانے کے بعد بھی انکار کی روش جاری رہتی ہے تو پھر نبی کا طرزِ خطاب بدل جاتا ہے۔ پھر وہ سرکشوں کو صاف الفاظ میں "یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" کہہ کر پکارتا ہے اور اپنی قوم سے الگ ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے مدتِ مدید تک وہ ملاطفت سے ہی دعوت دیتا رہتا ہے۔ نبی کریمؐ نے اپنی قوم کے ساتھ یہ روش اس وقت اختیار کی جب دعوت واضح ہو چکی تھی اور قوم کی اندھی مخالفت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ انہوں نے خود اپنے کفر کا اعلان کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ معترضین اس پر یہ کہا کرتے ہیں کہ درحقیقت جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کمزور تھی، تب حلم و عفو تھا مگر جب طاقت آنے لگی تو درشتی پیدا ہونے لگی، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی انسانوں کی کمزوریوں کا صحیح صحیح اندازہ کرتا ہے اور انہیں کمزوریوں

کے پیش نظر وہ ان سے شفقت کا سلوک روا رکھتا ہے۔ اس کی یہ شفقت اتنی فیاضانہ ہوتی ہے کہ شریر لوگ اس کی وجہ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نبی یہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر کسی کو پیچھے نہیں پھینکتا وہ صرف عمومی انداز میں جماعت اور جماعت سے باہر کے لوگوں پر تنقید کرتا ہے۔

مَا بَالُ قَوْمٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا۔ (لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، اور خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے)

ان تنبیہات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ عدم تفقہ دین کی وجہ سے غلطیاں کرتے ہیں وہ سنبھل جاتے ہیں۔ آخر میں جا کر صرف وہ لوگ رہ جاتے ہیں جو سو فیصد ہٹ دھرم ہونے کی وجہ سے جماعت کے نظم کو درہم برہم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ جب ان کی طرف سے اصلاح کی ہر توقع ختم ہو جاتی ہے تو پھر نبی اپنی محنتوں کے قیمتی ثمرے یعنی اپنی جماعتِ صالحہ کو خطرے سے بچانے کے لیے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ[1]۔ کے طریقہ پر مامور کیا جاتا ہے۔

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں یہ دورِ فتن ہے۔ اس کو اپنی جن علمی روشنیوں پر ناز ہے وہ صرف دنیا کو تاریک کرنے میں معین ہو سکی ہیں۔ بلکہ انصاف یہ ہے کہ باطل کو حق اور حق کو باطل بنا کر دکھانے کی سعی کے لحاظ سے تاریخ کا کوئی دور اس دور کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پھر جب کہ حق واضح اور آشکارا نہیں ہے تو دوسروں پر سخت گیری کرنے کی گنجائش کہاں ہے؟ یہ وقت "واغلظ علیھم" پر عمل کرنے

---

[1] ترجمہ: اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ (التوبہ ۷۳)

کا نہیں ہے۔ ابھی تو ایک ملبا دورِ محبت و شفقت ہمیں طے کرنا ہے اور اس دور میں کسی کو پیچھے نہیں پھینکنا ہے۔ البتہ خدا اگر ہماری محدود مساعی کو قبول فرما کر ہمیں احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے کوئی نظم قائم کرنے کی توفیق دے دے اور قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[1] کی صبح سعادت طلوع ہو جائے تو پھر یہ روشنی کھوٹے کھرے، اعمیٰ اور بصیر، مومن اور منافق کو ایک دوسرے سے خود ممیز کر دے گی۔

پچھلے عرصہ میں ہمارے رفقاء نے جہاں کہیں انبیاء کے طریق دعوت کو چھوڑ کر جلد بازی سے کام لیا ہے وہاں یہ غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ ہم خدانخواستہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہ غلط فہمی نظر انداز کر دینے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہماری دعوت کی طرف سے کان بند کر لیں گے۔ ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا بڑا طبقہ صحیح شعورِ دینی سے محروم ہو چکا ہے اور موجودہ نظامِ طاغوت نے ان کی اس جہالت کے بڑھانے میں پورا حصّہ لیا ہے۔ اور یگانوں اور بیگانوں نے مل کر ان کو ایسے انجکشن دیئے ہیں کہ ان کی قوتِ ماؤف ہو گئی ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ اُن کی قوتِ شامہ کو بیدار کریں۔ جب ان کی قوتِ شامہ بیدار ہو جائے گی تو وہ خود اپنی موجودہ حالت سے بیزاری محسوس کرنے لگیں گے اور کفر و شرک اور نفاق کی ساری غلاظتوں سے انہیں از خود نفرت ہو جائے گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو باتیں کفر و شرک ہیں ہم ان کو کفر و شرک ہونا واضح کر دیں بس اس قدر کافی ہے۔ کسی مسلمان کی روح شرک کو

---

[1] صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ (البقرہ ۲۵۶)

محسوس کر لینے کے بعد اس سے دوستی نہیں رکھ سکتی۔ جس شخص میں صفائی اور طہارت کا مذاق پیدا ہو جاتا ہے وہ خود اپنے دامن کی نجاستوں کو دھونے لگتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم نے مسلمانوں میں صحیح شعورِ دینی بیدار کر دیا تو وہ از خود ساری آلودگیوں سے پاک ہونے کی کوشش کریں گے۔

اس دینی شعور کو عام کرنے کی جدوجہد میں یہ لازم ہے کہ ہماری توجہ دین کے اصول پر مرکوز رہے۔ جزئی مسائل میں نہ اُلجھے۔ دین کی اساس توحید، رسالت اور معاد کے صحیح تصورات و معتقدات پر قائم ہے۔ یہ تصورات اگر ذہنوں میں اپنی ضروری تفصیلات کے ساتھ واضح ہو جائیں تو دین کا صحیح شعور پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کی وجہ سے جزئی امور میں خود بخود اصلاح ہوتی چلی جائے گی اور ہمیں ان کے لیے کوئی خاص جدوجہد نہیں کرنی پڑے گی۔ جب کسی شخص میں مذاق سلیم پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اس کی جائے قیام، لباس اور بدن کی ایک ایک گندگی پر توجہ دلانے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس کی زندگی کے ہر گوشہ میں خود ہی نفاست اور ستھرائی نمودار ہونے لگتی ہے۔

اب میں آپ کے اس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو آپ نے کیا ہے کہ جزئیات سے میری مراد آمین بالجہر وغیرہ کی قسم کے مسائل ہیں؟ نہیں یہاں جزئیات سے میری مراد آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ کی قسم کے مسائل نہیں ہیں۔ ان مسائل اجتہادیہ میں تو ہمیشہ ہمیں رواداری ہی کا مسلک اختیار کرنا پڑے گا۔ اس لیے کہ ان کے دونوں پہلوؤں کے لیے دین میں گنجائش ہے میں یہاں ان جزئیات امور سے غض بصر کا مشورہ دے رہا ہوں جن کے لیے دین میں گنجائش

نہیں ہے لیکن خدمتِ دین کی مصلحت مقتضی ہے کہ اپنی دعوت کے اس مرحلہ میں ان سے بھی چشم پوشی کریں۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم شاخوں کے تراشنے میں اپنا سارا وقت برباد کر دیں گے اور فتنوں کی جڑوں کی طرف توجہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی، ہمارا کام صحیح طور پر جب ہی ہو سکتا ہے کہ توحید اور رسالت اور معاد کے پورے پورے متعلقات اچھی طرح عوام کو سمجھا دیئے جائیں۔ یہ ملبا راستہ طے کر لینے کے بعد لوگ جزئی امور میں راہ حق کو پا سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ خود محسوس کرنے لگیں کہ فلاں کام جو ہم کرتے ہیں وہ ہمارے عقیدۂ توحید کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ فلاں رسم جو رائج ہے، ہمارے تصوّرِ رسالت کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی اور فلاں عادت جو فروغ پائے ہوتے ہے، ہمارے تصورِ معاد کے مطابق نہیں ہے۔ بہرحال ان جزئی امور میں کسی گروہ کو سخت سست کہنا یا کسی سے مقاطعہ کرنا ہمارے کام کے لیے قطعاً مضر ہے۔ حتیٰ الوسع ان معاملات میں چشم پوشی کیجیے۔ اگر کوئی سلیم الفطرت آدمی اس سلسلہ میں کچھ سننا گوارا کرے تو نرمی سے کہیے کہ بھائی یہ کیا چیزیں ہیں جو تم نے اختیار کر رکھی ہیں۔ پھر اگر وہ کچھ اثر لے تو بہتر ورنہ خاموش ہو جائیے۔ پُر زور اصلاح ان چیزوں کی ہونی چاہیئے جن سے اصل دین پر زد پڑتی ہے۔

اصلاح کے کام میں ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ پہلے کسی اصل کے قریب ترین مقتضیات پیش کیے جائیں پھر اس سے بعید، پھر اس سے بعید تر۔ مثلاً توحید کے متعلقات میں سب سے پہلے وہ چیزیں لینی چاہئیں جن پر عموماً سب مسلمانوں کا اتفاق ہے پھر آگے چل کر ان خفی امور کی وضاحت کیجیے جو ادبیاتِ توحید سے مستنبط ہوتے ہیں۔ پھر

اور آگے چلیے اور ان آخری مقتضیاتِ توحید کی طرف رہبری کیجئے ، جن سے عوام کی توجہ تو بالکل ہی ہٹ چکی ہے اور علماء بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے عملی مقتضیات سے غافل ہیں ۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے رفقاء ان مشوروں پر عمل کرنے کا اہتمام کریں گے ۔

تیسری نشست

(۲۷ مارچ نمازِ ظہر و نمازِ عصر کا درمیانی وقفہ)

تجاویز

یہ نشست صرف تجاویز کے لیے مختص تھی۔ چنانچہ بہت سے اصحاب نے کام کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز کو اور ان پر ہونے والی بحث و تمحیص کو مختصراً یہاں اس لیے درج کیا جاتا ہے کہ جماعت کے ارکین اور ہمدرد اور اس کے کام کو تنقیدی نظر سے دیکھنے والے اصحاب یہ اندازہ کر سکیں کہ ہمارے حلقہ کے دماغ کس طرز پر سوچ رہے ہیں اور ذہنی طور پر کس پہلو سے کیا کمی ہے۔ اب یہاں اصل ترتیب کے مطابق ایک ایک تجویز کو پیش کیا جاتا ہے۔

تجویز ۱:- قیمِ جماعت کا تقرر

محرک: نصر اللہ خاں صاحب عزیز مدیر اخبار "مسلمان" من جانب جماعت اسلامی لاہور۔

اس تجویز کا منشا یہ تھا کہ کام کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے ایک ناظم تنظیم یعنی قیم جماعت

کا تقرر عمل میں لایا جائے جو دَورہ کر کے مختلف مقامی جماعتوں کو سرگرم عمل رکھے۔

اس پر امیرِ جماعت کی طرف سے یہ کہا گیا کہ تجویز کی اہمیت تو بالکل ظاہر ہے البتہ مطلوبہ آدمی کا ہاتھ آنا اور اس کے اخراجات کا بار اُٹھانے کی ہمت کرنا، یہ ہیں دو مشکلات۔ ان کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ جماعت، بیت المال کو مضبوط بنانے کی فکر کرے اور ادھر میں سوچ کر کسی آدمی کو آزمائشی طور پر قیم جماعت کے منصب کے لیے مقرر کرتا ہوں۔[1] چنانچہ اس پر جماعت متفق ہو گئی۔

تجویز ۲:- تحقیقی و تصنیفی مرکز کا قیام

تجویز: ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز (لاہور)

اس تجویز میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ جماعت کے مرکز میں کچھ اہلِ دماغ و اہلِ قلم حضرات کو جمع کر کے انہیں ریسرچ کے کام پر لگایا جائے تاکہ وہ اطمینان سے جماعت کے نظریات کی اساس پر مختلف علوم کی تدوین کرتے رہیں۔ ملک صاحب نے ان حضرات کی معاشی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے رائلٹی کا طریقہ بھی پیش کیا۔ اس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کے بعد امیرِ جماعت نے فرمایا کہ اس کام کے لیے نہ صرف یہ کہ بسر اوقات کے لیے مناسب وظیفے کارکنوں کو دینے پڑیں گے بلکہ اُن کے رہنے سہنے کے لیے مرکز میں کافی عمارتیں ہونی چاہئیں۔ علاوہ بریں وسیع پیمانے پر ایک کتب خانہ مہیا کرنا ہو گا۔

---

[1] اس تجویز کے مطابق امیرِ جماعت نے ۷ اپریل ۱۹۴۴ء سے طفیل محمد (موجودہ امیر جماعت اسلامی پاکستان) کو ایک سال کے لیے امتحاناً مقرر کیا۔

یہ ساری ضروریات جنگ کے دوران میں مہیا کرنا بہت مشکل ہے ویسے میں خود اس قسم کے کام کو شروع کر دینے کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہوں اور شاید جنگ کے خاتمہ پر ایک سال کے اندر اندر شعبۂ علمی کے ماتحت ایک تحقیق و تصنیفی مرکز کی بنیاد رکھ دی جاتے۔ مگر اس چیز کا خیال رکھیے کہ تجارتی اصولوں پر یہ کام نہیں ہوگا۔ ورنہ کارکنوں میں کاروباری ذہنیت پیدا ہو جاتے گی۔ دماغی اور علمی کام تو صرف خدمت کے اصول پر ہونے چاہئیں۔ بیت المال ایسے لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کسی تعقو یز مزد کے بغیر مناسب وظائف دیتا رہے۔

تجویز ۳: جماعت کے مرکز کو کسی بہتر مقام پر منتقل کرنے کے بارے میں۔

محرّکہ جناب غازی سلطان محمود صاحب آف مروال (ضلع شاہ پور) بشمول تجویز جناب ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز منجانب جماعت لاہور۔

ہر دو حضرات کی تجاویز کا خلاصہ یہ تھا کہ مرکز موجودہ مقام سے منتقل کر کے کسی مرکزی مقام پر لایا جائے۔

اس پر امیرِ جماعت کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ جب تک کسی مقام پر ضروریات کے مطابق زمین اور زمین کو استعمال کرنے کے لیے ناگزیر وسائل فراہم نہ ہو جائیں۔ انتقال مرکز کی کوئی تجویز وزن نہیں حاصل کر سکتی۔ اس پر مختلف مقامات کے بعض اصحاب نے زمین یا دوسرے وسائل کی پیش کش کی۔ ان حضرات کو یہ کہا گیا کہ آپ جو کچھ جماعت کو دے سکتے ہیں، دیں۔ جہاں بھی زمین اور وسائل فراہم ہو جائیں گے انہیں استعمال کرنے میں ہم دریغ نہ کریں گے۔

تجویز ۴:- بچوں کے لیے تربیت گاہ

مجوّز جناب حافظ فتح محمد صاحب راہوں (جالندھر) بشمول تجویز جناب قاضی حمید اللہ صاحب (سیالکوٹ)

حافظ صاحب کی تجویز کا مدعا یہ تھا کہ بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے لیے مرکز میں جلد ہی ایک تربیت گاہ قائم ہو جانی چاہیئے اور قاضی صاحب نے عام ارکانِ جماعت اور مبلغین کی ضروری تربیت کے لیے مناسب انتظام کا مطالبہ کیا تھا۔

اس تجویز کے جواب میں امیر جماعت نے وضاحت سے بتایا کہ یہ دونوں کام ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے اب تک دونوں اسکیمیں معرضِ التواء میں رہیں، مگر اب توکلاً علی اللہ قدم آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ میں مولانا امین احسن اصلاحی اور بعض دوسرے رفقاء کے مشورہ سے نقشہ کار مرتب کر کے اس سلسلہ میں بہت جلدی کام شروع کر دینے والا ہوں۔

تجویز ۵:- بیت المال کو مضبوط بنانے کی ایک تدبیر

مجوّز جناب محمد شریف صاحب (نوشہرہ)

(۱) اس تجویز کا مفاد یہ تھا کہ جماعت کے ان اہلِ ہنر ارکین کو جو سرمایہ نہیں رکھتے، جماعت کے سرمایہ سے کاروبار پر لگایا جائے۔ ان لوگوں کی پوری کمائی بیت المال میں جمع ہوا کرے اور انہیں صرف بقدرِ ضرورت مناسب معاوضہ ملتا رہے۔ اس سے بیت المال کو تقویت پہنچے گی۔

اس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر کافی دیر تک بحث ہوتی رہی اور آخر میں امیر جماعت اس نتیجہ پر پہنچے کہ کاروبار کے اصول پر جماعت کی طرف سے کوئی اسکیم عمل میں نہیں لائی جانی چاہیئے۔ البتہ افراد آپس میں بطور خود اس طرز پر کام کریں تو اس سے کسی کو اختلاف نہ ہوگا۔ اس پر مجوز نے تجویز واپس لے لی۔

(۲) اس مشاورت کے دوران میں حافظ عطاء الرحمان صاحب نے اس سلسلے میں ایک دوسری تجویز یہ پیش کی کہ جماعت کے جملہ ارکان کو اپنی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ بیت المال کو ادا کرنا چاہیئے۔

اس پر امیر جماعت نے یہ فیصلہ دیا کہ ضابطہ بندی کے ذریعے سے ارکان کو اس کام پر مجبور کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ ہاں جس رکن کو بطور خود اپنے فرض کا احساس ہو وہ اپنے اوپر خود پابندی عائد کرے۔

(۳) اس کے بعد نعیم صدیقی صاحب نے اسی سلسلے میں ایک اور تجویز پیش کی جس کا مدعا یہ تھا کہ چونکہ ظالمانہ نظام معیشت نے حلال ذرائع آمدنی تک کو ناپاک بنا ڈالا ہے اور ہم میں سے کسی کی آمدنی بھی پاک نہیں رہ گئی ہے۔ لہذا ہمارے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اضطرار کی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم صرف ضروریات زندگی کی حد تک اپنی آمدنیوں کو اپنے اوپر استعمال کریں اور بقیہ کو بیت المال کے حوالہ کر دینے کا التزام کریں۔ اس غرض کے لیے جماعت اخراجات کی مناسب تحدید کر دے۔

اس پر امیر جماعت نے فرمایا کہ تحدید اخراجات جس قانونیت کو مستلزم ہے اسے ہم اختیار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مجوز نے یہ ترمیم کر دی کہ اگر قانوناً نہیں تو کم از کم اخلاقاً

ہمیں اس کا پابند ہو جانا چاہیئے۔ تجویز کی اس شکل سے امیر جماعت نے اتفاق کر لیا، مگر دوسرے رفقاء کے اعتراضات کا سلسلہ چونکہ تھمنے میں نہیں آ رہا تھا اس لیے مجوز نے برضا و رغبت اپنی تجویز واپس لے لی۔

تجویز ۶:۔ نئے علم معیشت کی تدوین

مجوز حافظ عطاء الرحمان صاحب (دارالاسلام)

حافظ صاحب نے اس ضرورت کو واضح کیا کہ عہد حاضر کا انسان ایک نئے نظام کا طلب گار ہے اور جماعت اسلامی کو ایک مجلس تحقیق معاشیات مقرر کرنی چاہیئے جو ایک طرف اسلامی معیشت کے اصولوں کو جمع کرے اور دوسری طرف موجودہ دور کے علم المعیشت کا مطالعہ کرے، حتیٰ کہ ایک نیا علم المعیشت مدون ہو جائے۔ یہ مجلس اپنے اخراجات کو اپنی سہ ماہی یا ششماہی رپورٹوں کی اشاعت سے پورا کر سکتی ہے۔

اس تجویز کی اہمیت کو امیر جماعت نے تسلیم کیا مگر فرمایا کہ اس کام کے لیے الگ مجلس قائم کرنے کے بجائے اس تجویز کو تجویز ۵ میں شامل کر دیا جائے جہاں ہمارا مجوزہ ادارۂ تحقیقات علمیہ دوسرے مختلف علوم کی تدوین کرنے کا کام کرے گا وہاں معاشیات کے میدان میں تحقیق و تدوین کا کام بھی کرے گا۔

تجویز ۷:۔ ملازمین اور مزدوروں کے حقوق کا تعین کیا جائے

مجوز محمد یحییٰ صاحب (دارالاسلام)

یہ تجویز جماعت کو ایک خاص پہلو سے معاشی تبدیلیوں پر آمادہ کرنے کے لیے

پیش کی گئی تھی۔ اس کا مفاد یہ تھا کہ جماعت مساوات آقا و غلام کے اصول پر ملازمین اور مزدوروں کے حقوق متعین کرے اور ان کی ادائیگی میں ارکان جماعت خاص مستعدی کا مظاہرہ کریں۔

اس تجویز پر اظہار خیال کرتے ہوئے جناب مولانا امین احسن صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ اصولاً یہ مطالبہ برحق ہے، لیکن اس تجویز کے مجوز نے مسئلہ پیش نظر کے چند محدود پہلوؤں کو ہی سامنے رکھا ہے اگر ہم ان کو لے کر اُٹھیں تو ہم پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ ان کے پاس کوئی جامع نظام نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام نے اس معاملہ میں بہت تفصیل سے احکام دیئے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ان احکام کو تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ سے عام کیا جائے۔ اس کے بغیر اگر جزئی تغیرات کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ نتیجہ خیز بھی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد امیر جماعت نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے بہت سی تجویزوں کے دوران میں یہ محسوس کیا ہے کہ لوگ بنیادیں اُٹھانے سے پہلے کھڑکیاں اور روشن دان بنا لینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب چیزیں بجائے خود ضروری ہیں مگر ان میں سے ہر ایک کا ایک مقام ہے۔ اقدار دینی کو اُلٹ پلٹ دینا مفید نہیں ہوگا۔ جو معاشی اصلاح ہمیں مطلوب ہے وہ ضابطہ بندی سے نہیں ہوگی بلکہ ایمان اور اخلاق کے استحکام ہی سے ہوگی۔ ہمیں ایک بچے کی طرح فطری ارتقاء کرنا ہے، یہ مناسب نہیں ہوگا کہ آپ قبل از وقت مصنوعی طور پر بالغ بننے کے لیے بازار سے ڈاڑھی خرید کر لگا لیں۔ ماحول کا دباؤ اور مطالبہ کسی پہلو سے خواہ کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے، از وقت سے پہلے کوئی اقدام مناسب نہیں ہوگا۔

تجویز ۸:۔ اساسی تعلیم کیلئے نصاب کی تدوین

مجوز: جناب محمد فاضل صاحب (امرتسر)

مجوز موصوف نے اساسی تعلیم کے لیے نصاب کی تدوین کی ضرورت کو پیش کیا۔
اس کے جواب میں امیرِ جماعت نے فرمایا کہ میرا مزاج کچھ اس قسم کا ہے کہ کچا کام کرنے پر میری طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ نصاب کا تقاضا بہت پُرزور ہے مگر جامع اور اطمینان بخش کام کے لیے حالات کا منتظر ہوں۔ جماعتی حیثیت سے تو ہم وہی چیز پیش کریں گے جو جامع اور مکمل ہو۔ اس سے پہلے آپ لوگ اپنے اپنے مدارس کا کام چلانے کے لیے غیر رسمی طریقہ پر جماعت کے اُن اصحاب سے مشورہ لیں جو تعلیم کے کاموں سے نظری یا عملی تعلق رکھتے ہیں۔

تجویز ۹:۔ عربی بول چال کی عادت

مجوز: جناب محمد فاضل صاحب (امرتسر)

اس تجویز کا اقتضاء یہ تھا کہ جماعت کے لوگ عربی بول چال کی عادت ڈالیں تاکہ قرآن وحدیث سمجھنے میں آسانی ہو اور اسلامی تمدن فروغ پانے لگے۔

اس پر جناب چوہدری محمد اکبر صاحب ہیڈ ماسٹر (لائل پور) نے فرمایا کہ اب تک عربی پڑھنے والوں اور نہ پڑھنے والوں میں عملاً کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ خود عرب، عراق اور مصر کے لوگ عربی بولتے ہیں مگر وہ بھی مغربیت سے ہماری ہی طرح بلکہ ہم سے بڑھ کر متاثر ہیں۔ اس لیے ایسے غیر فطری طریقے ہمارے مقصد کے لیے

کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد مولانا امین احسن صاحب نے فرمایا کہ جہاں تک قرآن و حدیث کو سمجھنے سمجھانے کا تعلق ہے ہم ایک خاص گروہ کو اتنا تیار کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ محققانہ نظر سے دین کو سمجھے اور سمجھاتے اس غرض کے لیے عربی بول لینے سے کام نہیں چلتا۔ رہے عوام تو انہیں ہم خود انہیں کی زبان سے اسلام کی سادہ تعلیم دیں گے۔

امیر جماعت نے اس سلسلہ میں اپنی رائے دیتے ہوئے فرمایا کہ جن لوگوں کی مادری زبان عربی ہے اور جو حضرات عربی مدارس میں عربی بولتے اور پڑھتے ہیں وہ بھی اُس عربی سے ناواقف ہیں جو قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے لابدی ہے ہم قرآن اور حدیث کی عربی سے اپنے رفقاء کو واقف کرنا چاہتے ہیں مگر اس سلسلہ میں عربی بول چال کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کی اپنی مادری زبانوں کو ختم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

تجویز ۱۰۱۔ جماعتی لٹریچر کی اشاعت کے بارے میں

مجوزہ امیر جماعت (دارالاسلام)

امیر جماعت نے جماعت کا لٹریچر شائع کرنے کے لیے یونائیٹڈ پبلشرز (لاہور) اور جناب مولوی ثناء اللہ خاں صاحب (لاہور) کی طرف سے آئی ہوئی دو پیش کشوں (Offere) کو حاضرین کے سامنے رکھ کر مشورہ طلب کیا کہ ان دونوں میں سے کس پیش کش کو قبول کیا جائے۔

یونائیٹڈ پبلشرز دائمی حقوق اشاعت لینا چاہتے تھے مگر مولوی ثناء اللہ صاحب

بالمعاوضہ کاغذ فراہم کر دینے کی حد تک معاملہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس پہ بحث تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ مولوی ثناء اللہ خاں صاحب کی پیش کش کو قبول کر لیا جائے۔

تجویز ۱۱:- اطاعتِ امیر کے لزوم کے بارے میں

مجوزہ جناب حکیم محمد حسین صاحب (کپور تھلہ)

مجوز کا مطالبہ یہ تھا کہ امیرِ جماعت کی کامل اطاعت کو دستوراً لازم کر دیا جائے مگر اس پر فیصلہ یہ ہوا کہ چونکہ دستور کی ترمیم پوری جماعت کے اجتماع ہی میں اتفاق رائے سے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس محدود اجتماع میں اس تجویز کو پیش نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے تجویز واپس لے لی۔ اس کے بعد کچھ سوالات کے زبانی جوابات دیئے گئے۔

چوتھی نشست

(۲۷ مارچ (نماز مغرب و نماز عشاء کا درمیانی وقفہ)

یہ نشست پروگرام کے مطابق امیرِ جماعت کی طرف سے ہدایات دینے کے لیے مخصوص کی گئی تھی۔ اس اجلاس میں امیر جماعت نے جو تقریر فرمائی اسے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

امیرِ جماعت کی اختتامی تقریر

(سید ابو الاعلیٰ مودودی)

جو رُودادیں صبح کی نشست میں جماعتوں کی طرف سے پیش ہوئی ہیں ان پر میرے محترم رفیق مولانا امین احسن صاحب نے جو تبصرہ فرمایا ہے اس کے بعد مزید تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مجھے بعض امور کے متعلق صرف چند مشورے پیش کرنے ہیں۔

ہماری تبلیغی پالیسی

الاقدم فالاقدم

سب سے پہلے تبلیغی پالیسی کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری دعوت کا اصول الاقدم فالاقدم ہونا چاہیئے۔ جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس سے اتنا ہی تعرض کرنا چاہیئے اور اس پر اتنا ہی زیادہ زور دینا چاہیئے۔ اسی طرح جس چیز کی دینی اہمیت کم ہے اس پر بعد میں توجہ دی جانی چاہیئے اور اس کی قدر و قیمت کو مبالغہ سے کبھی نہیں بڑھانا چاہیئے۔

فروعات سے پہلے اصل الاصول پر زور

دوسری بات یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ جزئیات میں سے ایک ایک پر جُدا جُدا زور دینے کے بجائے اس اصل الاصول کی فکر کرنی چاہیئے جس کی اصلاح سے فروع کی اصلاح خود بخود ایک فطری نتیجہ کے طور پر ہو جاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی مکان میں آگ لگی ہوئی ہے اور جگہ جگہ سے کڑیاں اور تختے جل جل کر گر رہے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک ایک کڑی کے سقوط کو روکنے کے لیے الگ الگ تدابیر نہیں اختیار کی جائیں گی، بلکہ براہِ راست ایک ہی تدبیر سے آگ بجھانے کی فکر کی جائے گی یا مثلاً اگر کسی شخص کا خون خراب ہو اور اس کے بدن پر جگہ جگہ پھوڑے پھنسیاں نمودار ہو رہے ہوں، تو ایک ایک پھوڑے پر نشتر چلانے اور ایک ایک ناسور پر پھایہ رکھنے کی جگہ اصلاحِ خون کی تدبیر کی جائے گی۔ اس اصول پر ہمارے مبلغین کو مقامی حالات پر غور کر کے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ لوگوں کی جزئی گمراہیوں کی اصل علت ہے کیا؟ اور پھر ہر ضرب اسی اصل علت کو دُور کرنے کے لیے لگائی جانی چاہیئے۔ اس کام کے دوران میں خرابی کی شاخوں کی کثرت سے

ذرا بھی نہ گھبرانا چاہیئے۔ اسی طرح جن اچھائیوں کو فروغ دینا ہے ان کی جڑ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور پھر اس کی آبیاری میں پوری جانفشانی دکھانی چاہیئے۔ یہ جڑ اگر قائم ہو گئی تو پتے اور پھل پھول خود بخود نمودار ہوتے جائیں گے۔

جماعت کا پورا لٹریچر اسی اصول پر لکھا گیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس میں بنیادی امور کے استحکام کے لیے پورا زورِ استدلال صرف کیا گیا ہے۔ مگر جزئیات کو بالعموم نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ شاخوں کی کانٹ چھانٹ کے بجائے جڑ اور تنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آپ لوگ مسلمانوں کے قصرِ حیات کے ملتے ہوئے نقوشِ زینت کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوں بلکہ اس کی بنیادوں کی فکر کریں، ورنہ دیواروں کی خوبصورتی تو ترقی کر جائے گی مگر اس تکمیل سے پہلے آپ پوری عمارت کو کھنڈر بنتا ہوا دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔

ہماری زبانوں پر جب کبھی اصلاح کا نام آیا ہے تو ذہن معاً چھوٹی برائیوں کی طرف پھر جاتا ہے اور پھر بیشترِ اصلاح اسی پرانے مذاق کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ آپ لوگ اب اس مذاق کو یکسر بدل ڈالیے۔ بار بار کے تجربے سے معلوم ہو چکا ہے کہ جزئیات پر حملہ کرنے سے ہم اپنے نصب العین میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ راستہ مباحثہ اور مناظرہ کی دیواروں سے ہو کر گزرتا ہے اور اس طرز پر کام کرنے سے خواہ مخواہ جذبات مشتعل ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے چبھنے والے القاب مثلاً وہابی اور بدعتی وغیرہ زبانوں پر آنے لگتے ہیں، حتیٰ کہ سر پھٹول تک کے واقعات پیش آتے ہیں۔ اس طریق تبلیغ کو دہرانے سے قطعاً اجتناب کیجیے۔

کتاب و سُنّت سے براہِ راست واقفیت

جیسا کہ مولانا امین احسن صاحب نے اپنی تقریر میں واضح کیا ہے، اگر آپ حضرات غور کریں تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت تمام خرابیاں یا تو توحید کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یا رسالت کی حقیقت کو نہ جاننے سے یا عقیدہ معاد کی ناواقفیت سے۔ علاوہ بریں کچھ خرابیاں ایسی ہیں جو اصول و فروعِ دین کی صحیح ترتیب کو اُلٹ دینے سے نمودار ہوتی ہیں۔ خود بگاڑ کے ان اسباب کا بھی اپنا ایک سبب رکھتے ہیں اور وہ ہے کتاب و سنّت سے بے تعلقی۔ یہ سب جُہلا ہی میں نہیں پایا جاتا بلکہ بکثرت علماء تک کتاب و سُنّت سے براہِ راست گہری واقفیت نہیں رکھتے۔ اب اگر ہمیں ان حالات کو بدلنا ہے تو اصلاح کا کام بنیاد سے شروع کر کے اُوپر کی طرف لے جانا چاہیئے۔ جب تک بنیادی معتقدات کی اصلاح نہیں ہو جاتی، لوگوں کی فروعی گمراہیوں کو صبر سے گوارا کرنا پڑے گا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فروعات کے معاملہ میں لوگوں کو کُھلا چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ مدّعا یہ ہے کہ پہلے قدم پر جزئی امور پر بہت زیادہ ہرگز نہ زور دیا جائے۔

یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو شرارت اور تعصّب کی بنا پر خرابیوں کی حمایت کریں گے۔ عوام بیچارے محض جہالت کی وجہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ مدّت ہائے دراز کی غلط تعلیم و تربیت سے ان کے ذہن میں یہ بات اُتر گئی ہے کہ جن طور طریقوں کو وہ اختیار کیے ہوئے ہیں، انہی کا نام دین ہے ان بیچاروں کی اصلاح صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ صبر و تحمّل سے بتدریج توحید، نبوّت اور معاد کے اسلامی تصوّرات کو ان کے دلوں میں راسخ کیا جائے۔ ان کے عقائد کی اصلاح

میں اگر ہم کامیاب ہو جائیں تو کوئی مخالف "وہابی وہابی" پکار کر بھیڑ جمع نہیں کر سکے گا بلکہ خود میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔

انقلاب عرب پر اگر آپ غور کریں تو اس دعوے کی صداقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے روگردانی کرنے والوں میں بالکل مختصر سا گروہ ایسا تھا جو ذاتی اغراض کی بنا پر مخالفت کر رہا تھا۔ باقی سب لوگ فریب خوردہ اور مسحور تھے۔ پھر جب تحریک پھیل نکلی اور حق کھل کر سامنے آ گیا تو بے غرض حق پسند لوگوں کے لیے انکار کے راستے مسدود ہو گئے۔ ملک کی عام آبادی نے صداقت کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اغراض کی بنا پر لڑ رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ میدان میں ہم تنہا رہ گئے ہیں، اس لیے وہ سر جھکا دینے پر مجبور ہو گئے۔ آج بھی دعوتِ حق کی کامیابی کا راستہ یہی ہے۔ اگر آپ حقیقت کو لوگوں کے سامنے بالکل عریاں کر دیں تو ان میں سے نیک نیت فریب خوردہ لوگوں کی مسحوریت ختم ہو جائے گی اور وہ اپنے گمراہ کو تنہا چھوڑ کر آپ کے ساتھ آ ملیں گے۔ پھر جو لوگ غرض کی بنا پر سدِّ راہ بنے ہوئے ہیں وہ بھی اتنے بے بس ہو جائیں گے کہ ہماری چلتی ہوئی گاڑی ان کے روکے نہ رک سکے گی۔

یہ پروگرام اگر اختیار کرنا ہو تو پھر "آمین بالجہر" اور "تیجے" اور "قل" کے جھگڑے ختم کیجیے۔ غور تو کیجیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہی خرابیوں کی اصلاح کے لیے آئے تھے؟ کیا اسلام کا نصب العین بس اتنا ہی کچھ ہے؟ کیا قرآن کی تعلیمات انسان سے اتنا ہی کچھ مطالبہ کرتی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر آپ کی

پوری توجہ اُن اہم امور کی طرف کیوں منعطف نہیں ہوتی جن کے لیے ہر دور میں انبیاء علیہم السلام مخالفین کے مظالم کا تختۂ مشق بنتے رہے ہیں؟ یہ جزئیات جن کی اہمیت بہت بڑھا دی گئی ہے اقامتِ دین کے کام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ فکر تو اس کی کیجیے کہ لوگ خدا کے دین کو برضا و رغبت تسلیم کریں اور سنّتِ نبویہ کا اتباع کرنے پر آمادہ ہوں۔ یہ چیز پیدا ہوگئی تو پھر جس کو جو چیز کتاب و سنّت سے ثابت ہوتی نظر آئے گی، وہ اسے اختیار کرے گا اور جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہ ملے گا۔ اُسے ترک کردے گا۔ زور تو اسی ایک بنیادی اصلاح پر دینا چاہیے۔ اصول سے فروع کی طرف لے چلنے کی جو تدریج اُسوۂ نبی میں پائی جاتی ہے اگر اسے نظرانداز کرکے محض حدیث کی کتابوں کا اتباع شروع کر دیا جائے تو یہ حدیث کی کتابوں کا اتباع تو ہوگا، اُسوۂ نبوی کا اتباع نہ ہوگا۔

دَورِ اسلام سے پہلے کے عرب میں اس سے کم خرابیاں نہیں تھیں جتنی آج ہمارے دَور میں پائی جاتی ہیں۔ پھر کیا بیک وقت سب پر چوٹ لگائی گئی تھی؟ کیا اصلاح کی وادی کو ایک ہی جست میں طے کر ڈالا گیا؟ نہیں بلکہ اصلاح کی بنیادیں استوار کی گئیں، پھر اساسی اخلاقیات کی تعلیم دی گئی۔ پھر زندگی کے دامن سے ایک ایک داغ کو دھونے کا سلسلہ بتدریج کئی برس تک جاری رہا۔ اگر آپ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا چاہتے ہیں تو پہلے نبیؐ کے طریق کار کو خوب سمجھ لیجیے پھر آگے قدم بڑھائیے۔

مبالغہ سے احتراز

ایک اور چیز میں نے یہ محسوس کی ہے کہ ہمارے رفقاء میں کام کو مبالغہ سے پیش

کرنے کا جذبہ بھی کبھی کبھی پیدا ہو جاتا ہے ۔ میں چاہتا ہوں اس جذبہ کو ختم کر دیا جائے ۔ نہ صرف یہ کہ اپنی کارگزاری بتانے میں مبالغہ کا استعمال نہ کیا جائے بلکہ اپنی جگہ اپنے کام کو تسلی بخش بھی نہ سمجھا جائے ۔ بہتر سے بہتر طریقہ پر کام کرنے کے بعد بھی مطمئن نہ ہو جائیے اور اس کے اچھے پہلوؤں پر قانع ہونے کے بجائے اس کے کمزور پہلوؤں کو دیکھ دیکھ کر بے چین رہیئے ۔ جو کام صحیح ہوا ہو اس پر خدا کا شکر بجا لایئے اور جو کمی رہ گئی ہو اسے پورا کرنے کی توفیق بھی اس سے طلب کیجیے ۔ پھر مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ دوسری جماعتوں کے لوگوں میں کام کرتے وقت آپ پر مناظرہ کی روح چھا جاتی ہے اور مفاخرہ و مکابرت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے ۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بہت اچھا ہے ، اور اگر در حقیقت یہ شبہ صحیح ہے تو ان بلاؤں سے نجات حاصل کیجیے ۔

اس سلسلہ میں اپنے طرزِ عمل اور اپنے اندازِ گفتار سے دوسری جماعتوں پر یہ واضح کر دیجیے کہ ہم کسی سے جماعتی کشمکش نہیں کرنا چاہتے ۔ ہماری غرض خرابی کی بنیادوں کو مٹانا ہے اور ہمارا خطاب پوری نوعِ انسانی سے ہے جو بھی حق سے منحرف ہے ہم بس اس کی غلطی کو صاف بتادیں گے ۔ اس کے بعد ہمارا خاص طور پر اس کے خلاف کوئی معرکہ نہ ہوگا ۔ بہرحال کسی جماعت کو کم از کم آپ کے طرزِ عمل کی وجہ سے اس بدگمانی کا موقع نہ ملنا چاہیئے کہ آپ اس کے حریف بن کر اٹھے ہیں ۔ ہمیں تو صرف نظامِ کفر و جاہلیت کا حریف بن کے رہنا ہے ، اسی سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کے ساتھ جس کی وابستگی جتنے درجہ کی ہوگی اسی تناسب سے ہماری اس کی دشمنی میں بھی شدت ہوگی ۔

مشترکہ جلسوں سے پرہیز

بعض اصحاب کی طرف سے پوچھا گیا ہے کہ آیا ہم اُن جلسوں اور ان تقریبات

میں شریک ہو کر تقریریں کر سکتے ہیں جو عام انجمنوں کی طرف سے منعقد ہوا کرتی ہیں؛ اس میں شک نہیں ہمیں اس ذریعہ سے اپنے خیالات کو پھیلانے کے مواقع ملتے ہیں مگر میرا مشاہدہ ہے کہ یہ طریق کار مفید نہیں ہے۔ ایک اسٹیج پر جب قسم قسم کی بولیاں بولی جاتی ہیں اور انہی کے دوران میں ہماری دعوت بھی پیش کی جاتی ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اُن بولیوں میں سے ایک بولی ہے جو ہمیں خوش کرنے کے لیے سُنائی جاتی ہیں یا یہ جلسہ ایک دماغی دسترخوان ہے جس پر جہاں اور طرح طرح کے مربّے اور اچار رکھے ہیں وہاں ایک نئی قسم کا یہ اچار بھی رکھ دیا گیا ہے۔ انجمن بازی کے نقار خانہ میں اگر بالفرض آپ نے بوجوہ احسن اپنا پیغام پیش کر دیا تب بھی نتیجہ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا کہ لوگ داد دیتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ فلاں صاحب خوب بولے۔ ہماری قوم کا حال آج کل اُس بگڑے ہوئے رئیس کا سا ہو گیا ہے جس کے گرد و پیش بہت سے خوشامدی مصاحب لگے ہوتے ہوں اور اسے خوش کرنے میں منہمک ہوں، ان خوشامدیوں کے زمرے میں شامل ہو کر آپ حکمتِ دین اور حقائق زندگی کو خواہ کتنی ہی سنجیدگی کے ساتھ پیش کریں، بہرحال یہ رئیس المزاج قوم آپ کی باتیں اُنہی کانوں سے سُنے گی جن سے وہ دوسرے مصاحبوں کی باتیں سُنتی ہے۔ ان وجوہ سے میں جماعت کے مقررین کو مشورہ دیتا ہوں کہ پہلے اپنی انفرادیت یا دوسرے لفظوں میں اپنی امتیازی حیثیت کو خوب مستحکم کر لیجیے اور بالکل جُداگانہ طور پر اپنے نظریات پیش کرتے رہیے۔ البتہ اگر چہ ممکن ہو کہ مارکیٹ میں جو خوش تقریر ریکارڈ خوب مقبول ہیں ان کے اندر آپ اپنا نغمہ بھر سکیں تو یہ صورت مفید ثابت ہوگی۔ مختلف لیڈروں اور مقرروں پر اپنا اثر اس حد تک پھیلا دیجیے کہ ان کی تقریروں میں خواہ مخواہ آپ ہی کے خیالات آنے

لگیں۔ جب وہ کچھ عرصہ تک محض قولاً ہمارے نظریات کو بیان کرتے رہیں گے تو بعید نہیں کہ ایک روز انہیں اپنے ضمیر کی آواز اور رائے عام کے دباؤ سے اپنی عملی روش کو بھی بدلنا پڑے۔ یہ اسکیم اگر خوب وسعت کے ساتھ عمل میں لائی جائے تو آخر کار اُجرت پر تقریر کرنے والے مقررین جنہوں نے پوری قوم کا مزاج بگاڑ رکھا ہے، اسٹیج سے ہٹا دیئے جائیں گے اور کام کے آدمیوں کو پبلک خود سامنے لے آئے گی۔

مدارس کا قیام

یہ معلوم کرکے مجھے بہت مسرت ہوئی کہ آپ حضرات جا بجا اپنے نظریات کو پھیلانے کے لیے مدارس قائم کرنے کی فکر میں ہیں، بلکہ بعض مقامات پر تو عملاً قدم اُٹھ چکا ہے۔ مگر اس سلسلہ میں یہ احتیاط ضرور کیجیے کہ ایک مدرسہ کو چلانا بجائے خود مقصد بن کر نہ رہ جائے۔ ہمیں تعلیم کو حصولِ مقصد کے ذریعہ کی حیثیت سے استعمال کرنا ہے۔ جہاں محسوس ہو کہ آپ کا مدرسہ مقصد کی جگہ لے رہا ہے، یا مقصد میں رکاوٹ بن رہا ہے تو ایسے مدرسے کو مسمار کر دیجیے اور اس کے کھنڈروں کو روندتے ہوئے اپنی منزل کی طرف آگے بڑھیے۔ اس غرض کے لیے نصب العین کو ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ ایک قوم نے جو کارخانے خود جنگی اغراض کے لیے کروڑوں روپے کے صرف سے بنائے ہوتے ہیں۔ انہیں جب وہ اصل مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنتے دیکھتی ہے تو وہ خود اپنے ہاتھوں سے انہیں تباہ کر دیتی ہے۔ اسی جنگ میں رُوس نے اپنے بے شمار صنعتی مراکز کو اور فرانس نے اپنے بحری بیڑے کو تباہ کر دیا۔ یہ انتباہ میں اس لیے کر رہا ہوں کہ پہلے بھی ہمارے تعلیمی کام کرنے والے بہت سے بزرگوں سے یہی لغزش ہو چکی

ہے، یعنی انہوں نے مدرسے چلانے کو ذریعہ کے بجائے مقصد کی حیثیت دے دی۔
آپ لوگ اس سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لیں۔

مقامی کام اور تنظیم

اب رہا مقامی کام اور تنظیم کے استحکام کا سوال، سو اس غرض کے لیے میں چند موٹی موٹی باتوں کی طرف آپ کی توجہ منعطف کراتا ہوں۔

مالی ایثار

سب سے پہلی توجہ طلب چیز یہ ہے کہ اپنے اپنے حلقہ کے ارکان میں مالی ایثار کے جذبہ کو اُبھاریئے۔ اب تک دوسرے مختلف جذبات تو تناسب سے کچھ زیادہ ہی اُبھرے ہیں مگر مالی ایثار کے جذبہ کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ ہاں اس ضمن میں یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ اس جذبہ کی اساس اخلاقی ذمّہ داری کے احساس پر ہونی چاہیئے۔ ضوابط سے یہ خوبی پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیئے کہ جب وہ مسلمان ہوا ہے تو اس کے مال کو بھی مسلمان ہونا چاہیئے۔ جسم اور جان مسلمان ہو جائیں اور مال مسلمان نہ ہو تو اسلام کا اقتضا پورا نہیں ہوتا ہے۔ اپنے ساتھ اپنے مال کو بھی دائرۂ اسلام میں لائیے اور اس کی شکل یہی ہے کہ اپنے کمزور بھائیوں کی دستگیری اور اپنے بیت المال کی تقویت میں اسے صرف کیجیے۔ "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً" کا مدعا یہی ہے۔ پھر جذبۂ ایثار کی پیمائش اللہ کی راہ میں صرف کیے جانے والے مال کی مقدار سے نہیں ہوتی بلکہ ان تکلیف دہ حالات سے ہوتی ہے، جن کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک شخص انفاق کرتا ہے۔ اس لحاظ سے بعض اوقات ایک پیسہ

ایک ہزار روپیہ سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ خدا کے ہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ دیا کتنا بلکہ یہ کہ کن مشکلات کے ہوتے ہوئے دیا۔

ہفتہ وار اجتماعات کی پابندی

دوسری چیز جس کا شدید پابندی سے اہتمام ہونا چاہیئے۔ ہفتہ وار اجتماع ہے۔ مختلف مقامات پر جماعتی نظام کے مرجانے کی وجہ یہی تھی کہ افراد کو مجتمع رکھنے اور جماعت کے ساتھ ان کی عملی دلچسپی کو زندہ رکھنے والے اس رشتہ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں آئندہ نرمی سے کام نہ لیا جائے۔ ہر جگہ کے تمام مقامی ارکان کو ہفتہ وار اجتماع کی شرکت کا لازماً پابند ہونا چاہیئے۔ جو رکن کسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے وہ اپنی غیر حاضری کے لیے معقول عذر اپنے امیر کے سامنے پیش کرے اگر کسی طرف سے غلط معذرت پیش ہو گی تو آخر حقیقت کھل ہی جائے گی۔ نیز جو رکن بلا عذر یا غیر اہم عذرات کی بناء پر مسلسل چار ہفتہ وار اجتماعات میں شریک نہ ہو، یا ایک طویل مدت تک بیچ بیچ میں اکثر ناغہ کرتا رہے تو اس کے متعلق سمجھ لیا جائے کہ وہ نظامِ جماعت کی پابندیوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ہفتہ وار مقامی اجتماع کے علاوہ، جہاں ایک ضلع میں یا قریب کے اضلاع میں متعدد ارکان موجود ہوں، وہاں باہمی صلاح مشورے سے وقت اور مقام کا تعین کر کے ہر دوسرے تیسرے مہینے اجتماعات منعقد ہوتے رہنے چاہئیں جن کا پروگرام اُن ہدایات کی روشنی میں مرتب کر لیا جائے جو میں نے اجتماع دربھنگہ کے موقع پر ہفتہ وار اجتماعات کے لیے دی تھیں خصوصیت کے ساتھ جن علاقوں کے بیشتر ارکان مختلف دیہات اور شہروں میں منفرد ہوں، وہاں تو اس طرح کے سہ ماہی یا دو ماہی اجتماعات بہت ضروری ہیں کیونکہ

اس کے بغیر منتشر ارکان آخر کار ضائع ہو جائیں گے۔

مرکز سے وابستگی

علاوہ بریں اپنے آپ کو مرکز سے وابستہ رکھنے میں غفلت نہ برتیے۔ اس وابستگی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ خطوط کے ذریعہ سے مجھے ہر پہلو سے مقامی حالات اور کام کی رفتار کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے رہیئے۔ مگر اس کا خیال رکھیے کہ چونکہ میرے پاس سیکرٹری ابھی نہیں ہے، اس لیے کثرت سے جواب طلب خطوط نہیں آنے چاہئیں۔ بس اتنا کافی ہے کہ ہر دوسرے تیسرے مہینے کام کی رپورٹ مرکز میں پہنچتی رہے[1] یعنی جماعت کس حال میں ہے، کہیں سستی کا دَور دورہ تو شروع نہیں ہو گیا۔ کہیں نظامِ کار کی مشینری میں کوئی نقص تو نہیں پیدا ہو گیا، کہیں کوئی داخلی یا خارجی فتنہ تو نہیں اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایسے حالات میں اصلاحِ احوال کے لیے مرکز ہر ضروری امداد بہم پہنچائے گا۔ اگر قیمِ جماعت کے فرائض ادا کرنے کے لیے مجھے کوئی مناسب آدمی مل گیا تو وہ دَورہ کر کے مرکز کی طرف سے کام کی نگرانی بھی کرتا رہے گا جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو آپ لوگ خود آپس میں مربوط رہیں اور وقتاً فوقتاً مرکز میں آکر چند روز بسر کرتے رہیں۔ آگے چل کر جب تربیتی مرکز قائم ہو گیا تو پھر مقامی جماعتوں کے امراء اور دوسرے سمجھدار ارکان یہاں آکر بہت زیادہ استفادہ کر سکیں گے۔

تعلیم بالغاں

کپورتھلہ کی جماعت تعلیم بالغاں کی جو اسکیم عمل میں لا رہی ہے وہ مجھے بہت

---

[1] اب یہ رپورٹیں بھیجنے کے لیے باقاعدہ ضابطہ اور چھپے ہوئے فارم مقرر ہیں۔

پسند آئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ کام ہر جگہ شروع ہو جانا چاہیے اس سے ایک تو اللہ کی راہ میں باقاعدہ طور پر وقت کی قربانی کرنے کی عادت پڑے گی دوسرے عوام سے آپ کا براہِ راست رابطہ ترقی کرے گا اور آپ ان سے بلا واسطہ خطاب کے مواقع حاصل کر لیں گے۔ نیز آپ تعلیم کو پھیلا کر اپنے لٹریچر کو پھیلانے اور اپنے پیغام کو فروغ دینے کے لیے بہت وسیع میدان تیار کر لیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ جو لوگ بھی آپ کی بلا معاوضہ خدمت سے فائدہ اُٹھائیں وہ آپ کے اخلاق سے اتنے متاثر ہو جائیں گے کہ نہایت آسانی سے آپ کی بات ان کے دلوں میں اُتر جائے گی۔ اس کام کی اہمیت کا اندازہ آپ صرف اس بات سے کر سکتے ہیں کہ ہماری تحریک کے پھیلنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اس ملک کے عوام کی جہالت ہے۔ دوسرے ممالک میں تعلیم کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حال ہے کہ ایک کتاب اِدھر پریس سے نکلی اور اُدھر بسا اوقات ایک ہفتہ میں پچاس لاکھ آدمیوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ خواندگی کی وجہ سے خیالات کے پھیلنے میں کتنی سرعت پیدا ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے ہمیں اپنے نظریات کو لوگوں تک پہنچانے میں بہت دیر لگتی ہے، اور برسوں کی کوششوں کے باوجود آبادی کے ایک بہت ہی قلیل حصے کو خیالات سے متاثر کیا جا سکتا ہے، اس رکاوٹ کو دور کرنے میں جہاں تک ممکن ہو ہمیں اپنی مساعی صرف کرنی چاہییں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہر آدمی یہی کام کرے، نہیں صرف وہ رفقاء اس نازک کام کا بار اُٹھائیں جو تعلیم بالغاں کے لیے ضروری صلاحیتیں رکھتے ہوں۔ جامعہ اسلامیہ نے اس سلسلہ میں جو لٹریچر شائع کیا ہے اس سے فائدہ اُٹھایئے اور جہاں کہیں اس میں حمیت پائی جاتی ہو اس سے بچتے ہوئے کام کیجیے خصوصیت کے ساتھ تعلیم بالغاں کا فن ان

کے لٹریچر سے سیکھنے کی کوشش کیجئے۔ پھر جوں جوں آپ عملاً کام کرتے جائیں گے تجربات سے آپ کی صلاحیتیں چمکتی جائیں گی اور رفتارِ کار بڑھتی جائے گی۔ خدا کرے کہ آپ اپنے مقاصد حسنہ میں کامیاب ہوں۔

اس تقریر کے ساتھ آخری نشست ختم ہو گئی۔

اجتماع سے واپسی

آخری نشست کے ختم ہونے پر بیشتر لوگ پہلی گاڑی سے روانہ ہو گئے اور صرف وہ حضرات ٹھہر گئے جنہیں امیر جماعت نے خود کسی ضروری مشورے کے لیے ٹھہرا لیا تھا یا جو خود اپنے متعلق کچھ ہدایات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

مصارفِ اجتماع

جہاں تک اجتماع کے مصارف کا تعلق ہے۔ ہمارے ہاں آرائش و تکلفات کے سلسلہ کے غیر ضروری مصارف سرے سے ہوتے ہی نہیں۔ رہیں ضروریات قیام و طعام سو اُن پر بھی ناگزیر حد تک ہی خرچ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو افراد کے قیام اور شش وقتہ طعام و ناشتہ پر اس گرانی کے زمانہ میں بھی ہماری لاگت چار سو روپے کے لگ بھگ رہی۔ یہ سارا بار جماعت کے محدود بیت المال پر ڈال دیا گیا تھا کیونکہ چندہ کی اپیلیں کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ مگر بغیر کسی اپیل کے شرکائے اجتماع

نے از خود اپنی فرض شناسی اور احساسِ ذمّہ داری کے تحت اجتماع کے دنوں میں جو رقوم بیت المال میں داخل کرائیں ان کا مجموعہ مصارفِ اجتماع سے بہت زیادہ تھا۔

جماعت کے ہمدردوں اور کرم فرماؤں سے معذرت

جو حضرات ہمارے کام سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں یا اسے سمجھنے کے خواہشمند ہیں ان کی طرف سے یہ شکایت اور بجا شکایت کی گئی ہے کہ ہم نے اپنے اجتماعات میں زائرین (Visitors) کو شرکت سے کیوں روک دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اپنے سب خیر اندیشوں سے معافی کے خواستگار ہیں۔ یقیناً ہم خود اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے کام کو سمجھنا چاہتے ہوں وہ ہمارے اجتماعات کی کارروائیوں کو ملاحظہ کریں۔ مگر مجبوری یہ درپیش تھی کہ دارالاسلام کی بستی مختصر سی چند عمارتوں پر مشتمل ہے اور اطراف و نواح میں کوئی دوسری بستی بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں زیادہ مہمانوں کے لیے انتظام کرنا بہت مشکل تھا۔ ارکین جماعت کا معاملہ تو دیگر ہے۔ وہ تو اپنے کام کے لیے آرہے تھے اور قیام و طعام کے سلسلہ کی ہر تکلیف کو بخوشی گوارا کر سکتے تھے۔ ان کے لیے نہ تو مزدور بن کر کام کرنے میں عار تھی۔ نہ بستر اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلنے میں تکلیف محسوس کرتے تھے۔ نہ بھوکا رہنا ان کے لیے گراں تھا اور نہ وہ کسی میزبان کی خدمت کے محتاج تھے۔ مگر ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ جماعت کے باہر کے لوگ یہاں آئیں اور انہیں کسی قسم کی تکلیف ہو۔ پھر یہ مشکلات دارالاسلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ دہلی اور حیدرآباد کے منتظمین اجتماع کو بھی کوئی نہ کوئی انتظامی مشکل درپیش ہے۔ کہیں راشن بندی کی وجہ سے اور کہیں

کسی دوسری وجہ سے۔ حالات کی رفتار بتاتی ہے کہ شاید اس قسم کی مشکلات ابھی دیر تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ اس لیے ہم کچھ مدت تک کے لیے ہمدردوں سے پیشگی اور یکبارگی معذرت طلب کرتے ہیں۔

رُودادِ جماعتِ اسلامی

حصہ سوم

مرتبہ

شعبۂ تنظیمِ جماعت

شعبہ نشرواشاعت جماعتِ اسلامی پاکستان

منصورہ ——— لاہور

نام مضمون	صفحہ

نام مضمون	صفحہ

جماعت اسلامی کے

پہلے کل ہند[1] اجتماع کی روداد

اخبار "کوثر" لاہور کے ذریعہ سے اعلان کیا گیا تھا کہ دار الاسلام (پٹھان کوٹ، پنجاب) میں ۶، ۷، ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ (مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۴۵ء) کو بروز جمعرات، جمعہ، ہفتہ کل ہندوستان کے ارکانِ جماعتِ اسلامی کا اجتماع منعقد ہوگا۔ جس میں تمام ارکانِ جماعت کو شریک ہونا چاہیے الّا یہ کہ کسی کو کوئی عذرِ شرعی مانع ہو۔ نیز یہ کہ اگر ہمدردانِ جماعت میں سے بھی کوئی حضرات ہمارے کام کا قریبی مطالعہ کرنا چاہیں تو تشریف لا سکتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸ اپریل ۱۹۴۵ء کی رات تک بیشتر ارکان اور ہمدرد تشریف لے آئے اور باقی ۱۹ اپریل کی صبح کی گاڑی اور بسوں سے پہنچ گئے۔ شرکاء اجتماع کی جملہ تعداد آٹھ سو سے زیادہ تھی۔ ٹھہرنے کا انتظام مقامی مسجد، دفاتر، دوسری عمارات اور کچھ کیمپوں اور سائبانوں میں تھا۔ مجمع کی کثرت کے پیشِ نظر لاؤڈ سپیکر اور عارضی طور پر بجلی کی روشنی کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا۔

[1] اس وقت ہندوستان تقسیم نہیں ہوا تھا۔

اجلاس اوّل

(۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ر اپریل ۱۹۴۵ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر)۔

حسب پروگرام امیرِ جماعت کی طرف سے قیم جماعت نے حاضرین سے درخواست کی کہ وہ مسجد دارالاسلام میں جمع ہوجائیں تاکہ پروگرام کے مطابق اجتماع کی کارروائی شروع ہو۔ چند ہی منٹ بعد سب لوگ مجمع کے وسط میں منبر پہ بیٹھے ہوئے امیرِ جماعت کے لبوں پر نظر جمائے ہمہ تن گوش بنے بیٹھے تھے۔ اور اس ایک ہزار کے مجمع میں چاروں طرف بالکل سناٹا تھا۔

امیرِ جماعت اٹھے اور خطبہ مسنونہ کے بعد اپنی افتتاحی تقریر سے اجتماع کا آغاز فرمایا۔

امیرِ جماعت کی افتتاحی تقریر :

(تمہید کے بعد) دوستو اور رفیقو! آپ کو غالباً یاد ہوگا کہ جس اجتماع میں جماعت کی تشکیل کی گئی تھی اس میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ جماعت کا اجتماع عام ہر سال کیا جاتا رہے گا۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ جنگی حالات نے مجبور کر دیا تھا۔ گذشتہ پونے چار سال

سے ہم کوئی اجتماع عام نہ کر سکے ۔ اگرچہ اس دوران میں حلقہ وار اجتماعات کئے جاتے رہے اور ان کی رپورٹیں بھی شائع ہوتی رہیں جن سے ایک بڑی حد تک جماعت کو زندگی کی وہ حرکت اور عمل کے لئے وہ روشنی ملتی رہی جس کے لئے اجتماع عام کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن اس کے باوجود اجتماع عام بہر حال ضروری تھا اور حلقہ وار اجتماعات اس کی جگہ نہیں لے سکتے تھے اسی وجہ سے مجھے آخر کار یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ جنگی مشکلات خواہ کتنی ہی ہوں اور لوگوں کو دور دراز سے آنے میں خواہ کتنی ہی زحمتیں برداشت کرنی پڑیں اب یہ اجتماع ضرور منعقد ہونا چاہیئے ۔

میں آپ حضرات کا بہت شکر گذار ہوں کہ آپ میری طرف سے دعوت کی ایک ہی صدا سُن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے موجودہ زمانے کے پُر صعوبت سفر کی تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے یہاں جمع ہو گئے ۔ اس طرح میری آواز پر لبیک کہہ کر آپ نے میری طاقت میں بھی اضافہ کیا اور اپنی طاقت میں بھی ۔ ایسا نہ کرتے تو میں اپنی جگہ کمزور ہو جاتا اور آپ اپنی جگہ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ ہماری یہ تحریک جو ایک بہت بڑے عزم کا اظہار ہے ۔ خود بخود ٹھٹھر کر رہ جاتی ۔ آپ جب کسی شخص کو کسی مقصدِ عظیم کے لئے خود اپنا امیر بناتے ہیں تو اس اطاعت کر کے دراصل اپنی ہی طاقت کو مضبوط کرتے ہیں ۔ جس قدر زیادہ آپ کے اندر انانیت و خود پسندی ہوگی اور جتنی کم اطاعت کا اظہار آپ سے ہوگا اتنا ہی آپ کا اپنا بنایا ہوا امیر کمزور ہوگا اور اسی قدر اس کی کمزوری کی وجہ سے آپ کی جماعتی طاقت ضعیف ہوگی ۔ اور اس کے برعکس جس قدر زیادہ آپ کے قلب و دماغ پر اپنے مقصد کا عشق حاوی ہوگا ۔ اور اس عشق میں جتنا زیادہ آپ اپنی خودی کو فنا کریں گے اور جتنی زیادہ

اپنے مقصد کی خاطر اطاعت امر کا صدور آپ سے ہوگا۔ اسی قدر زیادہ آپ کا مرکز قوی ہوگا اور آپ کی جماعتی طاقت زبردست ہوگی۔ میں یہ دیکھ کر اکثر اپنی جگہ خوش ہوتا ہوں کہ ہماری اس جماعت میں شخصیت پرستی اور ذہنی غلامی موجود نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کے اندر اچھی خاصی نقادانہ نظر موجود ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آپ کی تنقیدی نگاہیں خود میرے اوپر پڑتی ہیں۔ لیکن یہ خیال رکھیئے کہ جتنی کڑی تنقیدی نگاہ آپ مجھ پر ڈالتے ہیں اور آپ کا فرض ہے کہ ایسا کریں، اتنی ہی کڑی تنقیدی نگاہ میں بھی آپ پر ڈالتا ہوں اور میرا بھی یہ فرض ہے کہ ایسا کروں۔ آپ سے امر کی اطاعت اور ضابطے کی پابندی اور رضاکارانہ خدمت کی ادائیگی میں جتنی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اتنا ہی میں اپنے آپ کو بے بس پاتا ہوں اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایسی بندوقوں سے کام لے رہا ہوں جو لبلبی دبانے پر بھی فائر نہیں کرتیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے ہتھیاروں کو لے کر کون ایسا نادان ہوگا جو کسی بڑے اقدام کا ارادہ کر بیٹھے۔ برعکس اس کے جب میں آپ کے اندر اطاعت اور تطوع اور باضابطگی کے اوصاف پاتا ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ ایک آواز پر آپ جمع کیے جا سکتے ہیں۔ ایک اشارے پر آپ حرکت کر سکتے ہیں۔ اور خود اپنے دل کی لگن سے آپ اس کام کو کرتے رہتے ہیں جو آپ کے سپرد کیا جائے تو میرا دل قوی اور میری ہمت بلند ہونے لگتی ہے اور میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اب مجھے وہ طاقت حاصل ہو رہی ہے جس سے میں اس مقصد عظیم کے لئے کچھ زیادہ کام کر سکوں۔

اب میں اس افتتاحی خطاب میں وہ چند باتیں مختصر طور پر آپ سے کہہ دینا چاہتا ہوں جنہیں آغاز میں بیان کرنے کی ضرورت ہے:۔

(۱) آپ کے اجتماعات میں خواہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو مگر خیال رکھیئے کہ بھیڑ، دھڑ لونگ اور شور و ہنگامہ کی کیفیت کبھی رونما نہ ہونی چاہیئے۔ اگرچہ اس طرح کی کوئی چیز ابھی تک میں نے محسوس نہیں کی ہے۔ مگر پھر بھی آپ کو اس طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ جو کام ہم نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے یعنی اخلاقی اصولوں پر دنیا کی اصلاح کرنا اور دنیا کے نظم کو درست کرنا، اس کا تقاضا ہے کہ اخلاقی حیثیت سے ہم اپنے آپ کو دنیا کا صالح ترین گروہ ثابت کر دکھائیں جس طرح ہمیں دنیا کے موجودہ بگاڑ پر تنقید کرنے کا حق ہے اسی طرح دنیا کو بھی یہ دیکھنے کا حق ہے کہ ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر کیسے رہتے ہیں۔ کیا برتاؤ کرتے ہیں، کس طرح جمع ہوتے ہیں۔ اور کس طرح اپنے اجتماعات کا انتظام کرتے ہیں؟ اگر دنیا نے دیکھا کہ ہمارے اجتماعات میں بدنظمی ہے، ہمارے مجمعوں میں انتشار اور شور و غل ہوتا ہے، ہمارے رہنے اور بیٹھنے کی جگہیں بدسلیقگی کا منظر پیش کرتی ہیں، جہاں ہم کھانے بیٹھتے ہیں وہاں آس پاس کا سارا ماحول غلیظ اور گندہ ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ہم مشورے کے لئے جمع ہوتے ہیں وہاں ٹھٹھے، مذاق، قہقہے اور جھگڑے برپا ہوتے ہیں۔ اور بے قاعدہ حرکات کی نمائش ہوتی ہے تو دنیا ہم سے اور ہمارے ہاتھوں ہونے والی "اصلاح" سے خدا کی پناہ مانگے گی اور یہ محسوس کرے گی کہ اگر کہیں زمین کا انتظام ان لوگوں کے ہاتھ میں آگیا تو یہ ساری زمین کو ویسا ہی کرکے چھوڑیں گے جیسے یہ خود ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اجتماعات کے دوران میں نظم، باقاعدگی، سنجیدگی و وقار، صفائی و طہارت اور حسن اخلاق اور خوش سلیقگی کا ایسا مکمل مظاہرہ کریں جو دنیا میں نمونہ بن سکے۔ آپ کے ہاں خواہ ہزاروں آدمی جمع ہوں لیکن کوئی شور و غل برپا نہ ہونے پائے، کسی طرف غلاظت اور گندگی نہ پھیلے،

کسی قسم کے نزاعات اور جھگڑے نہ برپا ہوں، کہیں بھیڑ اور ریلڑ کی کیفیت نظر نہ آئے۔ ایک منظم گروہ کی طرح اُٹھئے اور بیٹھئے اور کھائیے اور جمع ہوجئے اور منتشر ہو جائیے۔ آپ میں سے جن لوگوں نے حدیث کا مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لحاظ سے اپنی جماعت کو کتنا سنجیدہ، باوقار، مہذب اور منضبط بنایا تھا اور اسلامی جماعت کے عرب پر چھا جانے میں اس کیفیت کا کتنا بڑا دخل تھا۔ ایک طرف مشرکین عرب کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک چھوٹا سا دستہ بھی اگر کسی علاقے سے گزر جاتا تھا تو شور محشر برپا ہو جاتا، دوسری طرف صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ ان کے بڑے سے بڑے لشکر بھی منزلوں پر منزلیں طے کرتے چلے جاتے تھے اور کوئی ہنگامہ برپا نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جہاد میں صحابہ کرام نے صورت حال سے متاثر ہو کر اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے۔ تو حضور نے فرمایا کہ جس کو تم پکار رہے ہو وہ بہرہ نہیں ہے۔ یہی باوقار دبدبہ تھا جس کی تربیت دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر لے کر چلے تو اہل مکہ کو اس وقت تک کانوں کان آپ کے آنے کی خبر نہ ہو سکی جب تک کہ آپ نے خود ہی ان کے عین سر پر پہنچ کر آگ روشن کرنے کا حکم نہ دیا۔ اسی روش کی تقلید ہمیں بھی کرنی چاہیئے۔ اور ہمارے اجتماعات میں بھی زیادہ سے زیادہ اسی شان کی جھلک نظر آنی چاہیئے۔

(۲) دوسری بات جو میں آپ کے اجتماعات کی خصوصیت دیکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں آپ جمع ہوں وہاں دیانت و امانت بالکل ایک محسوس و مشہود شکل میں نظر آنی چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں کسی شخص کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیئے

کسی اہتمام کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جس کا مال اور سامان جہاں رکھا ہو وہاں بغیر کسی نگران اور محافظ اور قفل اور کنجی کے محفوظ پڑا رہے، کسی کی چیز جہاں گری ہو وہیں وہ اس کو آکر پالے، اور اگر کہیں کوئی دکان یا سٹال ہو تو فروخت کنندہ کے بغیر اس کا مال ٹھیک ٹھیک فروخت ہو، جو شخص کوئی چیز لے وہ ٹھیک حساب سے اس کی قیمت وہیں رکھ دے خواہ بیچنے والا وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔

(۳) تیسری بات آپ کی جماعت کے منصبِ امارت سے متعلق ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب جماعت بنی تھی اور آپ نے مجھے امیر منتخب کیا تھا تو میں نے آپ سے مطالبہ کے بغیر خود یہ وعدہ کیا تھا کہ ہر اجتماع میں یہ اعلان کرتا رہوں گا کہ اگر اب آپ کو کوئی مجھ سے اہل تر آدمی مل گیا ہو تو میں جگہ خالی کرنے کے لئے تیار ہوں، آپ اس کو امیر منتخب کر لیں، چونکہ اس کے بعد کوئی اجتماع عام منعقد نہ ہوا اس لئے میں اپنے اس وعدہ کو بھی پورا نہ کر سکا۔ آج یہ پہلا اجتماع ہے اور میں اپنے وعدہ کے مطابق یہ اعلان کرتا ہوں میں یہ تو ضرور چاہتا ہوں کہ دوسرا شخص اس منصب کو سنبھالے اور میں اس کی اطاعت کر کے بتاؤں کہ امیر کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیئے، مگر میرے اس اعلان کے معنی یہ نہ لئے جائیں کہ میں خود پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ اور اس کام کو انجام دینے سے جی چرانا چاہتا ہوں۔ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ نہ میں اس منصب کا خواہش مند ہوں۔ نہ کسی اہل آدمی کے آنے میں مانع ہوں اور نہ اپنی ذات کو اس تحریک کی ترقی اور اس جماعت کی بہتری کی راہ میں روڑا بنانا چاہتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ اگر کوئی اس کام کو انجام دینے کے لئے آگے نہ بڑھے گا، تو میں بڑھوں گا اور اپنی نااہلی جاننے کے باوجود میں اس کے لئے تیار نہیں ہوں کہ نہ میں کام کروں اور نہ کوئی

اور۔ لہذا جب تک مجھے خود کوئی اہل تر آدمی نہیں ملتا اور جب تک آپ بھی کسی موزوں تر آدمی کو نہیں پاتے اس وقت تک میں اس کام کو کرتا رہوں گا۔ اور خواہ مجھے کیسی ہی زحمتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ بہر حال اس جھنڈے کو میں خود اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔

اس کے ساتھ میں یہ اعلان بھی کر دینا چاہتا ہوں کہ پچھلے تین سال کے دوران میں اگر کسی کو مجھ سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہو کسی کا حق ادا کرنے میں یا کسی کے ساتھ انصاف کرنے میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو۔ یا کسی نے میرے کام میں کوئی غلطی پائی ہو تو بے تکلف اس کا اظہار کرے۔ خواہ شخصی طور پر میرے سامنے، خواہ پوری جماعت کے سامنے۔ میں نہ کسی شکایت کے پیش ہونے میں کوئی رکاوٹ ڈالوں گا، نہ اپنی کسی غلطی یا قصور کے اعتراف میں مجھے کوئی باک ہوگا، اور نہ اپنی اصلاح میں یا کسی جائز شکایت کی تلافی میں ذرہ برابر تامل کروں گا۔ البتہ اگر کوئی شکایت کسی غلط فہمی پر مبنی ہوگی تو اسے صاف کر دوں گا۔ تاکہ اس کام میں میرے اور رفقاء جماعت کے درمیان تکدر باقی نہ رہے۔

اس افتتاحی تقریر کے بعد امیر جماعت نے قیم جماعت (طفیل محمد) کو اپنی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا، اور انہوں نے تشکیلِ جماعت سے لے کر اس اجتماع تک کی رودادِ جماعت پیش کی جو درج ذیل ہے۔

روداد جماعتِ اسلامی

از تشکیلِ جماعت تا ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء

(میاں طفیل محمد۔ قیم جماعت اسلامی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

امیر جماعت، رفقائے محترم اور معزز حاضرین! آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا نصب العین اور واحد مقصدِ زندگی اس دنیا میں "حکومت الٰہیہ" کے قیام کی سعی اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی انفرادی یا اجتماعی، سیاسی یا تمدنی، معاشی یا کسی دوسری حیثیت میں بھی سوائے اپنے رب اور اللہ واحد کے اور کسی کا بندہ بن کر نہ رہے بلکہ اپنی پوری کی پوری زندگی اور اس کے سارے معاملات اطاعتِ الٰہی میں دے دے اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو بھی یہی راہ عملاً اختیار کرنے کے لئے آمادہ کرے، کیونکہ بندگی کا تقاضا یہی ہے اور دنیا میں امن و سلامتی اور آخرت میں فوز و کامیابی کی یہی ایک واحد راہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ ہم وہی مقصد اور دعوت لے کر اٹھے ہیں جو آدمؑ

سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام لے کر دنیا میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ اس راہ کو ہم نے کسی جدّت پسندی یا محض ایک نئی تحریک چلانے کے لئے اختیار نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا ہے کہ اللہ کی الوہیت (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) اور محمدؐ کی رسالت (محمد رسول اللّٰہ) کے اقرار کے معنی ہی اس راہ کو عملاً اختیار کر کے چل پڑنے کے ہیں۔ کلمہ طیبہ کا اقرار اور اقامتِ دین کی جدوجہد سے انحراف ایک دوسرے کے عین ضد ہیں۔

اس دعوت کو عملاً لے کر اٹھنے، اسے اپنے دوسرے بھائیوں تک پہنچانے اور اس سے متاثر حضرات کو سمیٹنے اور جذب کرنے کا صحیح اور بہترین طریقہ یقیناً وہی ہو سکتا ہے جو ابتدا سے آخر تک اس دعوت کے اصل علمبردار یعنی انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں اختیار کرتے رہے۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ وہ طریقہ ایک ہی ہے اور وہی ایک طریقہ بلا استثناء ہر زمانے میں اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ اسی طریقہ کار کو ہم نے اختیار کیا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریق کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں۔ ہم اپنے عمل کے لحاظ سے تو کسی بلندی و بزرگی کے مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ نہیں رکھتے، مگر اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ ہم اپنی اس دعوت، اس کے مقتضیات و مطالبات اور اس کے طریق کار کے لئے انبیاء علیہم السّلام ہی کی پیروی و قائم مقامی کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں اور ہمارا مسلک یہی ہے کہ ان تمام امور میں اپنے عقل و فہم کی حد تک ہر معاملے اور ہر مرحلے پر کتاب و سنت ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں سے کسی پر پورا نہ اترنا ہماری بشری کمزوری، کم علمی اور نادانی کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے لیکن دیدہ دلیری،

ڈھٹائی، تعصب اور خدا اور رسول کے سوا کسی غیر کی عقیدت مندی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جماعت کے اندر اور باہر سب انسانوں پر ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ہم میں یا ہم ہیں سے کسی میں کوئی کجی یا قابلِ اعتراض بات پائیں یا محسوس کریں تو اسے فتنے کا ذریعہ بنانے کے بجائے خاموشی کے ساتھ بلا مبالغہ اور بلا طعن و تشنیع اپنے کمزور بھائی یا بھائیوں پر اس کو واضح کر دیں اور برادرانہ نرمی اور ہمدردی سے اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰۃُ الْمُسْلِمِ ؕ[1] کا یہی مطلب ہے۔

ہماری اس دعوت اور طریقِ کار کا یہ فطری تقاضا ہے کہ اس میں دکھاوے یا نمائش یا مبالغے کی کوئی جھلک بھی نہ پائی جائے۔ کیونکہ یہ چیزیں عمل صالح کو اسی طرح ضائع کر دیتی ہیں۔ جس طرح دودھ کو کھٹائی ضائع کر دیتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ریا اور نمائش کے جذبات سے محفوظ رکھے۔ اس کے علاوہ چونکہ اس زمانہ میں نمائش اور مبالغہ اور مظاہرہ تقریباً ہر تحریک کے اٹھانے اور چلانے کا لازمی ذریعہ بن گئے ہیں اور ماحول کے اس ہمہ گیر اثر سے ہمارے رفقار کا متاثر ہونا بعید نہیں ہے اس لئے بھی ہم اس سلسلہ میں بہت زیادہ محتاط رہتے ہیں۔ اور اپنے اجتماعات تک کی کارروائی کو بلا اشد ضرورت کے شائع نہیں کرتے اور وہ بھی صرف اپنے ارکان اور ہمدردوں ہی کے درمیان محدود رکھتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ایک امر واقع ہے کہ اگر ارکان اور ہمدردانِ جماعت تحریک کی رفتار سے وقتاً فوقتاً مطلع نہ ہوتے رہیں تو ایک عام جمود، بددلی اور مایوسی طاری ہو جانے

---

[1] ایک مسلم دوسرے مسلم کا آئینہ ہے۔

کا قوی احتمال پیدا ہو جاتا ہے۔ خصوصاً اس مرحلہ پر جب کہ جماعت اور ارکان سب کے سب ابتدائی حالت میں ہیں، نظام باطل اپنے پورے قہر و غلبہ کے ساتھ پوری دنیا پر مسلط ہے اور ہمارے ارباب علم و فضل کا وہ مختصر اور منتشر گروہ بھی، جسے اس عالمگیر تاریکی کے زمانہ میں اُمتِ وسط اور شہداء اللہ کے فرائض سرانجام دینے چاہیئے تھے، دعوتِ حق میں شریک ہونے کی بجائے اہل باطل اور فُساق و فجار کی قیادت و رہنمائی میں نہ صرف اپنے جان و مال اور دل و دماغ کی قوتیں ہی ضائع کر رہا ہے بلکہ عامۃ المسلمین کی گمراہی و ضلالت اور فسق و فجور کا بار بھی اپنے سر پر لے رہا ہے۔ اگر ارکان جماعت اور ہمدردوں کو وقتاً فوقتاً تحریک کی رفتار سے باخبر نہ کیا جاتا رہے تو وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ شاید جماعت میں کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے اور اس سے ایک عام سرد مہری اور مُردنی چھا جاتی ہے۔ اس لئے اجتماعات کے مواقع پر ارکان اور ہمدردانِ جماعت کو کام کی رفتار سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے صرف یہی فائدہ نہیں کہ مرکز سے دور رہنے والے رفقار جماعت کی کارروائیوں سے مطلع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ رفقار اور ہمدردوں کو ہمارے کام پر تنقید کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور ہمیں ان کے نیک اور مفید مشوروں سے مستفید ہونے کا۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے اب میں تشکیل جماعت سے اب تک کی جماعت کے کام کی مختصر رپورٹ پیش کرتا ہوں کیونکہ تشکیل جماعت کے بعد پوری جماعت کا یہ پہلا ہی اجتماع عام منعقد ہو رہا ہے۔

تشکیلِ جماعت

جماعت اسلامی کی تشکیل ۳ر شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۶ر اگست ۱۹۴۱ء کو ہوئی اس کے متعلق مفصل معلومات "روداد جماعت اسلامی" حصہ اول میں موجود ہیں۔ تشکیل

جماعت کے وقت اس میں شریک ہونے والے حضرات کی کل تعداد صرف ۷۵ تھی۔ دو تین سال کے اندر ہی یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ساڑھے سات سو تک پہنچ گئی۔ لیکن شعبہ تنظیم کے باقاعدہ قائم نہ ہوسکنے کی وجہ سے ارکان اور مرکز کے درمیان کسی خاطر خواہ ربط کا انتظام نہ ہوسکا اور نہ امیر جماعت یا دوسرے ذمہ دار کارکنوں ہی کو ارکان کی جانچ پڑتال اور نگرانی کے کوئی تسلی بخش ذرائع میسر آسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے لوگ جماعت میں شریک ہوگئے جن کو اب ہم غالباً اپنے قریبی ہمدردوں میں بھی شریک نہ کرسکیں۔

"شعبہ تنظیم" قائم نہ ہوسکنے کی وجہ ایک تو کارکنوں کی قلت تھی اور دوسرے جماعت کی مالی حالت کی کمزوری تقریباً انہی دو وجوہ سے یہ سلسلہ اسی طرح پونے تین سال تک چلتا رہا۔ آخرکار گذشتہ سال جب ۲۶-۲۷ر مارچ ۱۹۴۴ء کو صوبہ پنجاب، سندھ، سرحد، کشمیر اور بلوچستان کے ارکان جماعت کا اجتماع یہاں دارالاسلام میں منعقد ہوا تو شعبہ تنظیم کے باقاعدہ قیام کی ضرورت کو مختلف جماعتوں اور ارکان کی طرف سے بڑے زور سے پیش کیا گیا اور امیر جماعت نے بھی فرمایا کہ وہ اس ضرورت کو ابتدا ہی سے محسوس کررہے ہیں۔ چنانچہ یہ تجویز منظور ہوکر شعبہ تنظیم کے باقاعدہ قیام کا فیصلہ ہوگیا۔ اور ۱۷ر اپریل ۱۹۴۴ء کو یہ شعبہ عملاً قائم کردیا گیا۔

مقامی جماعتوں اور ارکان کی تعداد

شعبہ تنظیم کے قیام کے وقت سارے ملک میں مقامی جماعتوں کی تعداد ۷۳ تھی جن میں سے کچھ جماعتیں جماعتی نقطۂ نظر سے صفر ہوچکی تھیں اور انہیں بعد میں ختم ہی کردینا پڑا۔ ملک کے مختلف حصوں میں ارکان کی تعداد اندازاً ساڑھے سات سو پچاس تھی، اگر

ان کے باقاعدہ اندراج کا کوئی انتظام نہ تھا۔ نیز ان جماعتوں اور منفرد ارکان میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی بھی بھرتی ہوگئی تھی جنہوں نے محض جماعت کے لٹریچر کی پسندیدگی یا محض نصب العین سے نظری اتفاق ہی کو رکنیت کے لئے کافی سمجھ رکھا تھا، یا پھر جنہوں نے اس سے کچھ زائد بھی سمجھا تھا تو وہ مرکز کے ساتھ ربط کا کوئی مستقل ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے سرد پڑتے پڑتے بالکل ابتدائی سطح پر پہنچ گئے تھے۔ شعبۂ تنظیم کے قائم ہونے پر مقامی جماعتوں اور ارکان کی جانچ پڑتال شروع ہوئی۔ چنانچہ ایک سال کی مسلسل کاٹ چھانٹ کے بعد اب ارکان کی مجموعی تعداد ساڑھے چار سو سے بھی کم رہ گئی ہے۔ اور ابھی اس چھانٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض جماعتوں کو بھی ان کی سُترھری اور کم سے کم جماعتی اوصاف اور معیار کارکردگی سے نیچے گر جانے کی وجہ سے توڑ دینا پڑا۔ الحمد للہ کہ اس کے باوجود مقامی جماعتوں کی تعداد ۷۰ سے بڑھ کر ۷۵ ہوگئی ہے۔

یہ سب ہم نے اس لئے کیا کہ ہمارے پیش نظر کوئی بھیڑ جمع کر کے دوسروں کو مرعوب کرنا یا کسی کونسل یا کارپوریشن میں اپنی نشستوں میں اضافہ کروانا نہیں ہے بلکہ کچھ ایسے مردانِ کار کا تیار کرنا ہے جو اہلِ دنیا کو مسلمانوں کی طرح جینا اور مرنا سکھا سکیں اور ان بزرگوں اور عوام کو جو یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اسلامی نظامِ زندگی ممکن العمل نہیں ہے، بتا دیں کہ نظامِ اسلامی ہمیشہ کی طرح اب بھی ممکن العمل ہے، صرف عزم اور ایمان کی ضرورت ہے۔

یقین رکھیے کہ جس قسم کے کارکن ہم تیار کرنا چاہتے ہیں اور جس قسم کی تربیت ان کے لئے ضروری ہے اس کے لئے یہ تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور اپنے موجودہ ذرائع اور شاخ کے ساتھ ہم اس تعداد ارکان کے ساتھ بھی وہ ربط اور قریبی تعلق پیدا نہیں کر سکتے جو اس بارے میں ہونا چاہیئے۔ ہمیں تو اپنے حلال خورسے لے کر امیر جماعت

تک سب کے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے اور ایک ہی جنون رکھنے والے کارکن درکار ہیں۔ اس لئے ہمیں بہت احتیاط سے ارکان کو لینا اور جماعت میں رکھنا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ہم سے ایک مرتبہ وابستہ ہو جائیں ہم آخری حد تک اور پوری ہمدردی اور پدرانہ شفقت کے ساتھ ان کو اپنے ساتھ لگائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی کمزوریوں اور خامیوں کو بھی تا حدِ امکان حکیمانہ طور پر دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہو جائے کہ اب اصلاح کی توقع نہیں رہی یا وہ کم سے کم معیارِ رکنیتِ جماعت سے بھی نیچے گر گئے ہیں تو ہم انہیں اسی حسرت و تکلیف کے ساتھ الگ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کسی عضوِ جسمانی کے سڑ جانے پر باقی جسم کی حفاظت و بقا کے لئے ہر ہوش مند انسان اسے کٹوا دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں بھی ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم ایسے اصحاب کو از خود علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور اب تک تقریباً سارے کے سارے لوگ اسی طریقہ سے الگ ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے اپنی خامی یا کمزوری کا احساس نہ ہو اور رکنیت سے علیحدگی اختیار کرنے کے باوجود اب ہمارے قریبی حلقہ ہمدردان میں شامل نہ ہو۔

مقامی جماعتوں اور ارکان کی عام حالت

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ارکان کی موجودہ تعداد سوا چار سو (۴۲۵) اور ساڑھے چار سو (۴۵۰) کے درمیان ہے اور جماعتوں کی کل تعداد تریپن (۵۳) ہے۔ ان میں سے نصف سے زائد ارکان اور جماعتیں اس درجہ پختہ ہیں کہ کسی نہ کسی حد تک وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں اور اگر مہینوں انہیں چھوڑ دیا جائے تو وہ خود بخود اپنی ذمہ داری پر کام کرتے

رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ معیارِ مطلوب سے ابھی بہت دور ہیں اور توقع نہیں کہ ان میں سے کوئی بھی پاور ہاؤس تو کیا ایک سب اسٹیشن کا کام بھی دے سکے۔ ہر رکن اور جماعت کو زیادہ سے زیادہ اس طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ پر خود کفیل (Self Sufficient) ہو کر کام کر سکے۔

جماعت میں شرکت کا معیار و طریقہ

تحریک کے اس مرحلہ پر ہمارے پیشِ نظر ایسے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے ارکان اور ہمدردوں میں جذب کر لینا ہے جو صحیح معنوں میں سوسائٹی کا مکھن (Cream of Society) کہلا سکتے ہوں ــــــ مادی یا دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے نہیں بلکہ دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے۔ اس وقت ہمیں خاص طور پر ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو خدیجۃؓ الکبریٰ اور صدیقؓ اکبر کی طرح اس دعوتِ حق کو سنیں اور سرتاپا اس میں شریک ہو جائیں گویا وہ اب تک اسی کی تلاش میں تھے۔

چنانچہ اب کسی کو جماعت میں شریک کرنے سے پہلے حسبِ ذیل امور کے متعلق خاص طور پر تسلی کر لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۱) یہ کہ انہوں نے ہماری دعوت اور اس کے طریقِ کار کو اور دوسری دعوتوں کو جو ہندوستان[1] میں چل رہی ہیں اور ان کے طریقِ کار کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور وہ ان دونوں کے فرق کو سمجھ کر ہماری طرف کھنچ رہے ہیں۔

(۲) یہ کہ انہوں نے ہماری دعوت سے متاثر ہو کر اخلاقی اور دینی حیثیت سے کوئی

---

[1] اس وقت برِعظیم ہند و پاکستان کی تقسیم واقع نہیں ہوئی تھی۔

نمایاں ترقی کی ہے اور ان کی عملی زندگی میں اس کا نقش صاف طور پر محسوس ہوتا ہے۔

(۳) یہ کہ اس معاملے میں ان کا یہ رویہ (Attitude) منفعلانہ (Passive) نہ ہو بلکہ فاعلانہ (Active) ہو اور وہ اس دعوت کا کام کرنے کے لیے عملاً بے چین نظر آتے ہوں۔

ان چیزوں کا اطمینان کر لینے کے بعد بھی عموماً کئی ماہ ان کو امیدوار کی حیثیت سے رکھا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو رکن جماعت سمجھتے ہوئے کچھ مدت تک کام کریں۔ اس طرح ان کا کام دیکھنے کے بعد ان کو رکن بنانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اگر ان کا تاثر محض وقتی اور ہنگامی ہو تو وہ جماعت کے اندر رہ کر اس کے نظم کو خراب نہ کریں۔

یہی طریقہ ہمارے مقامی ارکان اور جماعتوں کو بھی اختیار کرنا چاہیے۔

ارکان اور ہمدردوں سے کام لینے کا طریقہ

اس وقت ہمارا تمام تر کام رضاکارانہ ہو رہا ہے یعنی کسی سے کوئی کام حکماً نہیں کروایا جاتا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص اس دعوت سے اپنے دلی لگاؤ کی بنا پر اور تجدید ایمان سے اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں کے احساس سے مجبور ہو کر کیا اور کس قدر کام کرتا ہے۔ البتہ بالواسطہ (Indirect) طریق سے مقتضیات ایمان کو اجاگر کرنے اور ادائے شہادت کی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ اس طریقے کے بہت سے فائدے ہیں۔ اولاً یہ کہ اس سے کارکنوں کے اندر غلامانہ ذہنیت کے بجائے داعیانہ جذبات پرورش پاتے ہیں جو ہر انقلابی تحریک کے علمبرداروں کے لئے اساسی اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر کسی ایسی تحریک کے کارکنوں

میں یہ جذبات پیدا نہ ہوں تو اس کا کامیاب ہونا تو درکنار زیادہ عرصہ زندہ رہنا بھی ممکن نہیں۔ ثانیاً یہ کہ اس سے ارکان اور ہمدردوں میں اخلاقی اور ذہنی تغیّر کی رفتار ہر وقت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ اور امیر جماعت کو جماعت کی صحیح قوت اور صلاحیت کا ہر آن ٹھیک اندازہ رہتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ اس سے مختلف ارکان کی درجہ بندی اور ان کی دعوت سے وابستگی کے اندازہ کے لئے کسی لمبی چوڑی تحقیقات کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس بارے میں سارے مدوجزر مسلسل سامنے آتے رہتے ہیں۔

اپنے ہمدردوں کی ہمدردی کا اندازہ بھی ہم ان کے زبانی دعووں سے نہیں بلکہ دعوت کے لئے ان کے کام اور جان و مال اور وقت کے ایثار سے ہی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو اپنے "مسلمان" ہونے کا شعور ہو جائے اور وہ جان لے کہ انبیاء علیہم السلام کا جانشین ہونے کی حیثیت سے دعوتِ حق کو لوگوں تک پہنچانے کی کتنی بڑی ذمہ داری اس کے سر پر ہے اس کے لئے آرام سے بیٹھ رہنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ اور جو اس کے بعد بھی بیٹھا رہتا ہے۔ وہ خود ہی اپنا بے شعور یا ناکارہ ہونا ثابت کر دیتا ہے۔

جماعت کا حلقۂ اثر

ہماری آواز پنجاب کے تقریباً ہر گوشہ میں پہنچ گئی ہے۔ حیدر آباد (دکن) اور مدراس کے بیشتر علاقوں میں اور یوپی اور بہار کے متعدد علاقوں میں پہنچ چکی ہے ان کے بعد بمبئی، سندھ اور صوبہ سرحد کا نمبر آتا ہے۔ صوبہ بنگال میں اب کلکتہ اور اس کے مضافات میں کچھ لٹریچر جانے لگا ہے۔ کلکتہ میں اب تاجرانِ کتب بھی ہمارا لٹریچر منگوا رہے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام پبلک میں اس کی مانگ پیدا ہو رہی

ہے۔ اڑیسہ، وسط ہند، آسام اور بلوچستان میں اس وقت تک ہمارا کام تقریباً صفر کے برابر ہے۔ کہیں کہیں کوئی شخص اِکّا دُکّا کوئی کتاب یا رسالہ منگوا لیتا ہے ورنہ بحیثیت مجموعی یہ سب علاقے ہماری دعوت کے لحاظ سے اب تک بالکل بنجر ہیں۔

بنگال، سندھ اور جنوبی ہند میں سب سے بڑی رکاوٹ زبان کی ہے کہ ان صوبوں میں اُردو زبان جاری نہیں اور ان کی زبانوں میں ہم اب تک لٹریچر تیار نہیں کر سکے۔

جماعت کی طرف آنے والے لوگ

جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے سنجیدہ اور سلیم الطبع لوگ بہت تیزی سے ہماری دعوت اور جماعت کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور ان میں سے جتنے لوگ بھی اب تک نکلے ہیں وہ بہت پختہ اور کار آمد ثابت ہو رہے ہیں۔ عربی درس گاہوں کے لوگ بھی اگرچہ اب ہماری طرف توجہ کرنے لگے ہیں لیکن ان میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے۔ جو کسی نہ کسی کی عقیدت میں پھنسی ہوئی ہے اور ہر بات کو برحق تسلیم کر لینے کے باوجود کسی حضرت صاحب میں اٹک کر رہ جاتی ہے یہ چیز بھی مَیں نے اس ایک سال کے تنظیمی کام میں محسوس کی ہے کہ جس قدر جلدی اور آسانی سے یہ دعوت ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی کو جو طاغوتی نظام کے چکر میں پھنس کر بالکل چکرا نہ ہو گیا ہو، اپیل کرتی اور اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ دشواری عربی خواں حضرات کو اسے محسوس سمجھانے میں پیش آتی ہے۔ بلکہ ہمارے بعض دوستوں کو تو یہاں تک تجربہ ہوا ہے کہ دیہاتی کسانوں کے سامنے اس دعوت کو پیش کیا گیا اور وہ فوراً ہی اس کے انتہائی مقتضیات اور مطالبات کو پا گئے لیکن اچھے اچھے ذی علم اصحاب قال اقول کے

چکر ہی میں پڑے رہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے عربی خواں بھائی ایک تو براہ راست قرآن و حدیث سے دین اخذ کرنے کے بجائے بعض مخصوص رجال سے اپنا دین لینے کے خوگر بنا دیئے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمام گروہی عصبیتوں اور شخصی عقیدتوں کو عین تقاضائے دینداری بنا کر اس طرح ان کے ذہن نشین کر دیا جاتا ہے کہ اس کے بعد وہ اپنے حلقے سے باہر کسی دینداری کے قائل ہی نہیں رہتے۔ اس کے برعکس جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنی ساری برائیوں اور مغرب زدگی کے باوجود یہ خوبی ضرور رکھتا ہے کہ بات کہنے والے منہ کے ساتھ ساتھ بات کے الفاظ و معانی پر بھی غور کرتا ہے اور پھر جب متوجہ ہوتا ہے تو اس یقین کے ساتھ کہ پہلے اس کے پاس جو کچھ تھا وہ غیر اسلام ہی تھا۔ اور اب اسے اپنی پہلی زندگی کی عمارت کو سرتاپا اکھاڑ کر نئی بنیادوں پر تعمیر کرنا ہے۔

ہماری دعوت کے متعلق غیر مسلم حضرات کا تاثر

غیر مسلم اقوام میں اگرچہ ابھی ہم کوئی باقاعدہ کام کرنے کا انتظام نہیں کر سکے لیکن تھوڑا بہت لٹریچر جو اپنے زور سے ان کے اندر گھس رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ہم صحیح طریق پر کام کرتے رہے تو انشاء اللہ وہ تعصب جو غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان ایک مدت دراز تک دنیاوی اور مادی اغراض کے لیے کشمکش برپا رہنے سے پیدا ہو گیا ہے۔ ہماری راہ میں زیادہ حائل نہیں ہو سکے گا اس امر میں تو اب کوئی شبہ نہیں رہا ہے کہ پوری دنیا اس وقت موجودہ نظام زندگی سے بری طرح بیزار ہو چکی ہے اور اپنے مصائب اور مادہ پرستی سے پیدا شدہ پیچیدگیوں کے حل کی تلاش میں بے تابی سے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اس وقت اگر ہم کچھ صالح لوگوں کا ایسا جتھا تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو صحیح معنوں میں حق پرست اور خدا ترس بھی ہو اور

دوسری طرف دنیا کے نظام کو چلانے کی صلاحیت اور قابلیت بھی موجودہ کارپردازوں سے بڑھ کر رکھتا ہو تو دنیا کو ان کی رہنمائی اور قیادت قبول کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ جب کبھی یہ دعوت عام لوگوں کے سامنے (خواہ وہ پیدائشی مسلمان ہوں یا غیر متعصب اور آزاد خیال غیر مسلم) صاف اور واضح الفاظ میں پیش کی گئی تو سب نے بے اختیار اس کے حق ہونے کا اعتراف کیا اور جیسا کہ قرآن کریم نے حق و ہدایت کو "ذکر" یعنی یاددہانی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ان سب مواقع پر ہماری یہ دعوت سب سلیم الفطرت لوگوں کے لئے فی الواقع ان کے اپنے دل کی آواز اور ایک جانی بوجھی لیکن بھولی ہوئی حقیقت معلوم ہوئی۔ بلکہ غیر مسلم حضرات میں سے بعض ایسے بھی ملے جنہوں نے یہاں تک کہا کہ اسے کاش ہندوستان میں یہی اسلام پیش کیا گیا ہوتا اور مسلمان اس پر چلے ہوتے تو آج ہندوستان کا کوئی دوسرا ہی نقشہ ہوتا۔ اور پھر انہوں نے ہمیں یہ بھی یقین دلایا کہ اگر آپ اپنی دعوت میں واقعی ثابت قدم رہے اور آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ صرف حق پرست ہیں اور آپ کی اس سے کوئی ذاتی یا قومی غرض نہیں ہے تو موجودہ مسلمانوں سے بڑھ کر غیر مسلم اس میں شریک ہوں گے۔ لیکن قومی اور نسلی تعصبات کی دیواریں گرنے میں وقت ضرور لگے گا۔

میں اپنے ان رفقاء سے جو غیر مسلم حلقوں میں بھی اثر و رسوخ رکھتے ہوں درخواست کروں گا کہ وہ اپنے پڑھے لکھے غیر مسلم بھائیوں میں "پردہ" "ضبط ولادت" "جبر و قدر" "تنقیحات" "معاشی مسئلہ" اور "سلامتی کا راستہ" وغیرہ کے ذریعہ آہستہ آہستہ کام کا آغاز کریں۔

اسی سلسلے میں ہمارے علمی صلاحیتیں رکھنے والے احباب کو اس امر کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے کہ ہندوستان کی موجودہ تاریخ کو، جو دراصل چند ترک اور افغان بادشاہوں اور ہندو راجاؤں کی باہم ملک گیری اور حصولِ دنیا کی کشمکش تھی مگر جسے اس طرح پیش کیا گیا ہے جیسے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی قومی یا ہندو مذہب اور اسلام کی مذہبی جنگوں اور مناقشات کی پُر درد داستان ہے، اور گویا کہ یہ ہندو راجہ ہندو مذہب کے تسلط کے لئے اور ترک اور افغان بادشاہ دینِ حق کی سربلندی اور اسلامی نظامِ زندگی کے نفاذ کے لئے باہم برسرِ پیکار رہے ہیں، از سرِ نو مرتب کیا جائے۔ اور ان نقصانات کو واضح کیا جائے جو صحیح اسلام کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہونے کی بدولت ہندوستان کے باشندوں کو اٹھانے پڑے۔

موجودہ سیاسی جماعتوں پر ہماری دعوت کا اثر

ہماری دعوت کا اثر صرف مسلم و غیر مسلم افراد پر ہی نہیں پڑ رہا ہے بلکہ ملک کی پوری سیاسی فضا کسی نہ کسی حد تک اس سے متاثر ہو چکی ہے۔ ملک بھر کے پڑھے لکھے طبقے میں اب تھوڑے ہی ایسے لوگ ہوں گے جو "حکومتِ الٰہیہ" "قیامِ دین کی جدوجہد" "اسلامی نظامِ حیات"، "اسلام ایک مکمل اور مستقل نظامِ زندگی ہے" وغیرہ الفاظ اور فقروں سے مانوس نہ ہوں۔ مسلمانوں میں تو یہ دعوت اس قدر مقبول ہو چکی ہے کہ فی الواقع اب ان میں کوئی ایسی تحریک یا جماعت فروغ نہیں پا سکتی جو کم از کم زبان سے قرآنی نظامِ زندگی کے قیام کو اپنا مقصد نہ بتائے۔ حالانکہ اب سے پانچ چھ برس پہلے تک یہ حالت تھی کہ اس نام کو زبان پر لا کر کوئی شخص سیاسی حلقوں میں مضحکہ بنے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض جماعتوں نے تو خواہ زبانی طور پر ہی

سہی، صاف صاف اس مقصد اور نصب العین کو اختیار کرنے کا اعلان کر دیا ہے، اور دوسری اس امر پر مجبور ہو گئی ہیں کہ اس طرف اپنے میلان کا اعلان کریں اور مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کریں کہ آخر کار ان کے سامنے بھی یہی مقصود ہے۔

ہماری دعوت سے متاثر ہونے والوں میں اخلاقی تبدیلیاں

ہماری دعوت کا پہلا اثر جو اس سے متاثر ہونے والے لوگوں پر پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بے مقصد اور اندھے بھینسے کی سی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور با مقصد اور سنجیدہ زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ انہیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس سے قبل انہوں نے کس طرح اپنے اصل مقصد زندگی کو بھلا کر حیوانوں کی طرح محض چرنے چگنے پر اپنی ساری مصروفیتوں اور وسائل کو مرتکز کر رکھا تھا۔ انہیں یہ چیز بری طرح کاٹنے لگتی ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنی ان تمام قوتوں قابلیتوں اور ذرائع و وسائل کو جو دراصل دین حق کی خدمت و سربلندی کے لئے عطا کیے گئے تھے۔ خدمتِ نفس اور غلبۂ طاغوت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اس کے بعد ان کا معیار تقویٰ و خدا پرستی بھی سراسر بدل جاتا ہے اور جن لوگوں کی دینداری اور مذہبیت میں اس سے پہلے اونٹ تک نگل جانے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد ان کے لئے کسی دوسرے کی گز بھر رسی بھی بلا اجازت یا ناحق طور پر لینا ممکن نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ دین اور مذہب کا تصور چند مخصوص مراسم کی حد سے نکل کر پوری زندگی پر چھانے لگتا ہے اور ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں مادی نفع و نقصان سے قطع نظر صرف خدا اور رسول کی پسند اور ناپسند ہی ایک معیارِ رد و قبول رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اب آخرت کی جواب دہی کا خیال ارکان کی زندگی

کے ہر شعبہ میں غالب آرہا ہے۔ حال کی بات ہے کہ ہمارے ایک رفیق جو ملازم ہیں، ایم۔اے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس تیاری کے دوران میں انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے ذہن میں اپنی طاغوتی ملازمت میں ترقی اور بڑے گریڈوں کے خیالات آنے شروع ہو گئے ہیں جو ناجائز اور ایمان کی عین ضد ہیں۔ چنانچہ اس اللہ کے بندے نے اسی بنا پر امتحان کا خیال ہی ترک کر دیا کہ مبادا اس کے بعد شیطان اس پر غلبہ حاصل کر کے کسی فریب میں مبتلا کر دے۔ یہ ایک واقعہ میں نے مثال کے طور پر عرض کیا ہے۔ ورنہ خدا کے فضل سے اب ہمارے ارکان میں صحیح اسلامی تقوے پیدا ہو رہا ہے۔ اور وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پاسداری کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔

نیز جہاں جہاں بھی ہمارا اثر پہنچا ہے اللہ کے فضل سے دین اور دنیا کا فرق مٹتا چلا گیا ہے اور لوگوں کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہے کہ اپنے تمام معاملات اور انتظام دنیا کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے طریقہ پر چلانے ہی کا نام دین ہے۔ اور قیام دین کی جدوجہد میں دانستہ کوتاہی کرنے کے بعد زہد و تقدس کے سارے مظاہر سراسر لاحاصل ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتے۔

ہماری راہ کی رکاوٹیں

ہاں ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ جس تیزی اور خوبی سے یہ کام ہونا چاہیئے تھا اور اب تک جو کچھ ہونا چاہیئے تھا اس کے لحاظ سے ابھی بہت کمی ہے اور کام کی عام رفتار بھی بہت سست ہے۔ لیکن اس کی ذمہ داری اگر ایک طرف کارکنوں

کی اپنی کمزوری اور ناتجربہ کاری پر ہے تو دوسری طرف بہت سے ایسے وجوہ بھی ہیں جن پر ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار نہیں بخشا۔ اپنی کوتاہیوں کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں اور ان کو دور کرنے کی توفیق اور ہمت طلب کرتے ہیں اور جو ہماری دسترس سے باہر ہیں ان پر اختیار کے لئے دعا اور کوشش کرتے ہیں۔

اس بارے میں ہماری سب سے بڑی مشکل اور رکاوٹ مردان کار اور صحیح قسم کے کارکنوں کی کمی ہے۔ دنیا کی سب تحریکیں اور ان کے بڑے سے بڑے کام کرائے پر کروائے جاسکتے ہیں مگر اس دعوت کا مزاج ہی کچھ اللہ تعالیٰ نے ایسا رکھا ہے کہ جہاں اس میں کرایہ کے آدمی داخل ہوئے وہیں یہ مرجھا گئی۔ ہمارے ارکان اور بیشتر کارکن تقریباً ہر لحاظ سے ابھی ابتدائی حالت میں ہیں اگرچہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو کافی تیزی سے اصلاح قبول کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی جس عزم، ہمت، قابلیت، اخلاقی پختگی اور ایمانی قوت کی اس کام کو پروان چڑھانے کے لئے ضرورت ہے ان کے پیدا ہونے میں کافی دیر لگے گی۔ انسان بہرحال انسان ہیں، بدلتے بدلتے ہی بدلیں گے، ان کو اینٹ پتھر کی طرح ہتھوڑے مار مار کر فوراً مطلوبہ شکل نہیں دی جاسکتی۔ ایک چھوٹے سے چھوٹے پودے کے پروان چڑھنے اور برگ وبار لانے کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے ایک مدت رکھی ہے۔ اور پھر انسان تو قوانین طبعی کے سامنے مجبور محض ہونے کے بجائے نفسانی خواہشات اور دوسری بشری کمزوریاں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ جو کارعظیم میرے سپرد کیا گیا ہے اس کے لئے جس علم وحکمت، قابلیت، تجربہ اور معاملہ فہمی کی ضرورت ہے اس کا

عشر عشیر بھی میں اپنے اندر نہیں پاتا ہوں۔

جماعت ابھی اس امر کا انتظام کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکی کہ اپنی تجویز کے مطابق مرکز میں تربیت گاہ قائم کر کے ارکان اور کارکنوں کی تربیت کا انتظام کرے۔ اس کی بڑی وجہ یہاں پر جگہ (Accomodation.) کی قلت ہے۔

اور پھر چونکہ ہماری جماعت کے اٹھانوے فی صد ارکان غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ ہیں۔ اس لئے اگر ان میں سے کسی کا پورا وقت جماعت کے کام کے لئے لیا جائے تو اس کی کم سے کم ضروریات زندگی کا خرچ برداشت کرنا ضروری ہے جس کی جماعت کے بیت المال میں ابھی گنجائش نہیں۔

(۲) ہمارے راستہ کی دوسری بڑی رکاوٹ اس عالمگیر جنگ کی پیدا کردہ مشکلات ہیں جن کی حد یہ ہے کہ تشکیل جماعت کے بعد چار سال میں یہ پہلا اجتماع ہے جس میں سارے ملک کے ارکان اور ہمدردان شامل ہو سکے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت تک ہماری دعوت و تبلیغ کی اشاعت کا سب سے بڑا بلکہ واحد ذریعہ جماعت کا لٹریچر ہے مگر اس جنگ کی وجہ سے جو کاغذ کا قحط پڑا تو اس کا بھی ایک عرصہ تک کوئی انتظام نہ ہو سکا اور تقریباً ایک سال بیشتر لٹریچر غیر مطبوع (Out of Print) رہا۔ اب بھی جو کاغذ ملتا ہے وہ لٹریچر کی مانگ کے لحاظ سے بہت ناکافی ہے اور جنگ کی ابتدا سے اب تک کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ ہمارا پورا لٹریچر بیک وقت موجود ہو سکا ہو۔ لٹریچر کی مانگ کی یہ حالت ہے کہ ہر کتاب ایک بار اگر دس ہزار کی تعداد میں طبع کرائی جائے تو شاید چند ماہ کے لئے کفایت کر سکے۔ کئی کتابیں ایسی ہیں جو ایک مرتبہ بھی شائع نہیں ہو سکیں۔ حالانکہ ملک کے ہر گوشہ سے ان کے مطالبے آرہے ہیں۔

ہمارے دوسرے بھی بہت سے ضروری کاموں کو یہ جنگ روکے ہوئے ہے۔ جو معمولی حالت میں اب تک بسہولت سرانجام پا گئے ہوتے۔

(۳) ہمارے راستہ کی تیسری رکاوٹ ذرائع کی کمی ہے۔ جماعت کی مالی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ اس کا بک ڈپو ہے اور اس وقت تک جماعت کا تقریباً سارا کام اسی کی آمدنی سے چل رہا ہے۔ اس کا حال آپ ابھی سن چکے ہیں۔ اعانت اور زکوٰۃ کی آمدنیاں ابھی کچھ زیادہ نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حسب دستور ہمارے ارکان تقریباً سب کے سب غریب اور متوسط طبقہ ہی سے نکل کر آئے ہیں اور ان کے لئے اس عالمگیر گرانی کے زمانے میں، خصوصاً جب کہ حتی الامکان حرام و حلال ذرائع کا بھی خیال کرنا ہو، اپنی ضروریات زندگی کا کفیل ہونا ہی مشکل ہو رہا ہے چہ جائیکہ وہ بیت المال کے لئے بھی کچھ پس انداز کر سکیں۔ اگرچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ابھی ہمارے بیشتر ارکان میں اپنے نصب العین اور عقیدہ کے لئے وہ لگن پیدا نہیں ہوئی جو انہیں اس کے لئے ہر بازی کھیل جانے اور ہر مصیبت سہ جانے کے لئے بے تاب کر دے اور وہ اپنے پیٹ کاٹ کاٹ کر اپنے دین کی کھیتی کو سینچنے لگیں۔

(۴) ہماری چوتھی مشکل جو دلی تکلیف دینے والی بھی ہے ہمارے طبقۂ علماء میں سے بعض کا طرز عمل ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ ہماری تحریک کی کھلی مخالفت بعض علماء کے علاوہ اور کسی طرف سے نہیں ہوئی۔ پھر یہ مخالفت بھی کسی عقلی یا نقلی دلیل یا اصولی اختلاف کی بنا پر نہیں بلکہ اس اقرار کے ساتھ ہے کہ نظریہ بالکل صحیح ہے، اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے اور دین کا مطالبہ بھی یہی ہے، لیکن یہ آجکل قابل عمل نہیں ہے، تحریک کے مفید و بار آور ہونے کے لئے ظروف مساعد نہیں ہیں اور موجودہ حالات میں یہ جو تم پیش

کرتے ہو (یعنی دین اسلام) نا ممکن العمل ہے۔ یہ آرار کسی دیہاتی مسجد کے ملّا، کسی مغرب زدہ بابو یا کسی خان بہادر کی نہیں بلکہ ان اکابر امت کی ہیں جن کے زہد و تقویٰ اور دینداری کا ڈھول پوری دنیا میں پٹ رہا ہے۔ اور جن کی آرار گرامی سے محض دینی امور ہی میں نہیں بلکہ دنیاوی اور سیاسی مسائل تک میں اختلاف کرنا ان کے معتقدین کے نزدیک کفر سے کم نہیں۔ عوام میں حق پرستی کی روح پیدا کرنے کے بجائے شخصیت پرستی کا مرض پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ہماری دعوت کے متعلق سب سے پہلا سوال یہی پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہے تو یہ حق مگر فلاں حضرت صاحب، فلاں شاہ صاحب اور فلاں مولانا صاحب اس میں کیوں شریک نہیں؟ اور اسی طرح مختلف قسم کے شبہات و شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ دین کو صرف شخصیتوں سے لینے کے قائل ہیں وہ خود بخود چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اور وہی لوگ ہماری طرف آتے ہیں جو صرف اس عقیدے اور نصب العین سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر اس امر سے پیدا شدہ فتنہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ہدایت دے اور یہ اپنے منصب کو سمجھیں اور ان کو اس بات کا شعور ہو کہ وہ دین حق کی راہ میں دانستہ یا نادانستہ کتنی بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں۔

(۵) ہمارے راستہ کی پانچویں رکاوٹ ہمارے بعض رفقار میں یکسوئی کی کمی ہے۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ابھی تک ہماری دعوت اور اس کے طریق کار اور دوسری دعوتوں کو جو ملک میں چل رہی ہیں اور ان کے طریق ہائے کار کے فرق کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے۔ اسی وجہ سے وہ باوجود جماعت میں منسلک ہو جانے کے بار بار دوسرے قافلوں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کے دل کڑھنے لگتے ہیں کہ دوسری

تحریکوں کی عمارت کی طرح یہاں بھی رات بھر میں پوری عمارت کیوں نہیں کھڑی ہوجاتی۔ ان حضرات کو اپنی معلومات وسیع کرنی چاہیئے اور ٹھنڈے دل سے سوچنے اور کام کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

تحریک کے اس مرحلہ پر ہم صاف طور پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ۔

اوّلاً ہمارے ساتھ وہی حضرات شریک ہوں، اور جو شریک ہو چکے ہیں ان میں سے صرف وہی حضرات شریک رہیں، جو ہمارے اصول اور طریق کار دونوں سے پوری طرح مطمئن ہوں۔

ثانیاً جو ان دونوں کو اچھی طرح سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے ان میں پوری پوری دلچسپی لینے کے لئے تیار ہوں اور

ثالثاً جن کی دلچسپیوں میں انتشار کے بجائے مرکزیت پیدا ہو چکی ہو، یعنی وہ ہر طرف سے توجہ کو ہٹا کر صرف اسی دعوت پر اپنی تمام توجہات اور دلچسپیاں مرتکز کر دیں اور اپنا سب کچھ اسی کام میں لگا دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔

کسی تفصیلی بحث میں الجھے بغیر جماعتِ اسلامی کے کام کی نوعیت اور مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کے پیش نظر کاموں کی نوعیت کا فرق چند فقروں میں واضح کردوں کہ دوسری ساری جماعتیں مسلمان قوم کا کوئی باقاعدہ علاج کرنے کی بجائے اسے محض ابتدائی امداد (First Aid) پہنچانے میں مشغول ہیں اور یہی کام ان کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض کے پاس مکمل علاج کا پورا سامان اور بہترین دواخانے بھی موجود ہیں، لیکن وہ کچھ اوپری ہی مرہم پٹی کر کے اپنی کارگذاری دکھا دینے کے لئے بے تاب ہیں۔ ان کے برعکس ہم مسلمانوں اور پوری دنیا کا مکمل علاج اسی طریق

پر کرنا چاہتے ہیں جس طریق پر اس کے ماہرینِ فن (انبیائے کرام علیہم السّلام) آج تک دُنیا کی اخلاقی اور اجتماعی بیماریوں کا علاج کرتے رہے ہیں۔ کتاب و سنّت کی رو سے اس علاج کے سوا دوسرے سارے علاج لغو اور لاحاصل ہیں اور ان کو وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو یا تو انبیائے کرام کی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ یا پھر خام کاری ہی کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ارکان کی انفرادی مشکلات

دعوت اسلامی اور قیام دین کی جدوجہد عملاً شروع کر کے معلوم ہوا کہ جس طرح ابتدا سے آج تک دینِ حق ایک ہی رہا ہے اسی طرح جاہلیّت اور کفر کے مزاج میں بھی ذرہ برابر تغیر نہیں ہوا۔ موجودہ سوسائٹی کے تہذیب و تمدّن اور رواداری کے تمام فلک شگاف دعاوی کے باوجود باطل کے لئے حق اسی طرح ناقابل برداشت ہے جس طرح پہلے تھا۔ اگر آپ کہیں یہ پاتے ہیں کہ باطل اپنے غلبہ و تسلّط کے باوجود حق کی کچھ ظاہری اشکال کو گوارا کر رہا ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ صرف اس لئے ہے کہ حق نے ایک جسد بے روح اور باطل کے ماتحت تابع مہمل بن کر رہنا قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بیشتر مقامات پر جہاں ہمارے رفقا نے واقعی سنجیدگی سے اس دعوت کو قبول کیا اور بندگیٔ رب کو مسجد کی چار دیواری سے باہر اپنے معاملات اور دوسرے مسائل زندگی پر پھیلانا شروع کیا تو اسی سوسائٹی اور خاندان و برادری کو جسے کل تک وہ کھانے میں نمک کی طرح مرغوب و محبوب تھے، پھوڑے میں نشتر کی طرح چبھنے لگے اور ان کو وہ سب مل کر بزور اپنے سے باہر نکال پھینکنے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ یہ صرف اتنی سی بات پر ہے کہ ہمارے رفقا نے اب سوسائٹی کی پسند و ناپسند اور مالی منفعت

کی کمی بیشی کے بجائے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند و ناپسند کو معیارِ رد و قبول بنالیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر بعض والدین نے اپنے اکلوتے جگر گوشوں کو گھر سے باہر کر دیا اور ان کی شکل دیکھنے کی قسمیں کھالیں۔ بعض بے دین بیٹوں نے اپنے ضعیف اور سفید ریش باپوں کو مار کر گھر سے نکال دیا کہ وہ ان کی فاسقانہ زندگیوں میں مخل ہوتے تھے۔ بعض بے دین شوہروں نے اپنی بے گناہ بیویوں کو معلق کر کے چھوڑ دیا۔ بعض باطل پرست والدین کے بیٹے جب ان کی خواہش کے مطابق خدمت کفر پر آمادہ نہ ہوئے تو ان کو اس پر مجبور کرنے کے لئے ان کی تعلیم و تربیت پر صرف کئے ہوئے روپے کو قرض قرار دے کر تقاضے شروع کر دئے اور آخر کار شادی کے پھندے میں پھنسا کر بے گھر کر دینے کی چالیں چلیں۔ بعض رئیس زادوں کو انہی کے حقیقی بھائیوں نے ذلت و رسوائی کی آخری حد تک پہنچانے کی کوششیں کیں اور جائداد سے الگ کر دینے کے منصوبے باندھے اور ہمارے بعض ارکان کو صرف اس بنا پر بڑے بڑے نقصانات پہنچانے کی دھمکیاں دی گئیں اور ڈرایا گیا کہ وہ ان ناخدا ترس لوگوں کے بھائیوں اور بیٹوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ حرام اموال اور ناجائز آمدنیوں پر بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے سے احتراز کرنے لگے ہیں۔

یہ چند ایک مثالیں ہیں جن سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ یہ نام نہاد مسلمان قوم دینی حیثیت سے کس درجہ پر ہے اور ان کی نظروں میں دین کی کیا قدر و منزلت ہے۔

مگر صاحبو! مبارک ترین ہے اللہ کا وہ بندہ جس نے اس عالمگیر ضلالت اور گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں دنیا کو پھر دین حق سے روشناس کرایا اور اس کے قیام کی دعوت دی اور اس دین کو اس نے ایسے مبین اور واضح طریقے سے دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیا کہ اس سے دور بھاگنے والے بھی یہ اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے کہ دین کی نعمت

اسی شخص سے پائی، اور پھر مبارک ہیں آپ اور آپ جیسے دوسرے حضرات جنہوں نے ان غیر موافق بلکہ شدید مخالف حالات میں اس دعوت کو سُنا، قبول کیا اور اسے عملاً نافذ کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ اپنے اس فعل اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس توفیق پر آپ جس قدر ناز کریں بجا ہے۔ مگر مومن کا ناز شکریہ اور اللہ کی راہ میں مرمٹنے ہی کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ یہ اچھی طرح جان لیجئے کہ دعوت حق کا یہی مرحلہ ہے جس میں اس کے لئے خرچ کیا ہوا ایک پیسہ، اس کے لئے بہایا ہوا خون کا ایک قطرہ اور اس کی خاطر آنکھوں میں کاٹی ہوئی ایک رات، بعد کے مراحل میں کئے ہوئے بڑے بڑے اعمال و ایثار سے زیادہ بلندی درجات کا موجب ہو سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ صدیق اکبرؓ کی اس ایک رات کے عوض جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں بسر کی تھی عمرؓ فاروق جیسا جلیل القدر اور مقدس انسان اپنی پوری زندگی کے اعمال دے دینے کی عمر بھر حسرت سے خواہش کرتا رہا۔ ہاں! پھر سن لیجئے کہ دعوت کا یہی دور قرب خداوندی اور اس کے ہاں درجات حاصل کرنے کا ہے ورنہ فتح مکہ کے بعد تو سبھی یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر پیش کر دیتے ہیں۔

لٹریچر کی دوسری زبانوں میں اشاعت

اس وقت تک اپنی آواز کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہم نے صرف اُردو زبان ہی کو ذریعہ بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام علاقوں میں جہاں اردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی ہماری دعوت کا کام بمنزلہ صفر کے ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہی رہی ہے کہ ابتدا سے اب تک اس تحریک اور جماعت کے سارے کام کا بار اور انحصار بحیثیت امیر جماعت ہی پر رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک شخص سارے کام نہیں کر سکتا۔

اب دوسری زبانوں میں اس دعوت کو منتقل کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔ اور بہت سی زبانوں میں تو یہ کام عملاً شروع ہو گیا ہے مثلاً

عربی لٹریچر کی تیاری کے لئے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کی قیادت و رہنمائی میں جالندھر میں دارالعروبہ کے نام سے عربی ادارہ کی بنیاد رکھ دی گئی ہے اور مولانا اپنی خرابی صحت اور دوسری مجبوریوں کے باوجود اپنے وطن (صوبہ بہار) سے ہجرت فرما کر مستقل طور پر دارالعروبہ میں تشریف لے آئے ہیں۔ اور اپنا پورا وقت، توجہ اور محنت اسی کام پر صرف کر رہے ہیں۔ اس بات کا افسوس ہے کہ دارالاسلام کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی اور ان کے لئے یہاں سے دور دوسری جگہ انتظام کرنا پڑا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے اس ایثار و سعی کو قبول فرمائے۔ اور ان کو صحت کامل عطا فرمائے۔ آمین

دارالعروبہ سے دعوت کے متعلق دوسرے لٹریچر کے علاوہ ایک بلند پایہ ماہوار عربی رسالہ بھی جاری کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔

ترکی لٹریچر کی تیاری کا کام یہاں دارالاسلام میں ہمارے برادر عزیز اعظم ہاشمی صاحب مہاجر ترکستانی کر رہے ہیں۔ رسالہ دینیات اور خطبات کا ترجمہ اس وقت تک مکمل ہو چکا ہے۔

ملیالم زبان جو صوبہ مدراس کی بڑی زبانوں میں سے ہے۔ اس میں لٹریچر کو منتقل کرنے کا کام حاجی وی۔ پی محمد علی صاحب مالاباری کے سپرد کیا گیا ہے اور یہ صاحب اب تک رسالہ دینیات، خطبات اور دو تین دوسری چھوٹی بڑی کتابوں کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ ان کی اشاعت کے لیے جنوبی ہند کی جماعتوں نے مل کر کچھ سرمایہ بھی اکٹھا کر لیا ہے۔ اور ان کتابوں کے طبع کرانے کی دوڑ دھوپ بھی جاری ہے۔ لیکن موجودہ جنگی مشکلات کی وجہ سے ابھی تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

ٹامل زبان میں دعوت کے کام کے لئے جنوبی ہند کی جماعتوں نے مل کر مولوی

شیخ عبداللہ صاحب (دولتنا کیمپ) کو منتخب کیا ہے کہ وہ اس علاقے میں رہ کر جہاں کی یہ زبان ہے، مہارت حاصل کریں۔ اس دوران میں شیخ صاحب کی مناسب ضروریات کی کفالت یہ جماعتیں کریں گی۔ یہ کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ اقدام بہت مبارک اور قابلِ تقلید ہے اور انتخاب بھی بہت موزوں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے۔

گجراتی زبان جو صوبہ بمبئی کی سب سے بڑی زبان ہے۔ اس میں ہمارے لٹریچر کو منتقل کرنے کا ذمہ ہماری بمبئی کی مقامی جماعت نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ انہیں اس کارِ خیر کے لئے ایک بہت مخلص گجراتی ادیب جن کا اسم گرامی بھی اسمٰعیل صاحب اخلاص ہے مل گئے ہیں۔ یہ لوگ اب تک چند ایک خطبات گجراتی میں شائع کر چکے ہیں۔ باقی خطبات اور سیاسی کشمکش کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ اخلاص صاحب اب جماعت میں شریک ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت بخشے اور اپنے دین کی خدمت پورے اخلاص سے انجام دینے کی توفیق دے۔

ہندی ترجمہ کا کام الہ آباد کی جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ جو یو۔ پی کی دوسری جماعتوں کی امداد سے یہ کام کرے گی۔ یہ کام ابھی باقاعدہ شروع نہیں ہوا لیکن امید ہے کہ جلدی ہی کچھ انتظام ہو جائے گا۔ موزوں مترجم کا نہ ملنا سب سے بڑی رکاوٹ ہے "سلامتی کا راستہ" کا ترجمہ کروایا جا چکا ہے۔ لیکن یہ ابھی شائع نہیں ہو سکا۔

سندھی زبان میں لٹریچر کو منتقل کرنے کا ابھی کوئی باقاعدہ انتظام تو نہیں ہو سکا البتہ کچھ ایسے لوگ دستیاب ہو گئے ہیں جو کچھ تربیت کے بعد اس کام کو کر سکیں گے۔ دلیسے رسالہ دینیات کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ ہمارے علم و اطلاع کے بغیر دو تین سال سے سندھی زبان میں شائع ہو رہا ہے لیکن یہ ترجمہ تسلی بخش نہیں ہے۔

انگریزی زبان میں ایک رکن جماعت کچھ تھوڑا تھوڑا ترجمہ کا کام کررہے ہیں۔ اس وقت "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کا ترجمہ کیا جارہا ہے۔ انگریزی ترجمہ کے لئے بھی موزوں مترجم کا نہ ملنا ہی بڑی رکاوٹ ہے۔

زیرِ طبع لٹریچر

جماعت کے لٹریچر کی حسب ذیل نئی کتابیں ان دنوں زیرِ طبع ہیں اور انشاء اللہ بہت جلد چھپ کر آجائیں گی۔

(۱) "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" یہ امیر جماعت کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو اسلام کی اصطلاحات اربعہ الٰہ، رب، عبادت، دین کے مطلب اور مفہوم کی توضیح میں رسالہ "ترجمان القرآن" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ قرآن کی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب اساسی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) "اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" یہ بھی امیر جماعت کے ایک اہم مضمون پر مشتمل ہے جس کی نوعیت اس کے نام سے ظاہر ہے۔

(۳) "حقیقت توحید" یہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تازہ تصنیف ہے جو "حقیقت شرک" والے سیٹ کی دوسری کڑی ہے۔

(۴) "دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات" یہ کتاب حسب ذیل تقریروں و مضمون پر مشتمل ہے۔

الف۔ "دعوت اسلامی اور اس کا طریق کار" یہ امیر جماعت کی وہ تقریر ہے جو اس رپورٹ کے بعد وہ اس اجلاس میں ارشاد فرمائیں گے۔

(ب) مولانا امین احسن صاحب کی وہ تقریریں جو انہوں نے سیالکوٹ اور الہ آباد

کے اجتماعات میں عام اجلاس میں ارشاد فرمائی تھیں۔ ان دونوں تقریروں کو ایک کر دیا گیا ہے۔

(ج) قیم جماعت کا وہ پیغام جو ۱۰ر جنوری ۱۹۴۵ء کے مطبوعہ "کوثر" میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں اسے تقریباً سہ گنا کر دیا گیا ہے۔

(د) مولانا امین احسن صاحب کی وہ تقریر جو انہوں نے الٰہ آباد کے اجتماع میں مستورات کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائی۔

صوبوں میں قیموں کا تقرر

چونکہ ایک آدمی کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ پورے ملک میں تنظیم کے کام کو سنبھال سکے۔ خصوصاً جب کہ وہ خود ابتدائی حالت میں ہو، ہاتھ بٹانے کیلئے ایک بھی امدادی آدمی نہ ہو اور ارکانِ جماعت مسلسل توجہ کے محتاج ہوں۔ اس لئے دور دراز علاقوں کے لئے الگ الگ قیم مقرر کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ صوبہ بہار کے لئے محمد حسین سید صاحب جامعی کو قیم مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ موجودہ حالات اور وسائل و ذرائع کے لحاظ سے تسلی بخش کام کر رہے ہیں۔ یو۔ پی کے لئے بھی الگ قیم جماعت مقرر کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن ابھی تک موزوں آدمی کا انتخاب نہیں ہو سکا، اس اجتماع میں اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اسی طرح جنوبی ہند کے لئے بھی الگ قیم جماعت مقرر کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور وہاں کے ارکان نے متفقہ طور پر مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری کو اس کام کے لئے منتخب کیا ہے۔ لیکن ان سب نے مل کر اس امر کی طرف بھی مرکز کی توجہ منعطف کرائی ہے کہ یہ کام باقاعدہ ان کے سپرد کرنے سے پہلے ان کو کچھ عرصہ یہاں رہنے کا

موقع دیا جائے تاکہ وہ اپنے کام اور فرائض اور ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لیں سرِدست وہ اپنی موجودہ مصروفیتوں کی وجہ سے شعبان ۱۳۶۴ھ تک یہاں نہیں آسکتے اور فی الحال مکانات کی قلت کی وجہ سے ہم بھی اس حال میں نہیں ہیں کہ ان کی رہائش کا یہاں انتظام کر سکیں۔ اس لئے یہ معاملہ چند ماہ کے لئے ملتوی رہے گا۔

صوبائی قیموں کے فرائض حسبِ ذیل مقرر کئے گئے ہیں:۔

(۱) اپنے حلقہ کے ارکان اور جماعتوں میں نظم قائم رکھیں اور تحریک کو تازہ رکھنے اور آگے بڑھانے کے لئے ان کو اکساتے رہیں۔

(۲) اپنے حلقہ کے ارکان اور جماعتوں کے ساتھ مسلسل ربط قائم رکھیں ان کی کارروائیوں سے باخبر رہیں۔ اور مرکز کو اپنے حلقہ کے حالات سے باخبر رکھیں۔

(۳) ارکان میں حرکت پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے حلقے میں دورے کرتے رہیں اور جہاں کہیں جماعت کے نظم میں خرابی پیدا ہو رہی ہو وہاں بروقت موقع پر پہنچ کر حالات کی اصلاح کریں۔

صوبائی قیموں کے حلقوں کی جماعتوں اور منفرد ارکان کے فرائض حسبِ ذیل ہوں گے:۔

(۱) اپنے حلقہ کے قیم کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا اور اپنی کارروائیوں کی ماہوار رپورٹیں قیم حلقہ کو بھیجتے رہنا تاکہ وہ بروقت اپنے حلقہ کی رپورٹ مرکز میں روانہ کر سکے۔

(۲) ان اہم امور کی اطلاع جو مرکز سے متعلق ہوں یا مرکز کے قابل توجہ ہوں،

مرکز کو بھیجتے رہنا۔

(۳) جہاں کہیں بدنظمی یا عدم دلچسپی کی کوئی صورت رونما ہوتی نظر آئے اس کی اطلاع فوراً قیم حلقہ اور مرکز کو بھیجنا تاکہ اس کا بروقت تدارک ہو سکے۔

(۴) حلقہ کی جماعتوں اور ارکان کو اپنے قیم کی مناسب ضروریات کی حد تک اس کے مصارف کا انتظام کرنا ہوگا۔ سفر کے مصارف تو بہرحال ان کو برداشت کرنے ہیں۔

قیم کے انتخاب میں جن اوصاف کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

(۱) وہ فعّال آدمی (Active) ہو۔

(۲) سنجیدہ، متین، سمجھدار اور معاملہ فہم ہو۔

(۳) تنظیم کے کام کو سرانجام دینے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہو۔

مقام شکر ہے اور میں یہ بیان کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ شعبۂ تنظیم کے قیام اور اس کی توسیع کے بعد تنظیم کا کام کافی حد تک ضبط میں آگیا ہے۔ اس کے بعد جتنے ارکان جماعت میں لیے گئے ہیں اور جس قدر نئی جماعتوں کی تشکیل کی گئی ہے تقریباً سب پختہ ہیں اور ان کا کام تسلی بخش ہے۔ چند مقامات کے علاوہ ہر جگہ سے ماہانہ رپورٹیں باقاعدگی سے آرہی ہیں۔ مگر اس کے باوجود میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دستور جماعت کی دفعات نمبر ۴، ۵، ۶، ۷ اور ۱۰ کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں۔ ان دفعات میں جو امور ذکر کیے گئے ہیں وہ اس قدر اہم ہیں کہ سب ارکان کو انہیں وقتاً فوقتاً دیکھتے رہنا چاہیے۔ اور ان کی روشنی میں اپنے ایمان

وعمل کا محاسبہ کرنا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ نقضِ عہد کر کے نہ صرف صاحبِ امر سے بلکہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی غدر و خیانت کے مرتکب ہوں۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ بعض مقامی جماعتوں کے ارکان مقامی امیر کو صدرِ انجمن سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جب انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو اہل تر سمجھ کر صاحبِ امر منتخب کیا ہے تو ان پر واجب ہے کہ معروف میں اس کی اطاعت کریں اور اس کی نافرمانی کو گناہ جانیں۔ اس بارے میں کہ ارکان اور صاحبِ امر کے باہم تعلقات اور حقوق و ذمہ داریاں کیا ہونی چاہئیں۔ امیرِ جماعت کی وہ تقریر جو انہوں نے تشکیلِ جماعت کے وقت یہ بارِ گراں سنبھالتے وقت ارشاد فرمائی تھی۔ بہت ہی اہم ہے۔ اس تقریر کا متعلقہ (Relevant) حصہ رودادِ جماعت حصہ اوّل میں ہے اس کا گہرا مطالعہ فرما کر آیندہ اپنے تعلقات مذکورہ تقریر کی بیان کردہ بنیادوں پر قائم کیجیئے۔

درس گاہ دارالاسلام کا قیام

اگرچہ یہ کام مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور غازی عبدالجبار صاحب کا تھا کہ درس گاہ دارالاسلام کے قیام میں تاخیر کے وجوہ بیان کریں کیونکہ وہی حضرات اس کام کے انچارج ہیں لیکن چونکہ اس تاخیر کی بیشتر ذمہ داری جماعت اور کچھ دوسرے امور پر ہے اس لئے اصلاحی صاحب اور غازی صاحب کے بجائے مجھے ہی اس بارے میں جواب دہی کرنی چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ درس گاہ کے قیام کے لئے باقاعدہ پختہ عمارت نہ سہی بہر حال وسیع

مکانات کی ضرورت ہے اور درسگاہوں اور ان کے دارالاقامہ سے بھی پہلے اساتذہ کے کوارٹر موجود ہونے چاہئیں تاکہ وہ یہاں آکر بیٹھیں اور اپنے کام کی تیاری کریں۔ عمارات جو ہمارے پاس اس وقت موجود ہیں وہ ہمارے موجودہ مقامی کارکنوں کے لئے بھی کافی نہیں۔ مزید تعمیر کے راستہ میں جو رکاوٹیں پیش آرہی ہیں ان میں چند یہ ہیں۔

(۱) سب سے پہلی اور بڑی رکاوٹ کسی موزوں آدمی کا نہ ملنا ہے جو ہماری تعمیری اسکیم کو اپنے ہاتھ میں لے سکے۔ اس کے لئے ہمیں ایسا آدمی درکار ہے جو تعمیر کے کام کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہو، ہم سے اور جماعت سے ہمدردی رکھتا ہو، تجربہ کار، منتظم اور دیانتدار ہو، اور اس کام کو عملاً سرانجام دینے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتا ہو تاکہ ہم اس پر اس معاملے میں آنکھیں بند کرکے اعتماد کرسکیں اور وہ اپنی ذمہ داری پر اس کام کو سنبھال سکے۔

(۲) اس کے علاوہ دوسری درجہ مسالہ اور دوسرے سامان کی تعمیر کی شدید گرانی اور پھر گرانی کے باوجود اس کا نایاب ہونا ہے۔ ہم نے خیال کیا تھا کہ سردست مستقل پختہ عمارتوں کے بجائے کچھ پھونس کے چھپر وغیرہ ڈال کر کام شروع کر دیا جائے۔ مگر حکومتِ وقت نے اس پر بھی کنٹرول کرلیا۔

(۳) درسگاہ کے قیام کے راستہ میں تیسری رکاوٹ سرمائے کی قلت ہے۔ اس بارے میں اوّل تو ہمارے ذرائع و وسائل ابھی محدود ہیں۔ دوسرے جیسا کہ پہلے بھی عرض کرچکا ہوں۔ ہمارے ارکان اور ہمدرد جن کے تعاون و اعانت سے ہم اس کام کو سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ بیشتر غریب اور متوسط طبقہ کے لوگ ہیں جن کے لئے اس موجودہ گرانی کے زمانے میں اپنی ضروریاتِ زندگی بھی ٹھیک طور سے فراہم کرنا مشکل ہو رہا ہے،

اور تیسرے ابھی دراصل ان میں اپنے نصب العین اور مقصد زندگی سے حقیقتاً وہ لگاؤ بھی پیدا نہیں ہوا ہے جو اس کے لئے انہیں ہر قربانی دینے کے لئے بے تاب کر دے۔

نیز جن طریقوں اور ذرائع سے عام طور پر دوسرے لوگ اور ادارے سرمایہ فراہم کیا کرتے ہیں۔ ان طریقوں اور ذرائع سے روپیہ فراہم کرنا تو درکنار ہم تو عام پبلک اپیل اور ضرورت کے عام اشتہار کو بھی اپنے مسلک اور طریق کار کے منافی سمجھتے ہیں اور حد یہ ہے کہ اپنے ارکان جماعت تک پر بھی کوئی باضابطہ چندہ عائد کرنا اس کام کو کرنے کی صحیح شکل نہیں سمجھتے۔ ہم دینے والے سے اس کے روپے سے پہلے اس کا دل اس کام کے لئے لینا چاہتے ہیں تاکہ جو کچھ اس کی جیب سے نکلے وہ اس کے دلی جذبہ، دینی لگاؤ اور للّٰہیت کا نتیجہ ہو کہ ایسا ہی سرمایہ فی الحقیقت اس خون صالح کا کام دے سکتا ہے۔ جو ایک صحیح دینی درسگاہ کی رگوں میں جاری ہونا چاہیئے اور اسی سے پھر یہ توقع بھی کی جا سکے گی کہ ایسے حق پرست اور خدا ترس انسان پیدا کرے جو بس ایک رب العالمین ہی کے بندے ہوں۔

اس بارے میں ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ضروریات کو اپنے ارکان اور ہمدرد دل کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہر شخص کی اپنی محبت دین، وسعتِ قلب اور فراخیٔ وسائل پر موقوف ہے کہ وہ صدیق اکبر رضؓ کی طرح اپنا سوئی سلائی تک کل اثاثہ راہ حق میں لا ڈھیر کرے، یا عمر فاروق رضؓ کی مانند اپنی ہر چھوٹی بڑی چیز کا نصف اپنے رب کی راہ میں نثار کر دے یا چاہے تو قارون کی طرح اپنے خزانوں پر سانپ بیٹھا رہے۔

لیکن اس سرمایہ کی قلت اور وسائل کی کمی کے باوجود مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہمیں کوئی موزوں آدمی مل جائے اور اپنے دوسرے کاموں کی طرح اس کام کو بھی ہم اللہ کے

بعد دسے پر شروع کر دیں تو انشاء اللہ سرمایہ کی وجہ سے یہ کام نہیں رُکے گا۔

اسی فراہمی سرمایہ کے سلسلہ میں میں اپنے رفقاء اور ہمدردوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہماری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ، جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں، ہمارا مکتبہ ہے اس لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ جو جماعتیں یا افراد یہاں سے کتابیں منگواتے ہیں ان کو اپنے حسابات جلدی سے جلدی بے باق کرتے رہنا چاہیئے۔ اور مناسب یہ ہے کہ ہر ماہ نئے آرڈر بھیجنے سے پہلے سابقہ حساب صاف کر دیا جائے۔ تاکہ جماعت کے دوسرے کاموں میں بھی حرج نہ ہو۔

مرکزی بیت المال کے حسابات

چونکہ تشکیل جماعت کے بعد پوری جماعت کا یہ پہلا اجتماع ہے اس لئے ۲۶ر اگست ۴۱ء سے لے کر ۱۶ر اپریل ۴۵ء تک کے حسابات آمد و صرف اس اجلاس میں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو جماعت کی مالی قوت اور اس کے مادی وسائل کی رفتار کا ٹھیک اندازہ ہو جائے۔

۳ر شعبان ۶۰ھ مطابق ۲۶ر اگست ۴۱ء کو جس سرمائے اور وسائل سے قیام دین کی اس جدوجہد کی ابتدا کی گئی تھی اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

نقد	بشکل کتب از مکتبہ ترجمان القرآن	واجب الوصول از متفرق تاجران کتب و خریداران کتب مکتبہ ترجمان القرآن
۴۱-۰۰	۶۰۰-۰-۰ تقریباً	۶-۱-۱۶۲۲

یہ سرمایہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی موجودہ امیر جماعت نے اس کام کی ابتدا

کیلئے جماعت کے بیت المال میں منتقل کر دیا۔ بعد کی تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

تفصیل آمدنی جماعت اسلامی

ازیکم ستمبر ۱۹۴۱ء تا ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء

ذریعۂ آمدنی	یکم ستمبر ۱۹۴۱ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۴۲ء	۱۹۴۳ء	۱۹۴۴ء	از یکم جنوری ۱۹۴۵ء تا ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء	میزان
فروخت کتب	۷۴۱۳-۱۵-۹	۸۶۳۲-۹-۶	۱۶۷۹۹-۰-۹	۹۷۲۷-۱۵-۳	۴۲۵۷۳-۹-۶
اعانت اہل خیر	۵۹۴۳-۱۳-۹	۲۸۴۵-۳-۶	۸۱۵۹-۳-۶	۲۵۸۳-۱۱-۰	۱۹۵۳۱-۱۵-۹
زکوٰۃ	۶۱۶-۱۰-۳	۱۲۰۳-۵-۰	۲۳۲۰-۱۱-۸	۹۷۷-۱۰-۰	۵۱۱۸-۴-۱۱
قرض	۲۱۱۴-۰-۰	۰-۰-۰	۲۰۰۰-۰-۰	۰-۰-۰	۴۱۱۴-۰-۰
وصولی قرض	۱۵۰-۳-۶	۳۰۲-۰-۰	۴۲۷-۰-۰	۱۳۰-۰-۰	۱۰۰۹-۳-۶
متفرق	۶۶۴-۱۳-۳	۰-۹-۳	۱۱۳-۳-۷	۵۶-۷-۶	۸۳۵-۱-۷
امانت	۰-۰-۰	۱۰-۸-۰	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۱۰-۸-۰
میزان کل سالانہ	۱۶۹۳۰-۷-۶	۱۲۸۱۴-۳-۶	۲۹۸۱۱-۳-۶	۱۳۴۷۵-۱۱-۹	۷۲۱۱۴-۱۰-۳
نقد سرمایہ بوقت تشکیل جماعت					۷۴-۱۴-۰

کل وصولی برائے عرصہ از تشکیل جماعت تا ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء = ۷۳۱۹۴-۸-۳

تفصیل مصارف جماعت اسلامی از یکم ستمبر ۴۱ء تا ۱۶ اپریل ۴۵ء

مصارف	از یکم ستمبر ۱۹۴۱ء تا ۳۱ دسمبر ۱۹۴۲ء	۱۹۴۳ء	۱۹۴۴ء	از یکم جنوری ۱۹۴۵ء تا ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء	میزان
معاوضہ کارکنان	۹۷۴-۰-۰	۱۰۵۴-۱۳-۰	۳۳۷۰-۹-۶	۱۵۰۰-۱۴-۰	۶۹۰۰-۴-۶
طباعت	۵۳۶۵-۱۵-۳	۷۳۰-۹-۹	۷۴۴۲-۱۵-۶	۵۰۷۰-۱-۰	۲۰۶۰۹-۹-۶
اسٹیشنری	۹۸-۴-۶	۳۹-۱۵-۰	۱۷۹-۱-۹	۱۳۷-۱۲-۰	۴۵۵-۱-۳
اشتہار	۲۵-۸-۰	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۲۵-۸-۰
سفر خرچ	۲۰۹-۲-۰	۲۳-۹-۰	۷۸۹-۱-۶	[illegible]	۱۴۰۲-۱۲-۶
مہمان خانہ	۴۶۵-۱۳-۶	۸-۱۵-۳	۱۲۵۴-۱۵-۰	۵۷۹-۳-۹	۲۳۰۸-۱۵-۶
پریس	۲۱۳۷-۱-۳	۰-۰-۰	۱۸۷-۱۰-۰	۰-۰-۰	۲۳۲۴-۱۱-۳
قرض	۲۵۹-۲-۶	۴۴۰-۰-۰	۹۷۳-۱۲-۰	۲۵۰-۰-۰	۱۹۲۲-۱۴-۶
ادائے قرض	۱۴۴۳-۰-۰	۱۹۰-۰-۰	۱۲۰۶-۱۰-۹	۲۰۰۰-۰-۰	۴۸۰۹-۱۰-۹
دارالعروبہ	۲۰-۰-۰	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۲۲۶-۰-۰	۲۴۶-۰-۰
اعانت	۱۵۰-۴-۰	۴۲۴-۲-۳	۸۹۲-۲-۹	۱۳۶-۸-۶	۱۵۷۴-۱-۶
ڈاک خرچ	۵۸۹-۱۰-۹	۵۴۸-۱۳-۰	۷۶۲-۷-۹	۲۴۹-۲-۹	۲۱۵۰-۳-۰
کتب ایجنسی	۱۱۹۵-۰-۰	۳۹۴-۱۵-۰	۷۳۷۳-۳-۰	۲۵۷۲-۱۳-۰	۱۱۵۰۵-۱۵-۰
متفرق	۲۵۳-۱۳-۶	۷۲۰-۳-۳	۳۳۷-۲-۳	۵۰-۴-۳	۱۳۶۱-۸-۳
تعلیمی اسکیم	۰-۰-۰	۱۷-۰-۰	۱۶-۸-۰	۴-۱۳-۰	۳۸-۵-۰
فرنیچر	۰-۰-۰	۳۳-۱-۰	۱۰۸-۴-۹	۱۵-۴-۰	۱۵۶-۹-۹

کتب خانہ	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۵-۰-۰	۲۴۳-۱-۹	۲۴۸-۱-۹
ترکی ترجمہ	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۸۰-۰-۰	۵۰-۰-۰	۱۳۰-۰-۰
تعمیرات	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۰-۰-۰	۴۴۲-۸-۹	۴۴۲-۸-۹
میزان	۱۳۹۴۳-۱۱-۰	۵۹۶۲-۰-۹	۲۴۹۱۴-۹-۹	۱۴۷۲۰-۰-۳	۹۸۳۱۲-۱۲-۳

میزان کل آمدنی از یکم ستمبر ۱۹۴۱ء تا ۱۴ر اپریل ۱۹۴۵ء	۱۰۳۱۹۴-۸-۳
میزان کل صرف از	۹۸۳۱۲-۱۲-۳
بقایا جو نقد موجود ہے	۴۸۸۱-۱۲-۰

اس کے علاوہ مکتبہ جماعت میں اس وقت تقریباً پچیس ہزار روپے کی کتابیں موجود ہیں۔ یہ اعداد و شمار ہیں جن سے ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس ملک کے لوگ ہم سے کس قدر اور کس رفتار سے متاثر ہو رہے ہیں کیونکہ اس عام مادہ پرستی کے زمانے میں ہمارے روکھے پھیکے اور دنیا کے چلتے ہوئے مذاق کے بالکل برعکس لٹریچر کی خریداری کے لئے اور ہمارے بے مزہ کام کی اعانت کے لئے وہی لوگ آتے ہیں جو فی الواقع اس سے دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں۔

دعوتِ اسلامی اور اس کا طریق کار

قیم جماعت کی رپورٹ کے بعد امیر جماعت مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے "دعوتِ اسلامی اور اس کا طریق کار" کے عنوان سے ایک نہایت ہی اہم تقریر فرمائی جو درج ذیل ہے۔

حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

سب سے پہلے میں اس امر پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں ایک نہایت خشک دعوت اور نہایت بے مزہ طریق کار کو بالآخر لوگوں کے لئے دلچسپ و خوش ذائقہ بنانے میں توقع سے زیادہ کامیابی عطا کی۔ ہم جس دعوت کو لے کر اٹھے تھے اس سے زیادہ کاسد جنس آج دنیا کی دعوتوں کے بازار میں اور کوئی نہ تھی اور اس کے لئے جو طریق کار ہم نے اختیار کیا اس کے اندر ان چیزوں میں کوئی چیز بھی نہ تھی جو آج کل دنیا کی دعوتوں کے پھیلانے میں اور خلق کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں استعمال کی جاتی ہیں۔ نہ جلسے نہ جلوس، نہ نعرے، نہ جھنڈے، نہ مظاہرے، نہ نمائش نہ تقریریں نہ وعظ۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں اور یہ دیکھ کر ہمارا دل شکر و سپاس کے جذبے سے لبریز ہو جاتا ہے کہ بندگانِ خدا روز بروز زیادہ کثرت کے ساتھ ہماری اس دعوت کی طرف کھنچ رہے ہیں۔ اور ہمارے بے لطف اجتماعات میں شرکت کے لئے دور دور سے بغیر کسی طلب کے آتے ہیں۔

ہمارے اس اجتماع کا اعلان صرف ایک مرتبہ اخبار "کوثر" میں شائع ہوا اور اس کے بعد کوئی پروپیگنڈا اور کسی قسم کی اشتہار بازی عام اصطلاح میں "جلسہ کو

کامیاب بنانے کے لیے" نہیں کی گئی۔ پھر بھی ایک ہزار اشخاص ہندوستان کے مختلف گوشوں سے یہاں جمع ہوگئے۔ یہ کشش بہرحال حق ہی کی کشش ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس حق کے سوا کوئی اور چیز کھینچنے والی سرے سے ہے ہی نہیں۔

اجتماعات کا مقصد

ہمارے ان اجتماعات کا مقصد کوئی مظاہرہ کرنا اور ہنگامہ برپا کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا نہیں ہے۔ ہماری غرض ان سے صرف یہ ہے کہ ہمارے ارکان ایک دوسرے سے متعارف اور مربوط ہوں، ان کے درمیان اجنبیت اور ناآشنائی باقی نہ رہے، وہ ایک دوسرے سے قریب ہوں اور باہمی مشورے سے تعاون کی صورتیں نکالیں اور اپنے کام کو آگے بڑھانے اور مشکلات راہ اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ اس کے علاوہ ہمارے پیش نظر ان اجتماعات سے یہ فائدہ بھی ہے کہ ہمیں اپنے کام کا جائزہ لینے اور اس کی کمزوریاں کو سمجھنے اور انہیں دور کرنے کا وقتاً فوقتاً موقع ملتا رہتا ہے نیز جو لوگ ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں یا ہمارے خیالات سے متاثر ہیں یا ہمارے کام کے متعلق کچھ شکوک و شبہات رکھتے ہیں ان کو بھی یہ موقع مل جاتا ہے کہ بالمشافہ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو سمجھیں ——— اور ان کا دل گواہی دے کہ ہم واقعی حق پر ہیں تو ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ بہت سی غلط فہمیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ صرف دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور بڑھتی رہتی ہیں۔ محض قرب اور مشاہدہ و معائنہ اور شخصی تعلق (Personal Contact) ہی ایسی غلط فہمیوں کو رفع کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان حضرات کے بھی شکر گزار ہیں جو اپنا وقت اور اپنا مال

صرف کر کے ہمارے ان اجتماعات میں محض ہماری بات کو سمجھنے کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ ہم ان کی اس جستجوئے حق کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ جہاں ان کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں ہے وہاں وہ محض اس وجہ سے آتے ہیں کہ اللہ کے کچھ بندے جو اللہ کا نام لے کر ایک کام کر رہے ہیں ان کے متعلق تحقیق کریں کہ واقعی ان کا کام کس حد تک اللہ کا ہے۔ اور اللہ کے لئے ہے۔ یہ مخلصانہ حق جوئی اگر ذہن و دماغ کی صفائی کے ساتھ بھی ہو تو اللہ ان کی سعی و جستجو کو ضائع نہ ہونے دے گا اور ضرور انہیں حق کے نشانات راہ دکھا دے گا۔

چونکہ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری دعوت اور ہمارا مقصد کیا ہے اور کس طریقے سے ہم اس کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے میں انہی دو امور پر کچھ عرض کروں گا۔

ہماری دعوت کیا ہے؟

ہماری دعوت کے متعلق عام طور پر جو بات کہی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت دیتے ہیں۔ حکومت الٰہیہ کا لفظ کچھ تو خود غلط فہمی پیدا کرتا ہے اور کچھ اسے غلط فہمی پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں اور انہیں ایسا سمجھایا بھی جاتا ہے کہ حکومت الٰہیہ سے مراد محض ایک سیاسی نظام ہے اور ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ موجودہ نظام کی جگہ وہ مخصوص سیاسی نظام قائم ہو پھر چونکہ اس سیاسی نظام کے چلانے والے لامحالہ وہی مسلمان ہوں گے جو اس کے قیام کی تحریک میں حصہ لے رہے ہوں۔ اس لئے خود بخود اس تصور میں سے یہ معنی نکل آتے ہیں یا ہوشیاری کے ساتھ نکال لئے جاتے ہیں کہ ہم محض حکومت چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دیندارانہ وعظ

شروع ہوتا ہے اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پیشِ نظر محض دنیا ہے۔ حالانکہ مسلمان کے پیشِ نظر دین اور آخرت ہونی چاہیئے۔ اور یہ کہ حکومت طلب کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ایک انعام ہے جو دیندارانہ زندگی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جاتا ہے۔ یہ باتیں کہیں تو نافہمی کے ساتھ کی جاتی ہیں اور کہیں نہایت ہوشمندی کے ساتھ اس غرض کے لئے کہ اگر ہمیں نہیں تو کم سے کم خلق خدا کے بڑے حصہ کو بدگمانیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا کیا جائے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ہمارے لٹریچر کو کھلے دل کے ساتھ پڑھے تو اس پر بآسانی یہ بات کھل سکتی ہے کہ ہمارے پیشِ نظر صرف ایک سیاسی نظام کا قیام نہیں ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ پوری انسانی زندگی ـــ انفرادی و اجتماعی ـــ میں وہ ہمہ گیر انقلاب رونما ہو۔ جو اسلام رونما کرنا چاہتا ہے۔ جس کے لئے اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا تھا اور جس کی دعوت دینے اور جد و جہد کرنے کے لئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی امامت و رہنمائی میں امتِ مسلمہ کے نام سے ایک گروہ بنتا رہا ہے۔

دعوتِ اسلامی کے تین نکات

اگر ہم اپنی اس دعوت کو مختصر طور پر صاف اور سیدھے الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یہ تین نکات (Points) پر مشتمل ہوگی:۔

(۱) یہ کہ ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

(۲) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے اور

جب وہ مسلمان ہے یا بنتا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یکرنگ ہو جائے۔

(۳) یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی اور قیادت و فرمانروائی میں چل رہا ہے اور معاملات دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے۔ ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔

یہ تینوں نکات اگرچہ اپنی جگہ بالکل صاف ہیں لیکن ایک مدت دراز سے ان پر غفلتوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑے رہے ہیں۔ اس لئے بدقسمتی سے آج غیر مسلمو کے سامنے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے سامنے بھی ان کی تشریح کرنے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔

بندگیٔ رب کا حقیقی مفہوم

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت دینے کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے، کہ خدا کو خدا اور اپنے آپ کو خدا کا بندہ تو مان لیا جائے۔ مگر اس کے بعد اخلاقی و عملی اور اجتماعی زندگی ویسی کی ویسی ہی رہے جیسی خدا کو نہ ماننے اور اس کی بندگی کا اعتراف نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی طرح خدا کی بندگی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ خدا کو فوق الفطری طریقہ پر تو خالق اور رازق اور معبود تسلیم کر لیا جائے مگر عمل زندگی کی فرمانروائی و حکمرانی سے اس کو بے دخل کر دیا جائے۔ اسی طرح خدا کی بندگی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ زندگی کو مذہبی اور دنیوی دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور صرف مذہبی زندگی میں جس کا تعلق عقاید اور عبادات اور حرام و حلال کی چند محدود قیود سے سمجھا جاتا ہے، خدا کی

بندگی کی جائے۔ باقی رہے دنیوی معاملات جو تمدن، معاشرت، سیاست، معیشت، علوم وفنون اور ادب وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں تو ان میں انسان خدا کی بندگی سے بالکل آزاد رہے اور جس نظام کو چاہے خود وضع کرے یا دوسروں کے وضع کئے ہوئے کو اختیار کرلے۔ بندگی رب کے ان سب مفہومات کو ہم سراسر غلط سمجھتے ہیں، ان کو مٹانا چاہتے ہیں اور ہماری لڑائی جتنی شدت کے ساتھ نظام کفر کے ساتھ ہے اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ شدت کے ساتھ بندگی کے ان مفہومات کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کی بدولت دین کا تصور ہی سرے سے مسخ ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن اور اس سے پہلے کی تمام آسمانی کتابیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے کے تمام پیغمبر جو دنیا کے مختلف گوشوں میں آئے ان کی بالاتفاق دعوت جس بندگی رب کی طرف تھی وہ یہ تھی کہ انسان خدا کو پورے معنی میں الٰہ اور رب، معبود اور حاکم، آقا اور مالک، رہنما اور قانون ساز، محاسب اور مجازی (جزا دینے والا) تسلیم کرے اور اپنی پوری زندگی کو خواہ وہ شخصی (Individual) ہو یا اجتماعی، اخلاقی ہو یا مذہبی، تمدنی وسیاسی اور معاشی ہو یا علمی ونظری، اسی ایک خدا کی بندگی میں سپرد کردے۔ یہی مطالبہ ہے جو قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے کہ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ) یعنی اپنی زندگی کے کسی پہلو اور کسی شعبہ کو بندگی رب سے محفوظ ۔۔۔۔۔ کر کے نہ رکھو۔ اپنے تمام وجود کے ساتھ، اپنی پوری ہستی کے ساتھ خدا کی غلامی واطاعت میں آجاؤ۔ زندگی کے کسی معاملے میں بھی تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہو کہ اپنے آپ کو خدا کی بندگی سے آزاد سمجھو۔ اور اس کی رہنمائی وہدایت سے مستغنی ہو کر اور اس کے مقابلہ میں خود مختار بن کر یا کسی خود مختار بنے ہوئے بندے کے پیرو یا مطیع

ہو کر وہ راہ چلنے لگو جس کی ہدایت خود خدا نے نہ دی ہو۔ بندگی کا یہی وہ مفہوم ہے جس کی ہم تبلیغ کرتے ہیں اور جسے قبول کرنے کی سب لوگوں کو، مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو دعوت دیتے ہیں۔

منافقت کی حقیقت

دوسری چیز جس کی ہم دعوت دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کی پیروی کا دعوے کرنے والے یا اسلام قبول کرنے والے سب لوگ منافقانہ رویہ کو بھی چھوڑ دیں۔ اور اپنی زندگی کو تناقضات سے بھی پاک کریں۔ منافقانہ رویہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس دین کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کے بالکل برخلاف نظام زندگی کو اپنے اوپر حاوی و مسلط پاکر راضی اور مطمئن رہے اس کو بدل کر اپنے دین کو اس کی جگہ قائم کرنے کی کوئی سعی نہ کرے بلکہ اس کے برعکس اسی فاسقانہ و باغیانہ نظام زندگی کو اپنے لئے سازگار بنانے اور اس میں اپنے لئے آرام کی جگہ پیدا کرنے کی فکر کرتا رہے یا اگر اس کو بدلنے کی کوشش بھی کرے تو اس کی غرض یہ نہ ہو کہ اس فاسقانہ نظام زندگی کی جگہ دین حق قائم ہو بلکہ صرف یہ کوشش کرے کہ ایک فاسقانہ نظام ہٹ کر دوسرا فاسقانہ نظام اس کی جگہ قائم ہو جائے۔ ہمارے نزدیک یہ طرز عمل سراسر منافقانہ ہے، اس لئے کہ ہمارا ایک نظام زندگی پر ایمان رکھنا اور دوسرے نظام زندگی میں راضی رہنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مخلصانہ ایمان کا اولین تقاضا یہ ہے کہ جس طریق زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اسی کو ہم اپنا قانون حیات دیکھنا چاہیں اور ہماری روح اپنی آخری گہرائیوں تک ہر اس رکاوٹ کے پیش آجانے پر بے چین و مضطرب ہو جائے جو اس طریق زندگی کے مطابق جینے میں سد راہ بن رہی ہو۔ ایمان تو ایسی کسی چھوٹی رکاوٹ کو بھی برداشت

کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ کجا کہ اس کا پورا کا پورا دین کسی دوسرے نظامِ زندگی کا تابع مہمل بن کے رہ گیا ہو۔ اس دین کے کچھ اجزاء پر عمل درآمد ہوتا بھی ہو تو صرف اس وجہ سے کہ غالب نظامِ زندگی نے ان کو بے ضرر سمجھ کر رعایتاً باقی رکھا ہو اوران رعایات (Concessions) کے ماسوا ساری زندگی کے معاملات دین کی بنیادوں سے ہٹ کر غالب نظامِ زندگی کی بنیادوں پر چل رہے ہوں اور پھر بھی ایمان اپنی جگہ نہ صرف خوش اور مطمئن ہو بلکہ جو کچھ بھی سوچے اسی غلبۂ کفر کو اصول موضوعہ کے طور پر تسلیم کر کے سوچے اس قسم کا ایمان چاہے فقہی اعتبار سے معتبر ہو لیکن دینی لحاظ سے تو اس میں اور نفاق میں کوئی فرق نہیں ہے اور قرآن کی متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ حقیقت میں نفاق ہی ہے ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ بھی اپنے آپ کو بندگیٔ رب کے اس مفہوم کے مطابق جس کی ابھی میں نے تشریح کی ہے خدائے واحد کی بندگی میں دینے کا اقرار کریں۔ ان کی زندگی اس نفاق سے پاک ہو۔ بندگیٔ حق کے اس مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سچے دل سے یہ چاہیں کہ جو طریقِ زندگی، جو قانونِ حیات، جو اصول تمدن و اخلاق و معاشرت و سیاست، جو نظامِ فکر و عمل اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ہمیں دیا ہے، ہماری زندگی کا پورا کاروبار اسی کی پیروی میں چلے اور ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے شعبہ کے اندر بھی اس نظامِ حق کے خلاف کسی دوسرے نظام کے تسلط کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اب آپ خود سمجھ لیں کہ نظامِ باطل کے تسلط کو برداشت کرنا بھی جب کہ تقاضائے ایمان کے خلاف ہو تو اس پر راضی و مطمئن رہنا اور اس کے قیام و بقا کی سعی میں حصہ لینا یا ایک نظامِ باطل کی جگہ دوسرے نظامِ باطل کو سرفراز

کرنے کی کوشش کرنا ایمان کے ساتھ کیسے میل کھا سکتا ہے۔

تناقض کی حقیقت

اس نفاق کے بعد دوسری چیز جس کو ہم ہر پیمانے اور نئے مسلمان کی زندگی سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور جس کے خارج کرنے کی ہر مدعی ایمان کو دعوت دیتے ہیں اور تناقض سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی جس چیز کا زبان سے دعویٰ کرے عمل سے اس کی خلاف ورزی کرے۔ نیز یہ بھی تناقض ہے کہ آدمی کا اپنا عمل ایک معاملہ میں کچھ ہو اور دوسرے معاملہ میں کچھ اور۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اپنی پوری زندگی کو خدا کی بندگی میں دے دیا ہے تو اسے جان بوجھ کر کوئی حرکت بھی ایسی نہ کرنی چاہیئے جو بندگی رب کی ضد ہو، اور اگر بشری کمزوری کی بنا پر ایسی کوئی حرکت اس سے سرزد ہو جائے تو اسے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے پھر بندگی رب کی طرف پلٹنا چاہیئے۔ ایمان کے مقتضیات میں سے یہ بھی ایک اہم مقتضا ہے کہ پوری زندگی صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی ہو۔ بچرنگی اور چورنگی زندگی تو درکنار دو رنگی زندگی بھی دعوائے ایمان کے ساتھ میل نہیں کھاتی۔ ہمارے نزدیک یہ بات بہروپیے پن سے کچھ کم نہیں ہے کہ ہم ایک طرف تو خدا اور آخرت اور وحی اور نبوت اور شریعت کو ماننے کا دعویٰ کریں اور دوسری طرف دنیا کی طلب میں لپکے ہوئے ان درس گاہوں کی طرف خود دوڑیں، انسان کو ان کا شوق دلائیں اور خود اپنے اہتمام میں ایسی درس گاہیں چلائیں جن میں انسان کو خدا سے دور کرنے والی، آخرت کو بھلا دینے والی، مادہ پرستی میں غرق کر دینے والی تعلیم دی جاتی ہو۔ ایک طرف ہم خدا کی شریعت پر ایمان رکھنے کا دعوےٰ کریں اور دوسری طرف ان عدالتوں کے وکیل اور جج بنیں اور انہی عدالتوں کے فیصلوں

پر حق اور غیر حق کے فیصلے کا دارو مدار رکھیں جو شریعت الٰہی کو ایوانِ عدالت سے بے دخل کر کے شریعت غیر الٰہی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہوں ایک طرف ہم مسجدیں جا جا کر نمازیں پڑھیں اور دوسری طرف مسجد سے باہر نکلتے ہی اپنے گھر کی زندگی میں، اپنے لین دین میں، اپنی معاش کی فراہمی میں، اپنی شادی بیاہ میں، اپنی میراثوں کی تقسیم میں، اپنی سیاسی تحریکوں میں اور اپنے سارے دنیوی معاملات میں خدا اور اس کی شریعت کو بھول کر کہیں اپنے نفس کے قانون کی، کہیں اپنی برادری کے رواج کی، کہیں اپنی سوسائٹی کے طور طریقوں کی اور کہیں خدا سے پھرے ہوئے حکمرانوں کے قوانین کی پیروی میں کام کرنے لگیں۔ ایک طرف ہم اپنے خدا کو بار بار یقین دلائیں کہ ہم تیرے ہی بندے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہر اس بت کی پوجا کریں جس کے ساتھ ہمارے مفاد، ہماری دلچسپیاں اور ہماری محبتیں اور آسائشیں کچھ بھی وابستگی رکھتی ہوں۔ یہ اور ایسے بے شمار تناقضات جو آج مسلمانوں کی زندگی میں پائے جاتے ہیں جن کے موجود ہونے سے کوئی ایسا شخص جو بینائی رکھتا ہو۔ انکار نہیں کر سکتا۔ ہمارے نزدیک وہ اصلی گھن ہیں جو امت مسلمہ کی سیرۃ و اخلاق کو اور اس کے دین و ایمان کو اندر ہی اندر کھائے جاتے ہیں اور آج زندگی کے ہر پہلو میں مسلمانوں سے جن کمزوریوں کا اظہار ہو رہا ہے ان کی اصل جڑ یہی تناقضات ہیں۔ ایک مدت تک مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا جاتا رہا ہے کہ تم شہادت توحید و رسالت زبان سے ادا کرنے اور روزہ و نماز وغیرہ چند مذہبی اعمال کر لینے کے بعد خواہ کتنے ہی غیر دینی اور غیر ایمانی طرزِ عمل اختیار کر جاؤ۔ بہر حال نہ تمہارے اسلام پر کوئی آنچ آسکتی ہے اور نہ تمہاری نجات کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے حتیٰ کر اس ڈھیل (Allowance) کی

حدود اس حد تک بڑھیں کہ نماز روزہ بھی مسلمان ہونے کے لئے شرط نہ رہا اور مسلمانوں عام طور پر یہ تخیل پیدا کر دیا گیا کہ اگر ایک طرف ایمان و اسلام کا اقرار ہو اور دوسری طرف ساری زندگی اس کی ضد ہو تب بھی کچھ نہیں بگڑتا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔[۱] اسی چیز کا نتیجہ آج ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کے نام کے ساتھ ہر فسق، ہر کفر، ہر معصیت و نافرمانی اور ہر ظلم و سرکشی کا جوڑ آسانی سے لگ جاتا ہے اور مسلمان مشکل ہی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ جن راہوں میں وہ اپنے اوقات، اپنی محنتیں، اپنے مال، اپنی قوتیں اور قابلیتیں اور اپنی جانیں کھپا رہے ہیں اور جن مقاصد کے پیچھے ان کی انفرادی اور اجتماعی کوششیں صرف ہو رہی ہیں وہ اکثر ان کے اس ایمان کی ضد ہیں جس کا وہ دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ صورتِ حال جب تک جاری رہے گی اسلام کے دائرہ میں نومسلموں کا داخلہ بھی کوئی مفید نتیجہ پیدا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ جو منتشر افراد اس کانِ نمک میں آتے جائیں گے وہ اسی طرح نمک بنتے چلے جائیں گے۔ پس ہماری دعوت کا ایک لازمی عنصر یہ ہے کہ ہم ہر مدعی ایمان کی زندگی کو ان تناقضات سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہر مومن سے یہ ہے کہ وہ حنیف ہو یکسو یکرنگ مومن و مسلم ہو، ہر اس چیز سے کٹ جائے اور نہ کٹ سکتا ہو تو پیہم کٹنے کی جدوجہد کرتا رہے جو ایمان کی ضد اور مسلمانہ طریق زندگی کے منافی ہو، اور خوب اچھی طرح مقتضیاتِ ایمان میں سے ایک ایک تقاضے کو سمجھے اور اسے پورا کرنے کی پیہم سعی کرتا رہے۔

---

[۱] ہم دوزخ میں نہیں رہیں گے لیکن چند دن۔ (بقرہ)

امامت میں تغیر کی ضرورت

اب ہماری دعوت کے تیسرے نکتے کو لیجیے۔ ابھی جن دو نکات کی تشریح میں آپ کے سامنے کر چکا ہوں، یہ تیسرا نکتہ ان سے بالکل ایک منطقی نتیجے کے طور پر نکلتا ہے۔ ہمارا اپنے آپ کو بندگی رب کے حوالے کر دینا اور اس حوالگی و سپردگی میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا اور پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس نظام زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور، اور بد اخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کی شرائع کے قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون، آرٹ اور ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی اور تنفیذ قانون، مالیات، صنعت و حرفت و تجارت، انتظام ملکی اور تعلقات بین الاقوامی، ہر چیز کی باگ ڈور یہ لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے کسی شخص کے لیے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے بلکہ اپنی آیندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے۔ اس کے علاوہ صحیح معنوں میں جو شخص بندۂ رب ہو اس پر منجملہ دوسرے فرائض کے ایک اہم ترین فرض یہ بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ خدا کی رضا کے مطابق دنیا کے انتظام کو فساد سے پاک کرے اور صلاح پر قائم کرے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ زمام کار صالحین کے ہاتھ میں نہ ہو۔ فساق و فجار اور خدا کے

باغی اور شیطان کے مطیع دنیا کے امام و پیشوا اور منتظم رہیں اور پھر دنیا میں ظلم، فساد، بد اخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو، یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور آج تجربہ و مشاہدہ سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا کے آئمہ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دین حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔

امامت میں انقلاب کیسے آتا ہے؟

مگر یہ تغیر محض چاہنے سے نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بہر حال دنیا کا انتظام چاہتی ہے اور دنیا کے انتظام کے لئے کچھ صلاحیتیں اور قوتیں اور صفات درکار ہیں۔ جن کے بغیر کوئی گروہ اس انتظام کو ہاتھ میں لینے اور چلانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر مومنین، صالحین کا ایک منظم جتھا ایسا موجود نہ ہو جو انتظام دنیا کو چلانے کی اہلیت رکھتا ہو تو پھر مشیت الٰہی غیر مومن اور غیر صالح لوگوں کو اپنی دنیا کا انتظام سونپ دیتی ہے۔ لیکن اگر کوئی گروہ ایسا موجود ہو جائے جو ایمان بھی رکھتا ہو، صالح بھی ہو اور ان صفات اور صلاحیتوں اور قوتوں میں بھی کفار سے بڑھ جائے جو دنیا کا انتظام چلانے کے لیے ضروری ہیں تو مشیت الٰہی نہ ظالم ہے اور نہ فساد پسند کہ پھر بھی اپنی دنیا کا انتظام فساق و فجار اور کفار ہی کے ہاتھ میں رہنے دے۔ پس ہماری دعوت صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ دنیا کی زمام کار فساق و فجار کے ہاتھ سے نکل کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں آئے بلکہ ایجاباً (Positively) ہماری دعوت یہ ہے کہ اہل صلاح کا ایک ایسا گروہ منظم کیا جائے جو نہ صرف اپنے ایمان میں پختہ، نہ صرف اپنے اسلام میں مخلص و یک رنگ اور نہ صرف اپنے اخلاق میں صالح و پاکیزہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ان تمام اوصاف اور قابلیتوں سے

بھی آراستہ ہو جو دنیا کی کارگاہِ حیات کو بہترین طریقے پر چلانے کے لئے ضروری ہیں، اور صرف آراستہ ہی نہ ہو بلکہ موجودہ کارفرماؤں اور کارکنوں سے ان اوصاف اور قابلیتوں میں اپنے آپ کو فائق ثابت کر دے۔

مخالفت اور اس کے اسباب

یہ ہے ہماری دعوت کا خلاصہ۔ اب آپ تعجب کریں گے اگر میں آپ کو بتاؤں کہ اس دعوت کی مزاحمت اور مخالفت سب سے پہلے جس گروہ کی طرف سے ہوئی ہے وہ مسلمانوں کا گروہ ہے۔ اس وقت تک غیر مسلموں کی طرف سے ہمارے خلاف نہ کوئی آواز اٹھی ہے اور نہ عملاً کوئی مزاحمت و مخالفت ہوئی ہے یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آئندہ بھی یہی صورتِ حال رہے گی، نہ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کب تک یہ صورتِ حال رہے گی، مگر بہر حال یہ واقعہ اپنی جگہ نہایت دردناک اور افسوسناک ہے کہ اس دعوت کو سن کر ناک بھوں چڑھانے والے، اسے اپنے لئے خطرہ سمجھنے والے اور اس کی مزاحمت میں سب سے آگے بڑھ کر سعی کرنے والے غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔ شاید ایسی ہی کچھ صورتِ حال ہوگی جس میں اہل کتاب سے فرمایا گیا تھا وَلَا تَكُونُوْا اَوَّلَ كَافِرٍ بِہٖ[1] ہمیں ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں تک سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا ہے۔ مگر بہت کم ایسا اتفاق ہوا کہ ان لوگوں میں سے کسی نے ہمارے لٹریچر کو پڑھ کر یا ہمارے مدعا کو تفصیل کے ساتھ ہماری زبان سے سن کر یہ کہا ہو کہ یہ حق نہیں ہے۔ یا یہ کہ اگر تم اس چیز کو قائم کرنے کی کوشش کروگے

---

[1] سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو۔ (بقرہ)

تو ہم ایڑی سے چوٹی تک کا زور تمہاری مزاحمت میں لگا دیں گے۔ متعدد غیر مسلم ہم کو ایسے بھی ملے ہیں جنھوں نے بے اختیار ہو کر کہا کہ کاش یہی اسلام ہندوستان میں پیش کیا گیا ہوتا اور اسی کو قائم کرنے کے لئے باہر سے آنے والے اور اندر سے قبول کرنے والے مسلمانوں نے کوشش کی ہوتی تو آج ہندوستان کا یہ نقشہ نہ ہوتا اور اس ملک کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ بعض غیر مسلموں نے ہم سے یہاں تک کہا کہ اگر فی الواقع ایسی ایک سوسائٹی موجود ہو جو پوری دیانت کے ساتھ انہی اصولوں پر چلے اور جس کا مرنا اور جینا سب اسی ایک مقصد کے لئے ہو تو ہمیں اس کے اندر شامل ہونے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ لیکن اس کے برعکس ہماری مخالفت میں سرگرم اور ہمارے متعلق بدگمانیاں پھیلانے اور ہم پر ہر طرح کے الزام لگانے والے اگر کسی گروہ میں سب سے پہلے اٹھے تو وہ مسلمانوں کا گروہ ہے اور ان میں بھی سب سے زیادہ یہ شرف مذہبی طبقے کے حضرات کو حاصل ہوا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ آج تک کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ جس چیز کی دعوت تم لوگ دیتے ہو وہ باطل ہے۔ شاید اس دعوت پر سامنے سے حملہ (Frontal Attack) ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے مجبوراً کبھی عقب سے اور کبھی دائیں پہلو سے اور کبھی بائیں جانب سے چھاپے مارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ بات تو حق ہے مگر اس کی طرف دعوت دینے والا ایسا اور ایسا ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کے حق ہونے میں تو کلام نہیں مگر اس زمانے میں یہ چلنے والی چیز نہیں ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ حق تو یہی ہے مگر اس کا علم بلند کرنے کے لئے صحابہ کرام جیسے لوگ درکار ہیں اور وہ بھلا اب کہاں آسکتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کے صداقت ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر مسلمان اپنی موجودہ

سیاسی و معاشی پوزیشن میں اس دعوت کو اپنی واحد دعوت کیسے بنا سکتے ہیں، ایسا کریں تو ان کی دنیا تباہ ہو جائے اور تمام سیاسی اور معاشی زندگی پر غیر مسلم قابض ہو کر ان کے لئے سانس لینے تک کی جگہ نہ چھوڑیں پھر جب اس مسلمان قوم میں سے کوئی اللہ کا بندہ ایسا نکل آتا ہے جو ہماری اس دعوت کو قبول کر کے اپنی زندگی کو واقعی نفاق و تناقض سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی پوری زندگی کو بندگیٔ رب میں دے ڈالنے کا تہیہ کر لیتا ہے تو سب سے پہلے اس کی مخالفت کرنے کے لئے اس کے اپنے بھائی بند، اس کے ماں باپ، اعزا اور اقربا برادری کے لوگ اور دوست آشنا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اچھے اچھے متقی اور دیندار آدمی بھی جن کی پیشانیوں پر نمازیں پڑھتے پڑھتے گٹے پڑ چکے ہیں اور جن کی زبانیں مذہبیت کی باتوں سے ہر وقت تر رہتی ہیں اس بات کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ ان کا بیٹا یا بھائی یا کوئی عزیز جس کا دنیوی مفاد انہیں کسی درجہ میں بھی محبوب ہو اپنے آپ کو اس خطرہ میں ڈالے۔

یہ بات کہ اس دعوت کی مخالفت سب سے پہلے مسلمانوں نے کی اور ان کے بھی اہل دنیا نے نہیں بلکہ اہل دین نے کی، ایک بہت بڑی بیماری کا پتہ دیتی ہے جو مدتوں سے پرورش پا رہی تھی مگر ظاہر فریب پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ آج اگر ہم محض علمی رنگ میں اس دعوت کو پیش کرتے اور یہ نہ کہتے کہ آؤ اس چیز کو عمل میں لانے اور بالفعل قائم کرنے کی کوشش کریں تو آپ دیکھتے کہ مخالفت کے بجائے ان مزے دار علمی باتوں پر ہر طرف سے تحسین و آفرین ہی کی صدائیں بلند ہوتیں۔ بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو یہ کہہ سکے کہ بندگی خدا کے سوا کسی اور کی ہونی چاہیے، یا یہ کہ مسلمان کو نفاق کی حالت

میں اور منافی ایمان اعمال میں مبتلا رہنا چاہیئے، یا یہ کہ زمام کار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ کفار ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے، یا یہ کہ شریعت الٰہی کو نہیں کفر ہی کے قوانین کو دنیا میں جاری رہنا چاہیئے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب تک جن چیزوں کی ہم نے دعوت دی ہے ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے ہم دعوت عمل کے بغیر صرف علمی حیثیت سے پیش کرتے تو مسلمانوں میں سے کوئی گروہ بلکہ کوئی فرد اس کے خلاف زبان کھولنے پر آمادہ ہوتا۔ لیکن جس چیز نے لوگوں کو مخالفت پر آمادہ کیا وہ صرف یہ ہے کہ ہم ان باتوں کو فقط علمی رنگ میں ہی نہیں پیش کرتے بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ آؤ جس چیز کو از روئے حق جانتے ہو اسے عملاً پہلے اپنی زندگی میں اور پھر اپنے گردوپیش دنیا کی زندگی میں قائم و جاری کرنے کی کوشش کرو۔ یہ بعینہٖ وہی صورت حال ہے جو اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت پیش آ چکی ہے۔ جو لوگ عرب جاہلیت کے لٹریچر پر نگاہ رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی دعوت دی تھی اور جن اصولِ اخلاق کو آپ پیش فرماتے تھے وہ عرب میں بالکل کوئی نئی چیز نہ تھے۔ اسی قسم کے موحدانہ خیالات زمانۂ جاہلیت کے متعدد شعراء اور خطیب پیش کر چکے تھے اور اسی طرح اسلامی اخلاقیات میں سے بھی بیشتر وہ تھے جن کو اہلِ عرب کے حکماء اور خطباء اور شعراء بیان کرتے رہے تھے۔ مگر فرق جو کچھ تھا وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف تو باطل کی آمیزشوں سے الگ کر کے خالص حق کو ایک مکمل و مرتب نظام زندگی کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا، اور دوسری طرف آپ نے یہ بھی چاہا کہ جس توحید کو ہم حق کہتے ہیں اس کے مخالف عناصر کو ہم اپنی زندگی سے خارج کر دیں اور سارے نظام زندگی کو اسی توحید کی بنیاد

پر تعمیر کریں نیز یہ کہ جن اصول و اخلاق کو ہم معیار تسلیم کرتے ہیں ہماری پوری زندگی کا نظام بھی اُنہی اصولوں پر عملاً قائم ہو۔ یہی سبب تھا کہ جن باتوں کے کہنے پر زمانۂ جاہلیت کے کسی خطیب کسی شاعر اور کسی حکیم کی مخالفت نہیں کی گئی بلکہ اُلٹا انہیں سراہا گیا۔ اُن ہی باتوں کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تو ہر طرف سے مخالفتوں کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوُا، کیونکہ لوگ اس بات کے لئے تیار نہیں تھے، کہ شرک پر جو نظامِ زندگی قائم تھا اسے بالکل ادھیڑ کر از سرِ نو توحید کی بنیادوں پر قائم کیا جائے اور اس طرح ان تمام تعصبات اور آبائی رسموں کا، امتیازات اور حقوق، اور مناصب کا اور اعزازات و کرامات اور معاشی مفادات کا یک لخت خاتمہ ہو جائے جو صدہا برس سے عہدِ جاہلیت میں زندگی کی بنیاد بنے ہوئے تھے اور جن سے بعض طبقوں اور خاندانوں کی اغراض وابستہ تھیں۔ اسی طرح لوگ اس بات کے لئے بھی تیار نہیں تھے، کہ اخلاق فاسدہ کے رواج سے جو آسائشیں اور لذتیں اور منفعتیں اور آزادیاں ان کو حاصل ہیں ان سے دست بردار ہو جائیں اور اخلاق صالح کی بندشوں میں اپنے آپ کو خود کسوا لیں۔ یہ معاملہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ پیش نہیں آیا بلکہ حضورؐ سے پہلے جتنے نبی گذرے ہیں ان کی مخالفت بھی زیادہ تر اسی بات پر ہوئی ہے۔ اگر انبیاءؑ صرف علمی اور ادبی حیثیت سے توحید اور آخرت اور اخلاق فاضلہ کا ذکر کرتے تو ان کے زمانے کی سوسائٹیاں اسی طرح ان کو برداشت کرتیں بلکہ سر آنکھوں بٹھاتیں جس طرح انہوں نے مختلف قسم کے شاعروں اور فلسفیوں اور ادیبوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ لیکن ہر نبی کا مطالبہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی تھا کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ۔ (الشعراء) (اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اور لَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ۔ (الشعراء ۱۵۱) (حد سے گذرنے والوں کی اطاعت نہ کرو)

اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۔ الاعراف ۳ (جو ہدایت تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو) اور پھر انبیاء نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ ایک مستقل تحریک اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے جاری کی اور اپنے پیروؤں کے جتھے منظم کرکے عملاً نظام تہذیب و تمدن و اخلاق کو اپنے نصب العین کے مطابق بدل ڈالنے کی جدوجہد شروع کردی۔ بس یہی وہ نقطہ تھا جہاں سے ان لوگوں کی مخالفت کا آغاز ہوا جن کے مفاد نظام جاہلیت سے کلی یا جزئی طور پر وابستہ تھے۔ اور آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ ٹھیک یہی نقطہ ہے جہاں سے ہماری مخالفت کی ابتدا ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے ایک طویل مدت سے اپنی پوری زندگی کی عمارت ان بہت سی مصالحتوں (Compromise) پر قائم کر رکھی ہے جو نظام جاہلیت کے اور ان کے درمیان طے ہو چکے ہیں۔ یہ مصالحتیں صرف دنیا دارانہ ہی نہیں ہیں بلکہ انہوں نے اچھی خاصی مذہبی نوعیت بھی اختیار کرلی ہے۔ بڑے بڑے مقدس لوگ جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، ان مصالحتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نظام باطل کی وابستگی کے ساتھ تقویٰ اور عبادت کے چند مظاہر اس قدر کافی قرار دئیے جاچکے ہیں کہ بکثرت لوگ انہی محدود پرہیزگاریوں اور عبادت گزاریوں پر اپنی نجات کی طرف سے مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہت سے ارباب فضل اور مقامات عالیہ ایسے موجود ہیں جن کی بزرگی اور روحانیت، اور جن کے اونچے مراتب، نظام جاہلیت اور فسق و فجور اور بد اعتقادیوں اور ضلالتوں کی مذمت کرلینا اور عہد صحابہ کے نقشے بڑی طلاقتِ لسانی کے ساتھ اپنے وعظوں اور اپنی تحریروں میں کھینچ دینا اسلام کا حق ادا کرنے کے لئے بالکل کافی ہوچکا ہے اور اس کے بعد ان حضرات کے لئے

بالکل حلال ہے کہ خود اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اپنے متعلقین اور اپنے پیروؤں کو اسی نظامِ باطل کی خدمت میں لگادیں جس کے لائے ہوئے سیلابِ ضلالت و گمراہی اور طوفانِ فسق و فجور کی یہ دن رات مذمت کرتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں جب ہم دینِ حق اور اس کے مطالبات اور مقتضیات کو محض علمی حیثیت ہی سے پیش کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ دعوت بھی دیتے ہیں کہ غلط نظام کے ساتھ وہ تمام مصالحتیں ختم کردو جو تم نے کر رکھی ہیں اور کامل یکسوئی و یک رنگی کے ساتھ حق کی پیروی اختیار کرو اور پھر اس باطل کی جگہ اس حق کو قائم کرنے کے لئے جان و مال اور وقت و محنت کی قربانی دو جس پر تم ایمان لائے ہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ قصور ایسا نہیں ہے جسے معاف کیا جا سکے۔ اگر سیدھی طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ واقعی دین کے مطالبات اور مقتضیات یہی ہیں اور حقیقت میں حقیقت اسی کو کہتے ہیں۔ اور اصل بات یہی ہے کہ نظامِ باطل کے ساتھ مومن کا تعلق مصالحت کا نہیں بلکہ نزاع و کشمکش کا ہونا چاہیئے، تو پھر دو صورتوں سے ایک صورت کا اختیار کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، یا تو اپنے مفاد کی قربانی گوارا کر کے اس جد و جہد میں حصہ لیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بہت جانگسل بات ہے، یا پھر اعتراف کر لیا جائے کہ حق تو یہی ہے مگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ اعتراف بھی مشکل ہے کیونکہ ایسا کرنے سے صرف یہی نہیں کہ نجات کی وہ گارنٹی خطرہ میں پڑ جاتی ہے جس کے اطمینان پر اب تک زندگی بسر کی جا رہی تھی بلکہ اس طرح وہ مقامِ تقدس بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے جو مذہبی و روحانی حیثیت سے ان حضرات کو حاصل رہا ہے اور یہ چیز بھی بہر حال ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے ایک بڑے گروہ نے مجبوراً یہ تیسری راہ اختیار کی ہے کہ صاف صاف ہماری اس دعوت کو باطل تو نہ کہا جائے کیونکہ باطل کہنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن صاف

صاف اس کے حق ہونے کا بھی اعتراف نہ کیا جائے۔ اور اگر کہیں اس کی حقانیت کا اقرار کرنا پڑ ہی جائے تو پھر اصول کو چھوڑ کر کسی شخص یا اشخاص کو بدگمانیوں اور الزامات کا ہدف بنایا جائے تاکہ خود اپنے ہی مانے ہوئے حق کا ساتھ نہ دینے کے لئے وجہ جواز پیدا ہو جائے ۔ کاش یہ حضرات کبھی اس بات پر غور فرماتے کہ جو حجتیں آج بندوں کا منہ بند کرنے کے لئے وہ پیش کرتے ہیں کل قیامت کے روز کیا وہ خدا کا منہ بھی بند کر دیں گی۔

ہمارا طریق کار

اب میں آپ کے سامنے مختصر طور پر اس طریق کار کو پیش کروں گا جو ہم نے اپنی اس دعوت کے لئے اختیار کیا ہے۔ ہماری دعوت کی طرح ہمارا یہ طریق کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے۔ جو لوگ ہماری دعوت کو قبول کرتے ہیں ان سے ہمارا اولین مطالبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو عملاً اور بالکلیہ بندگیٔ رب میں دے دو اور اپنے عمل سے اپنے اخلاص اور اپنی یکسوئی کا ثبوت دو اور ان تمام چیزوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنے کی کوشش کرو جو تمہارے ایمان کی ضد ہیں۔ یہیں سے ان کے اخلاق و سیرت کی تعمیر اور ان کی آزمائش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں نے بڑی بڑی امنگوں (Ambitious) کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی انہیں اپنے اونچے خوابوں کی عمارتیں اپنے ہاتھ سے ڈھا دینی پڑتی ہیں اور اس زندگی میں قدم رکھنا پڑتا ہے جس میں جاہ و منصب اور معاشی خوش حالیوں کے امکانات انہیں اپنی زندگی میں تو درکنار اپنی دوسری تیسری پشت میں بھی دور دور نظر نہیں آتے۔ جن لوگوں کی معاشی خوشحالی کسی مرہونہ زمین یا کسی مغصوبہ جائیداد یا کسی ایسی میراث پر قائم تھی جس میں

حقداروں کے حقوق مارے گئے تھے۔ انہیں بسا اوقات دامن جھاڑ کر اس خوشحالی سے کنارہ کش ہو جانا پڑتا ہے صرف اس لئے کہ جس خدا کو انہوں نے اپنا آقا تسلیم کیا ہے اس کے منشار کے خلاف کسی کا مال کھانا ان کے ایمان کے منافی ہے۔ جن لوگوں کے وسائلِ زندگی غیر شرعی تھے یا نظامِ باطل سے وابستہ تھے ان کو ترقیوں کے خواب دیکھنا تو درکنار موجودہ وسائل سے حاصل کی ہوئی روٹی کا بھی ایک ایک ٹکڑا حلق میں اتارنا ناگوار ہونے لگتا ہے۔ اور وہ ان وسائل کو پاک تر وسائل سے خواہ وہ حقیر ترین ہی کیوں نہ ہوں، بدلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ پھر جیسا کہ ابھی میں آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں، اس مسلک کو عملاً اختیار کرتے ہی آدمی کا قریب ترین ماحول اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ اس کے اپنے والدین، اس کے بھائی بند، اس کی بیوی اور بچے اور اس کے جگری دوست سب سے پہلے اس کے ایمان سے قوت آزمائی کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس مسلک کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی آدمی کا اپنا گہوارہ جس میں وہ نازوں سے پالا گیا تھا اس کے لئے زنبور خانہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ ہے وہ ابتدائی تربیت گاہ جو صالح و مخلص اور قابلِ اعتماد سیرۃ کے کارکن فراہم کرنے کے لئے قدرتِ الٰہی نے ہمارے لئے خود بخود پیدا کر دی ہے۔ ان ابتدائی آزمائشوں میں جو لوگ ناکام ہو جاتے ہیں وہ آپ سے آپ چھٹ کر الگ ہو جاتے ہیں اور ہمیں ان کو چھانٹ پھینکنے کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑتی۔ اور جو لوگ ان میں پورے اترتے ہیں وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے اندر کم از کم اتنا اخلاص، اتنی یکسوئی، اتنا صبر اور عزم اتنی محبتِ حق اور اتنی مضبوطیِ سیرت ضرور موجود ہے جو خدا کی راہ میں قدم رکھنے اور پہلے مرحلۂ امتحان سے کامیاب گذر جانے کے لئے ضروری ہے۔ اس مرحلے کے کامیاب لوگوں کو ہم نسبتاً زیادہ بھروسے اور اطمینان

کے ساتھ لے کر دوسرے مرحلے کی طرف پیش قدمی کر سکتے ہیں جو آگے آنے والا ہے اور جس میں اس سے زیادہ آزمائشیں پیش آنے والی ہیں۔ وہ آزمائشیں پھر ایک دوسری بھٹی تیار کریں گی جو اسی طرح کھوٹے سکوں کو چھانٹ کر پھینک دے گی اور زرِ خالص کو اپنی گود میں رکھ لے گی۔ جہاں تک ہمارا علم ساتھ دیتا ہے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی معادن سے کار آمد عناصر کو چھانٹنے اور ان کو زیادہ کار آمد بنانے کے لئے یہی طریقہ پہلے بھی اختیار کیا جاتا رہا ہے اور جو تقویٰ ان بھٹیوں میں تیار ہوتا ہے، چاہے وہ فقہی ناپ تول میں پورا نہ اترے، اور خانقاہی معیاروں پر بھی ناقص نکلے، مگر صرف اسی طرز سے تیار کئے ہوئے تقویٰ میں یہ طاقت ہو سکتی ہے۔ کہ انتظامِ دنیا کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال سکے اور ان عظیم الشان امانتوں کا بار اٹھا سکے جن کے ایک قلیل سے قلیل جزء کا وزن بھی خانقاہی تقویٰ کی برداشت سے باہر ہے۔

اس کے ساتھ دوسری چیز جو ہم اپنے ارکان پر لازم کرتے ہیں یہ ہے کہ جس حق کی روشنی انہوں نے پائی ہے اس سے وہ اپنے قریبی ماحول کو اور ان سب لوگوں کو جن سے ان کا قرابت یا دوستی یا ہمسائیگی یا لین دین کا تعلق ہے، روشناس کرانے کی کوشش کریں اور انہیں اس کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ یہاں پھر آزمائشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس تبلیغ کی وجہ سے مبلغ کی اپنی زندگی درست ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کام شروع کرتے ہی بے شمار خورد بین اور دیدہ بان (Search Light) اس کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور مبلغ کی زندگی میں اگر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے ایمان اور اس کی دعوت کے منافی موجود ہو تو یہ

منفعت کے محتسب اسے نمایاں کر کے مبلّغ کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور تازیانے لگا لگا کر اسے مجبور کرتے ہیں کہ اپنی زندگی کو اس سے پاک کرے۔ اگر مبلّغ فی الواقع اس دعوت پر سچے دل سے ایمان لایا ہو تو وہ ان تنقیدوں پر جھنجلانے اور تاویلوں سے اپنے عمل کی غلطی کو چھپانے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ ان لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھائے گا جو مخالفت کی نیت ہی سے سہی مگر بہرحال اس کی اصلاح میں بغیر کسی معاوضے کے سعی و محنت صرف کرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ جس برتن کو بیسیوں ہاتھ مانجھنے میں لگ جائیں اور مانجھتے ہی چلے جائیں وہ چاہے کتنا ہی کثیف ہو آخر کار مجلّا و مصفّا ہو کر رہے گا۔

پھر اس تبلیغ سے ہمارے کارکنوں میں بہت سے ان اوصاف کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے جنہیں آگے چل کر دوسرے میدانوں میں کسی اور شکل سے ہم کو استعمال کرنا ہے۔ جب مبلّغ کو طرح طرح کے دل شکن حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کہیں اس کی ہنسی اڑائی جاتی ہے، کہیں اس پر طعنے اور آوازے کسے جاتے ہیں۔ کہیں گالیوں اور دوسری جہالتوں سے اس کی تواضع کی جاتی ہے، کہیں اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے، کہیں اس کو فتنوں میں الجھانے کی نت نئی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ کہیں اُسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے، میراث سے محروم کیا جاتا ہے دوستیاں اور رشتہ داریاں اس سے منقطع کر لی جاتی ہیں اور اس کے لئے اپنے ماحول میں سانس لینا تک دشوار کر دیا جاتا ہے، تو ان حالات میں میں جو کارکن نہ ہمت ہارے نہ حق سے پھرے، نہ باطل پرستوں کے آگے سپر ڈالے نہ مشتعل ہو کر اپنے دماغ کا توازن کھوئے۔ بلکہ اس کے برعکس حکمت اور تدبر اور ثابت قدمی اور راست بازی اور پرہیزگاری اور ایک

سچے حق پرست کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم اور اپنے ماحول کی اصلاح میں پیہم کوشاں رہے۔ اس کے اندر ان اوصاف عالیہ کا پیدا ہونا اور نشوو نما پانا یقینی ہے جو آگے چل کر ہماری اس جدوجہد کے دوسرے مرحلوں میں اس سے بہت زیادہ بڑے پیمانے پر درکار ہوں گے۔

اس تبلیغ کے سلسلہ میں ہم نے وہی طریق کار اپنے کارکنوں کو سکھانے کی کوشش کی ہے جو قرآنِ مجید میں تعلیم فرمایا گیا ہے، یعنی یہ کہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ خدا کے راستے کی طرف دعوت دیں۔ تدریج اور فطری ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کے سامنے دین کے اولین بنیادی اصولوں کو اور پھر رفتہ رفتہ ان کے مقتضیات اور لوازم کو پیش کریں، کسی کو اس کی قوت ہضم سے بڑھ کر خوراک دینے کی کوشش نہ کریں، فروع کو اصول پر اور جزئیات کو کلیات پر مقدم نہ کریں، بنیادی خرابیوں کو رفع کئے بغیر ظاہری برائیوں اور بیرونی شاخوں کو چھانٹنے اور کاٹنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ غفلت اور اعتقادی و عملی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کے ساتھ نفرت و کراہیت کا برتاؤ کرنے کے بجائے ایک طبیب کی سی ہمدردی و خیر خواہی کے ساتھ ان کے علاج کی فکر کریں، گالیوں اور پتھروں کے جواب میں دعائے خیر کرنا سیکھیں، ظلم اور ایذا رسانی پر صبر کریں، جاہلوں سے بحثوں اور مناظروں اور نفسانی مجادلوں میں نہ الجھیں، لغو اور بیہودہ باتوں سے عالی ظرف اور شریف لوگوں کی طرح درگزر کریں، جو لوگ حق سے مستغنی بنتے ہوئے ہوں ان کے پیچھے پڑنے کے بجائے ان لوگوں کی طرف توجہ کریں جن کے اندر کچھ طلب حق پائی جاتی ہو خواہ وہ دنیوی اعتبار سے کتنے ہی ناقابلِ توجہ سمجھے جاتے ہوں اور اپنی تمام سعی و جہد میں ریا اور نمود و نمائش سے بچیں، اپنے کارناموں

کو گنانے اور فخر کے ساتھ ان کا مظاہرہ کرنے اور لوگوں کی توجہات اپنی طرف کھینچنے کی ذرہ برابر کوشش نہ کریں بلکہ جو کچھ کریں اس نیت اور اس یقین و اطمینان کے ساتھ کریں کہ ان کا سارا عمل خدا کے لئے ہے اور خدا بہر حال ان کی خدمات سے بھی واقف ہے۔ اور ان خدمات کی قدر بھی اسی کے ہاں ہونی ہے خواہ خلق اس سے واقف ہو یا نہ ہو اور خلق کی طرف سے سزا ملے یا جزا۔ یہ طریق کار غیر معمولی صبر اور حلم اور لگاتار محنت چاہتا ہے۔ اس میں ایک مدت دراز تک مسلسل کام کرنے کے بعد بھی شاندار نتائج کی وہ ہری بھری فصل لہلہاتی نظر نہیں آتی جو سطحی اور نمائشی کام شروع کرتے ہی دوسرے دن سے تماشائیوں اور مداریوں کا دل لبھانا شروع کر دیتی ہے۔ اس میں ایک طرف خود کارکن کے اندر وہ گہری بصیرت، وہ سنجیدگی، وہ پختہ کاری اور وہ معاملہ فہمی پیدا ہوتی ہے جو اس تحریک کے زیادہ صبر آزما اور زیادہ محنت و حکمت چاہنے والے مراحل میں درکار ہونے والی ہے۔ اور دوسری طرف اس سے تحریک اگرچہ آہستہ رفتار سے چلتی ہے مگر اس کا ایک ایک قدم مستحکم ہوتا چلا جاتا ہے صرف ایسے ہی طریق تبلیغ سے سوسائٹی کا مکھن نکال کر تحریک میں جذب کیا جا سکتا ہے۔ اوچھے اور سطحی لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے بجائے اس طریق تبلیغ سے سوسائٹی کے صالح ترین عناصر تحریک کی طرف کھنچتے ہیں اور سنجیدہ (Serious) کارکن تحریک کو میسر آتے ہیں جن میں سے ایک ایک آدمی کی شرکت ہزار بوالفضولوں کے انبوہ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

ہمارے طریق کار کا ایک بڑا اہم جزیہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو نظام باطل کی قانونی اور عدالتی حفاظت سے خود بخود محروم کر لیا ہے[1] اور علی الاعلان دنیا کو بتا دیا ہے

---

[1] واضح رہے کہ یہ پالیسی غیر منقسم ہندوستان میں تھی جب کہ ایک لادینی حکومت قائم تھی۔

کہ ہم اپنے انسانی حقوق، اپنے مال و جان اور عزت و آبرو، کسی چیز کی عصمت بھی قائم رکھنے کے لئے اس نظام کی مدد حاصل کرنا نہیں چاہتے جس کو ہم باطل سمجھتے ہیں۔ لیکن اس چیز کو ہم نے تمام ارکان پر لازم نہیں کیا ہے۔ بلکہ ان کے سامنے ایک بلند معیار رکھ دینے کے بعد ان کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہیں تو اس معیار کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جائیں ورنہ حالات کی مجبوریوں سے شکست کھا کھا کر جس قدر پستی میں گرنا چاہیں گرتے چلے جائیں البتہ پستی کی ایک حد ہم نے مقرر کر دی ہے کہ اس سے گر جانے والے کو ہم اپنی جماعت میں نہ رکھیں گے یعنی ایسا شخص جو جھوٹا مقدمہ بنائے، یا جھوٹی شہادت دے، یا ایسی مقدمہ بازی میں الجھے جس کے لئے کسی مجبوری کا عذر نہ پیش کیا جاسکے۔ بلکہ وہ سراسر منفعت طلبی یا نفسانیت کی تسکین یا دوستی اور رشتہ داری کی عصبیت ہی پر مبنی ہو، ہماری جماعت میں جگہ نہیں پا سکتا۔

بظاہر لوگ ہمارے اس طریق کار کی حکمتوں کو جو ہم نے قانون و عدالت کے معاملے میں اختیار کیا ہے پوری طرح نہیں سمجھتے اس لئے وہ طرح طرح کے سوالات ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت اس کے بے شمار فائدے ہیں۔ اس کا اوّلین فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنا ایک با اصول جماعت ہونا اپنے عمل سے اور ایسے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں جو محض تفریحی نوعیت ہی نہیں رکھتا بلکہ صریح طور پر نہایت تلخ اور انتہائی کڑی آزمائشیں اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کو انسانی زندگی کے لئے قانون بنانے کا حق نہیں ہے، اور جب ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حاکمیت (Sovereignty) صرف خدا کا حق ہے اور خدا کی اطاعت اور اس کے قانون کی پابندی کے بغیر کوئی زمین میں حکم چلانے کا مجاز نہیں ہے، اور جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو قانون الٰہی کی سند کے بغیر معاملات انسانی

کا فیصلہ کرے وہ کافر اور فاسق اور ظالم ہے تو ہمارے اس عقیدے اور ہمارے اس دعوے سے خود بخود یہ بات لازم آجاتی ہے کہ ہم اپنے حقوق کی بنیاد کسی غیر الٰہی قانون پر نہ رکھیں اور حق اور غیر حق کا فیصلہ کسی ایسے حاکم کی حکومت پر نہ چھوڑیں جس کو ہم باطل سمجھتے ہیں۔ اپنے عقیدے کے اس تقاضے کو اگر ہم سخت سے سخت نقصانات اور انتہائی خطرات کے مقابلے میں بھی پورا کر کے دکھا دیں تو یہ ہماری راستی اور ہماری مضبوطیٔ سیرت اور ہمارے عقیدے اور عمل کی مطابقت کا ایسا بیّن ثبوت ہوگا جس سے بڑھ کر کسی دوسرے ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اگر کسی نفع کی امید یا کسی نقصان کا خطرہ یا کسی ظلم و ستم کی چوٹ ہم کو مجبور کر دے کہ ہم اپنے عقیدے کے خلاف کام کر گذریں تو یہ ہماری کمزوری کا اور ہماری سیرت کے بودے پن کا بھی ایک نمایاں ترین ثبوت ہوگا جس کے بعد کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہ رہے گی۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اپنے ارکان کی پختگی اور ان کے قابلِ اعتماد یا ناقابلِ اعتماد ہونے کا اندازہ کرنے کے لئے ہمارے پاس یہ ایک ایسی کسوٹی ہوگی جس سے ہم بآسانی یہ معلوم کرتے رہیں گے کہ ہم میں سے کون لوگ کتنے پختہ ہیں اور کس سے کس قسم کی آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اس کا تیسرا اور عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ ہمارے ارکان یہ مسلک اختیار کرنے کے بعد آپ سے آپ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ سوسائٹی کے ساتھ اپنے تعلقات کو قانون کی بنیادوں پر قائم کرنے کے بجائے اخلاق کی بنیادوں پر قائم کریں۔ ان کو اپنا اخلاقی معیار اتنا بلند کرنا پڑے گا، اپنے آپ کو اپنے ماحول میں اس قدر راست باز، اتنا متدین، اتنا امین، اتنا خدا ترس اور اس قدر خیر مجسم بنانا پڑے گا کہ لوگ خود بخود ان

کے حقوق، ان کی عزت اور ان کی جان و مال کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کیونکہ اس اخلاقی تحفظ کے سوا ان کے لئے دنیا میں اور کوئی تحفظ نہ ہوگا اور قانونی تحفظ سے محروم ہونے اور پھر اخلاقی تحفظ بھی حاصل نہ کرنے کی صورت میں ان کی حیثیت دنیا میں بالکل ایسی ہو کر رہ جائے گی جیسے جنگل میں ایک بکری بھیڑیوں کے درمیان رہتی ہو۔

اس کا چوتھا فائدہ یہ ہے اور یہ بھی کچھ اہم نہیں ہے کہ ہم اس طرح اپنے آپ کو اور اپنے مفاد اور حقوق کو خطرے میں ڈال کر موجودہ سوسائٹی کی اخلاقی حالت کو بالکل برہنہ کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیں گے۔ جب یہ لوگ جاننے کے بعد کہ ہم پولیس اور عدالت سے اپنی حفاظت کے لئے کوئی مدد لینے والے نہیں ہیں، ہمارے حقوق پر علی الاعلان ڈاکے ماریں گے تو یہ اس بات کا نمایاں ترین ثبوت ہوگا کہ ہمارے ملک کی اور ہماری سوسائٹی کی اخلاقی حالت کس قدر کھوکھلی ہے، کتنے آدمی ہیں جو صرف اس وجہ سے شریف بنے ہوئے ہیں کہ قانون نے ان کو شریف بنا رہنے پر مجبور کر رکھا ہے، کتنے آدمی ہیں جو ہر قسم کی خیانت اور بے ایمانی کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ دنیا میں کوئی ان پر گرفت کرنے والا نہیں ہے کتنے آدمی ہیں جنہوں نے مذہب اور اخلاق اور انسانیت کے جھوٹے لبادے اوڑھ رکھے ہیں حالانکہ اگر موقع میسر آجائے اور کوئی رکاوٹ موجود نہ ہو تو ان سے بدترین بداخلاقی اور لامذہبیت اور حیوانیت کا صدور نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ اخلاقی ناسور جو چھپا ہوا ہے اور اندر ہی اندر ہماری قومی سیرت کو گلا اور سڑا رہا ہے ہم اس کو علی رؤس الاشہاد بے پردہ کر کے رکھ دیں گے تاکہ ہمارے ملک کا اجتماعی ضمیر چونک پڑے اور اسے ٹھیک اندازہ ہو کہ جس مرض سے وہ اب تک غفلت برت رہا ہے وہ کتنی دور پہنچ چکا ہے۔

صاحبو! اپنی دعوت اور اپنے طریق کار کی یہ مختصر تشریح میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ آپ اس کو جانچیں اور پرکھیں اور اس پر کڑی سے کڑی تنقید کریں اور دیکھیں کہ ہم کس چیز کی طرف بلا رہے ہیں، اور بلانے کے لئے ہم نے جو ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے، کس حد تک خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کے مطابق ہے، کس حد تک موجودہ انفرادی و اجتماعی امراض کا صحیح علاج ہے اور کس حد تک اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم اپنے آخری مقصود یعنی کلمۃ اللہ کے بلند اور کلمات باطلہ کے پست ہو جانے کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اب میں ان شبہات و اعتراضات پر کچھ عرض کروں گا جو اسی اجتماع کے دوران میں بعض رفقاء اور ہمدردوں کے ذریعے سے مجھ تک پہنچائے گئے ہیں۔

علماء اور مشائخ کی آڑ

ایک اعتراض جو پہلے بھی بار بار سُن چکا ہوں اور آج بھی وہ میرے پاس تحریری شکل میں آیا ہے، یہ ہے کہ ایسے بڑے بڑے علماء اور پیشوایانِ دین (جن کے کچھ نام بھی گنا دیئے گئے ہیں) کیا دین سے اس قدر ناواقف تھے کہ نہ صرف یہ کہ خود انہوں نے دین کے ان تقاضوں کو جو تم بیان کرتے ہو نہیں سمجھا اور پورا کرنے کی طرف توجہ نہیں کی بلکہ تمہارے بیان کرنے کے بعد بھی انہوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور نہ تمہارے ساتھ تعاون کرنا قبول کیا؟ کیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ سب دین سے ناواقف ہیں؟ یا اس بات کا کہ تم نے خود دین کے نام سے ایک ایسی چیز پیش کی ہے جو مقتضیات دین میں سے نہیں ہے؟ اس سوال کا بہت مختصر جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن اور سنت ہی سے سمجھنے

کی کوشش کی ہے اس لئے میں کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن مجید کیا کہتا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ اسی ذریعۂ معلومات کی طرف میں آپ لوگوں کو بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ آپ یہ دیکھیئے کہ جس چیز کی طرف میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں اور جو طریق کار اس کے لئے پیش کر رہا ہوں آیا قرآن کی دعوت وہی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقِ کار وہی رہا ہے یا نہیں۔ اگر قرآن و سنت سے یہ بات ثابت ہو جائے اور آپ کے نزدیک قرآن و سنت ہی اصل ذریعۂ ہدایت ہوں تو میری بات مانئے اور میرے ساتھ آجائیے اور اگر اس دعوت اور اس طریق کار میں کوئی چیز قرآن و سنت سے ہٹی ہوئی ہو تو بے تکلف اسے ظاہر کر دیجئے، جس وقت مجھ پر اور میرے رفقاء پر یہ منکشف ہوئے گا کہ ہم کہیں بال برابر بھی قرآن اور سنت سے ہٹے ہیں تو آپ انشاء اللہ دیکھ لیں گے کہ ہم حق کی طرف رجوع کرنے میں ایک لمحے کے لئے بھی تامل کرنے والے نہیں ہیں لیکن اگر آپ حق و باطل کا فیصلہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بجائے اشخاص پر رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو پورا اختیار ہے کہ آپ اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل کو اشخاص ہی کے حوالے کر دیجئے اور خدا کے ہاں بھی یہی جواب دیجئے گا کہ ہم نے اپنا دین تیری کتاب اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بجائے فلاں اور فلاں لوگوں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ جواب وہی اگر آپ کو خدا کے ہاں بچا سکتی ہے تو اسی پر اطمینان سے کام کرتے رہیئے۔

زہد کا طعنہ

ایک اور اعتراض جس کے متعلق مجھے لکھا گیا ہے کہ ایک مخلص ہمدرد نے اسے پیش کیا ہے یہ ہے کہ "تمہاری جماعت محض چند زہاد اور تارکینِ دنیا کی ایک جماعت ہے جو دنیا کے معاملات سے بے تعلق ہو کر ایک طرف بیٹھ گئی ہے اور جسے سیاسیاتِ حاضرہ سے کوئی بحث نہیں ہے، درانحالیکہ مسلمانوں کو حالات نے مجبور کر دیا ہے کہ بغیر ایک لمحہ ضائع کیے ان سیاسی مسائل کو حل کریں جن کے حل پر پوری قوم کے مستقبل کا انحصار ہے اور صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی مجبور ہیں کہ سب سے پہلے اپنے ملک کے سیاسی مستقبل کی فکر کریں کیونکہ اسی پر ان کی فلاح کا مدار ہے، لہٰذا اس ملک میں جو لوگ بھی زندگی کے عملی مسائل سے دلچسپی و تعلق رکھتے ہیں وہ تو تمہاری طرف توجہ نہیں کر سکتے البتہ کچھ گوشہ نشین و زاویہ پسند لوگ جو مذہبی ذہنیت رکھتے ہوں تمہیں ضرور مل جائیں گے"۔ یہ اعتراض دراصل اس سطح بینی کا نتیجہ ہے جس سے ہمارے آج کل کے سیاست کار حضرات معاملات کو دیکھنے اور سمجھنے میں کام لے رہے ہیں۔ یہ لوگ محض سیاسی اشکال اور صورتوں کے ردّ و بدل کو دیکھتے ہیں اور ان ہی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں لیکن سیاست کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے ان تک ان کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ آپ کے موجودہ سیاسی مسائل جن کی فکر میں آپ لوگ آج کل الجھے ہوئے ہیں کس چیز کے پیدا کردہ ہیں؟ صرف اس چیز کے کہ جن اخلاقی اور اعتقادی و فکری اور تہذیبی و تمدنی بنیادوں پر اس ملک کی سوسائٹی قائم تھی وہ اتنی کمزور ثابت ہوئیں کہ ایک دوسری قوم اگرچہ وہ نہایت ہی گمراہ اور نہایت ہی غلط کار تھی۔ مگر بہر حال اپنے اخلاقی اوصاف، اپنی تہذیبی و تمدنی طاقت اور اپنی عملی قابلیتوں کے لحاظ سے وہ آپ سے

اتنی زیادہ برتر ثابت ہوئی کہ ہزاروں میل دور سے آکر اس نے آپ کو اپنا محکوم بنالیا۔ پھر آپ اپنی مدت ہائے دراز کی غفلتوں اور کمزوریوں کی وجہ سے اس حد تک گرے کہ خود اس محکومی کے اندر بھی آپ کی ہمسایہ قومیں آپ کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوگئیں اور آپ کے لئے یہ سوال پیدا ہوگیا کہ اپنے آپ کو پہلے کس سے بچائیں، گھر والے سے یا باہر والے سے؟ یہ ہے آپ کے تمام موجودہ سیاسی مسائل کا خلاصہ، اور ان مسائل کو آپ بھی اور آپ کی ہمسایہ دوسری ہندوستانی قومیں بھی صرف اس طرح حل کرنا چاہتی ہیں کہ ملک کا سیاسی نظام جس شکل پر قائم ہے اس میں بس کچھ اوپری ردّ و بدل ہو جائے۔ میں اس سیاست کو اور اس سیاسی طریقِ کار کو بالکل مہمل سمجھتا ہوں اور اس میں اپنا وقت ضائع کرنے کا کچھ حاصل نہیں پاتا پھر صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں جو سیاسی مسائل اس وقت درپیش ہیں ان کا خلاصہ بھی میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ انسان کو جو حیثیت دنیا میں فی الواقع حاصل نہیں تھی اسے خواہ مخواہ اپنی حیثیت بنا لینے پر اس نے اصرار کیا اور اپنے اخلاق، اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنی معیشت اور اپنی سیاست کی بنیاد خدا سے خود مختاری پر رکھ دی جس کا انجام آج ایک عظیم الشان فساد اور ایک زبردست طوفان فسق و فجور کی شکل میں رونما ہو رہا ہے۔ اس انجام کو انتظام دنیا کی محض ظاہری شکلوں کے ردّ و بدل سے دور کرنے کے لئے جو کوششیں آج کی جا رہی ہیں انہی کا نام آج "سیاست" ہے اور میرے نزدیک بلکہ فی الحقیقت اسلام کے نزدیک یہ سیاست سراسر لغو اور بے حاصل ہے۔ میں نے اسلام سے جن حقیقتوں کو سمجھا ہے ان کی بنا پر میرے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کی اور ہندوستان کے سارے باشندوں کی اور تمام دنیائے مسلمین اور دنیائے غیر مسلمین کی سیاست کا حل صرف یہ ہے کہ ہم سب خدا

کی بندگی اختیار کریں، اس کے قانون کو اپنا قانونِ حیات تسلیم کریں اور انتظام دنیا کی زمامِ اختیار فساق و فجار کے بجائے عباد اللہ الصالحین کے ہاتھ میں ہو۔ یہ سیاست اگر آپ کو اپیل نہیں کرتی تو آپ کچھ دوسری سیاست بازیوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا راستہ الگ ہے اور میرا راستہ الگ۔ جایئے اور جن جن طریقوں سے اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں حل کر کے دیکھ لیجئے۔ مگر میں اور میرے رفقاء علیٰ وجہ البصیرت جس چیز میں اپنی اپنی قوم کی، اپنے ملک کی اور ساری دنیا کی فلاح دیکھتے ہیں۔ اسی پر ہم اپنی ساری کوششیں صرف کرتے رہیں گے۔ اگر دنیا کے لوگ ہماری باتوں کی طرف توجہ کریں گے تو ان کے اپنے لئے بھلا ہے اور نہ کریں گے تو اپنا کچھ بگاڑیں گے۔ ہمارا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔

رہی یہ غلط فہمی کہ ہم زاہدوں اور گوشہ نشینوں کا ایک گروہ بنا رہے ہیں تو اگر یہ عمداً واقعہ کی غلط تعبیر نہیں ہے اور واقعی غلط فہمی ہی ہے تو اسے ہم صاف صاف رفع کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم دراصل ایسا گروہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو ایک طرف زہد و تقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام کو چلانے کی قابلیت و صلاحیت بھی عام دنیاداروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو۔ ہمارے نزدیک دنیا کی تمام خرابیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ نیک لوگ نیکی کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہونے کی بنا پر گوشہ گیر ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور پرہیزگاری اس کو سمجھتے ہیں کہ دنیا کے معاملات ہی سے پرہیز کریں، اور دوسری طرف ساری دنیا کے کاروبار بدوں کے ہاتھ میں آجاتے ہیں جن کی زبان پر نیکی کا نام اگر آتا بھی ہے تو صرف خلقِ خدا کو دھوکا دینے کے لئے۔ اس خرابی کا علاج صرف یہی ہو سکتا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت

منظم کی جائے جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانت دار بھی ہو، خدا کے پسندیدہ اخلاق اور اوصاف سے آراستہ بھی ہو اور اس کے ساتھ دنیا کے معاملات کو دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھے اور خود دنیا داری ہی میں اپنی مہارت و قابلیت سے ان کو شکست دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی سیاسی کام نہیں ہو سکتا اور نہ اس سے زیادہ کامیاب سیاسی تحریک اور کوئی ہو سکتی ہے کہ ایسے ایک صالح گروہ کو منظم کر لیا جائے۔ بداخلاق اور بے اصول لوگوں کے لئے دنیا کی چراگاہ میں بس اسی وقت تک چرنے چگنے کی مہلت ہے جب تک ایسا گروہ نہیں تیار ہو جاتا اور جب ایسا گروہ تیار ہو جائے گا تو آپ یقین رکھیئے کہ نہ صرف آپ کے اس ملک کی بلکہ بتدریج ساری دنیا کی سیاست اور معیشت اور مالیات اور علوم و آداب اور عدل و انصاف کی باگیں اسی گروہ کے ہاتھ میں آجائیں گی اور فساق و فجار کا چراغ ان کے آگے نہ جل سکے گا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ انقلاب کس طرح رونما ہوگا لیکن جتنا مجھے کل سورج کے طلوع ہونے کا یقین ہے اتنا ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ یہ انقلاب بہر حال رونما ہو کر رہے گا بشرطیکہ ہمیں صالحین کے ایسے گروہ کو منظم کرنے میں کامیابی حاصل ہو جائے۔

رفقاء جماعت سے خطاب

اب میں آپ لوگوں سے اجازت چاہوں گا کہ تھوڑی دیر کے لئے عام خطاب کو چھوڑ کر خاص طور پر کچھ باتیں اپنے رفقاء سے عرض کروں:۔

رفقاء محترم! سب سے پہلے آپ سے خطاب کرتے ہوئے میں اسی بات کو دہرانا ضروری سمجھتا ہوں جسے ہر اجتماع کے موقعہ پر دہراتا رہا ہوں کہ اپنی اس عظیم الشان

ذمہ داری کو محسوس کیجیے جس کو آپ نے شعوری طور پر اپنے خدا سے عہد و میثاق مضبوط کر کے اپنے اوپر خود عائد کر لیا ہے۔ آپ کے اس عہد کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ آپ قانونِ الٰہی کے زیادہ سے زیادہ پابند ہوں اور آپ کے عقیدے اور قول و عمل میں کامل مطابقت ہو اور آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہ جائے جس میں آپ کے افکار و اعمال اُس اسلام سے مختلف ہوں، جس پر آپ ایمان لائے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ آپ کے اسی عہد کا تقاضا اور نہایت شدید تقاضا یہ بھی ہے کہ جس اسلام پر آپ ایمان لائے ہیں اور جسے آپ اپنے پادشاہ کا دین سمجھتے ہیں اور جسے آپ تمام نوعِ انسانی کے لئے حق جانتے ہیں اور واحد ذریعہ فلاح بھی سمجھتے ہیں اس کو تمام دوسرے دینوں اور مسلکوں اور نظاموں کے مقابلے میں سربلند کرنے کے لئے، اور نوعِ انسانی کو ادیانِ باطلہ کی فساد انگیز تباہ کاریوں سے بچا کر دینِ حق کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنے کے لئے آپ میں کم از کم اتنی بے چینی پائی جائے جتنی آج ادیان باطلہ کے پیرو اپنے اپنے جھوٹے اور غارتگر دینوں کی حمایت و برتری کے لئے دکھا رہے ہیں۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے ان لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جو سخت سے سخت خطرات، شدید سے شدید نقصانات، جان و مال کے زیاں، ملکوں کی تباہی اور اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں اور جگر گوشوں کی قربانی صرف اس لئے گوارا کر رہے ہیں کہ جس طریقِ زندگی کو وہ صحیح سمجھتے ہیں اور جس نظام میں اپنے لئے فلاح کا امکان انہیں نظر آتا ہے اسے نہ صرف اپنے ملک پر بلکہ ساری دنیا پر غالب کر کے چھوڑیں۔ ان کے صبر اور ان کی قربانیوں اور محنتوں اور ان کے تحمل مصائب اور اپنے مقصد کے ساتھ ان کے عشق کا موازنہ آپ اپنے عمل سے کر کے دیکھیے اور محسوس کیجیے کہ آپ اس معاملے میں

ان کے ساتھ کیا نسبت رکھتے ہیں۔ اگر فی الواقع آپ کبھی ان کے مقابلے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو صرف اسی وقت جب کہ ان حیثیات میں آپ ان سے بڑھ جائیں ورنہ آپ کے مالی ایثار، آپ کے وقت اور محنت کے ایثار، اور اپنے مقصد کے ساتھ آپ کی محبت اور اس کے لئے آپ کی قربانی کا جو حال اس وقت ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو آپ یہ حق بھی نہیں رکھتے کہ اپنے دل میں اس تمنا کو پرورش کریں کہ آپ کے ہاتھوں یہ جھنڈا کبھی بلند ہو۔

دوسری چیز جس کی طرف مجھے آپ کو توجہ دلانے کی بار بار ضرورت محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگ دین کے اصولی اور بنیادی امور کی اہمیت کو سمجھیں اور فروع کے ساتھ جو اہتمام اب تک کرتے رہے ہیں اور جس اہتمام کی بیماری آپ کے سارے مذہبی ماحول کو لگی ہوئی ہے اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری اور جماعت کے چند دوسرے صاحب علم و نظر رفقاء کی کوششوں کے باوجود ہماری جماعت میں ابھی تک ان جزئیات کے ساتھ اچھا خاصہ انہماک بلکہ غلو پایا جاتا ہے جن پر ایک مدت سے فرقہ بندیاں اور گروہی کشمکشیں ہوتی رہی ہیں، اور یہ کیفیت بسا اوقات اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ہماری تفہیم سے اس طریقے کو چھوڑنے کے بجائے ہمارے بعض رفقاء الٹا ہمیں کو ان بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جن جزئیات پر آپ لوگ بحثیں کرتے ہیں وہ خواہ کتنی ہی اہمیت رکھتی ہوں مگر بہرحال یہ وہ چیزیں نہیں ہیں جن کو قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث کیا ہو اور اپنی کتابوں کو نازل کیا ہو۔ انبیاء کی بعثت اور کتب الٰہی کی تنزیل کا مقصد ان جزئیات کو قائم کرنا نہیں ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ رہا ہے کہ خلق خدا

اپنے مالکِ حقیقی کے سوا کسی کے تابع فرمان نہ رہے، قانون صرف خدا کا قانون ہو، تقویٰ صرف خدا سے ہو، امر صرف خدا کا مانا جائے، حق اور باطل کا فرق اور زندگی میں راہ راست کی ہدایت صرف وہی مسلّم ہو جسے خدا نے واضح کیا ہے اور دنیا میں ان خرابیوں کا استیصال کیا جائے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور ان خیرات و حسنات کو قائم کیا جائے جو اللہ کو محبوب ہیں۔ یہ ہے دین اور اسی کی اقامت ہمارا مقصد ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسی کام پر ہم مامور ہیں۔ اس کام کی اہمیت اگر آپ پوری طرح محسوس کرلیں اور اگر آپ کو اس بات کا بھی احساس ہو کہ اس کام کے معطل ہوجانے اور باطل نظاموں کے دنیا پر غالب ہوجانے سے دنیا کی موجودہ حالت کس قدر شدت سے غضب الٰہی کی مستحق ہوچکی ہے۔ اور اگر آپ یہ بھی جان لیں کہ اس حالت میں ہمارے لئے غضب الٰہی سے بچنے اور رضائے الٰہی سے سرفراز ہونے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام قوت خواہ وہ مال کی ہو یا جان کی، دماغ کی ہو زبان کی صرف اقامت دین کی سعی میں صرف کردیں۔ تو آپ سے کبھی ان فضول بحثوں اور ان لایعنی افکار کا صدور نہ ہوسکے جن میں اب تک آپ میں سے بہت سے لوگ مشغول ہیں۔ میرے نزدیک یہ تمام مشاغل صرف اس ایک چیز کا نتیجہ ہیں کہ لوگوں نے ابھی تک اس بات کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے کہ دین حقیقت میں کس چیز کا نام ہے اور اس کے واقعی مطالبات اپنے پیرؤوں سے کیا ہیں۔

ایک اور خامی جو ہمارے بعض رفقاء میں پائی جاتی ہے اور جو اکثر ہمارے لئے سبب پریشانی بنتی رہتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات اصول اور نظریے کی حد تک تو اس جماعت کے مسلک کو سمجھ گئے ہیں لیکن طریقِ کار کو اچھی طرح نہیں سمجھے، اس لئے

بار باران کی توجہات دوسری مختلف جماعتوں کے طریقوں کی طرف پھر جاتی ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر کے بطور خود ہمارے نصب العین اور دوسروں کے طریق کار کی ایک معجون مرکب بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب انہیں اس سے روکا جاتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم خواہ مخواہ ایک اچھے چلتے ہوئے زود اثر طریق کار کو محض اس تعصب کی بنا پر اختیار نہیں کرنا چاہتے کہ وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ بعض حضرات نے تو ستم ہی کر دیا کہ جب ہماری طرف سے ان کو ٹوکا گیا تو انہوں نے ہمیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ نام آپ ہی کا لیا جائے گا دوسروں کا نہ لیا جائے گا گویا ان کے نزدیک ہماری ساری تگ و دو صرف اپنا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک چلانے کے لئے ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ اس جماعت میں شریک ہیں۔ ہماری جماعت کی بعض مقامی شاخیں اس وبا سے خاص طور پر بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں۔ لیکن جہاں تاثر اتنا زیادہ نہیں ہے۔ وہاں بھی مختلف طریقوں سے اس بات کا اظہار ہوتا رہتا ہے کہ کوئی تیز رفتار طریق کار اختیار کر کے جلدی سے کچھ چلتا پھرتا کام دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ یہ سب عمل بلا فکر کی اس پرانی بیماری کے نتائج ہیں جو مسلمانوں میں بہت دنوں سے پرورش پا رہی ہے اور فکر بلا عمل سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان مذہبی اور سیاسی تحریکوں میں سے کسی میں بھی فی الواقع کوئی جان ہوتی جو اس وقت مسلمانوں میں چل رہی ہیں تو شاید ہم اس جماعت کی تاسیس میں ابھی کچھ تامل سے کام لیتے اور اپنی پوری قوت ان نسخوں کو آزما لینے میں صرف کر دیتے۔ مگر جو تھوڑی بہت نظر و بصیرت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ اس کی بنا پر ہم خوب اچھی طرح یہ سمجھ چکے ہیں کہ وقت کی چلتی ہوئی تحریکوں اور ان کی قیادتوں میں سے ایک بھی

مسلمانوں کے مرض کا صحیح علاج نہیں ہے، اور نہ اسلام کے اصل منشار کو پورا کرنے والی ہے۔ بعض جزوی طور پر مسلمانوں کے امراض کی ناکافی اور سطحی تشخیص کی گئی ہے۔ اور اسلام کے اصل تقاضوں کا بھی صحیح طور پر ادراک نہیں کیا گیا ہے، اس پر یہ بھی اچھی طرح نہیں سمجھا گیا کہ کفر و فسق کا یہ غلبہ اور دین کی یہ بے بسی اور مغلوبی جو آج موجود ہے فی الحقیقت کن اسباب کا نتیجہ ہے اور اب اس حالت کو بدلنے کے لئے کس ترتیب و تدریج سے کن کن میدانوں میں کیا کیا کام کرنا ہے۔ ان سب چیزوں کو سوچے اور سمجھے بغیر جو سطحی اور جزئی تحریکیں جاری کی گئیں اور ان کو چلانے کے لئے جو زود اثر اور فی الفور نتیجہ منظر عام پر آنے والے طریقے اختیار کیئے گئے وہ سب ہمارے نزدیک چاہے غلط نہ ہوں۔ چاہے ان کی مذمت ہم نہ کریں، چاہے ان کی اور ان کے پیچھے کام کرنے والے اخلاص کی ہم دل سے قدر کریں۔ مگر ہم ان کو لاحاصل سمجھتے ہیں اور ہمیں پوری طرح یقین ہے کہ اس قسم کی تحریکیں اگر صدیوں تک بھی پوری کامیابی اور ہنگامہ خیزی کے ساتھ چلتی رہیں تب بھی نظام زندگی میں کوئی حقیقی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا۔ حقیقی انقلاب اگر کسی تحریک سے رونما ہو سکتا ہے تو وہ صرف ہماری یہ تحریک ہے اور اس کے لئے فطرتاً یہی ایک طریق کار ہے جو ہم نے خوب سوچ سمجھ کر اور اس دین کے مزاج اور اس کی تاریخ کا گہرا جائزہ لے کر اختیار کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا طریق کار نہایت صبر آزما ہے سست رفتار ہے، جلدی سے کوئی محسوس نتیجہ اس سے رونما نہیں ہو سکتا اور اس میں برسوں تک لگاتار ایسی محنت کرنی پڑتی ہے جس کے اثرات، اور جس کی عملی نمود کو بسا اوقات خود محنت کرنے والا بھی محسوس نہیں کر سکتا۔ لیکن اس راہ میں کامیابی کا راستہ یہی ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا طریق کار اس مقصد کے لئے ممکن نہیں ہے۔

جن لوگوں کو ہمارے مسلک اور طریق کار یا ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی اطمینان

حاصل نوجوان کے لئے یہ راستہ تو کھلا ہوا ہے کہ جماعت سے باہر جا کر اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں کام کریں، لیکن یہ اختیار انہیں کسی طرح نہیں دیا جا سکتا کہ بطور خود وہ ان دونوں میں یا ان میں سے کسی ایک چیز میں جو ترمیم چاہیں کر لیں۔ ہمارے ساتھ جس کو چلنا ہے اسے پورے اطمینان کے ساتھ ہمارے مسلک اور طریق کار کو ٹھیک سمجھ کر چلنا چاہیئے اور جو شخص کچھ بھی میلان دوسری تحریکوں اور جماعتوں کی طرف رکھتا ہو اسے پہلے ان راستوں کو آزما کر دیکھ لینا چاہیئے پھر اگر اس کا ذہن اسی فیصلے پر پہنچے جس پر ہم پہنچے ہوئے ہیں تو وہ اطمینانِ قلب کے ساتھ ہمارے ساتھ آجائے۔

سطحیت اور ظاہر پسندی اور جلد بازی کی جو کمزوری مسلمانوں میں بالعموم پیدا ہو گئی ہے اس کا ایک ثبوت مجھے حال میں یہ ملا ہے کہ عوام میں تعلیم بالغان کے ذریعہ سے کام کرنے کا جو طریقہ چند ماہ پیشتر میں نے پیش کیا تھا اس نے تو بہت کم لوگوں کو اپیل کیا، مگر گروہ بنا بنا کر بستیوں میں گشت لگانے اور فوری نتیجہ دکھانے والے طریق کار کے لئے (خواہ اس کا اثر کتنا ہی ناپائیدار ہو) مختلف مقامات سے ہمارے رفقاء کے تقاضے برابر چلے آرہے ہیں اور کسی فہمائش پر بھی ان کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہیں آتا۔ حالانکہ ایک طرف یہ طریق کار ہے کہ ایک سال یا اس سے زیادہ مدت تک ناخواندہ عوام میں سے چند آدمیوں کو پیہم تعلیم و تربیت دے کر خوب پختہ کر لیا جائے اور ان کے عقائد، اخلاق، اعمال، مقصد زندگی، معیار قدر و قیمت، ہر چیز کو پوری طرح بدل ڈالا جائے اور پھر ان کو اپنی جماعت کا مستقل کارکن بنا کر مزدوروں، کسانوں اور دوسرے عامی طبقوں میں کام کرنے کے لئے استعمال کیا جائے اور دوسری طرف یہ طریق کار ہے کہ ایک قلیل مدت میں ہزارہا آدمیوں کو بیک وقت چند ابتدائی امور دین کی حد تک مخاطب کیا جائے اور فوری طور پر

ان میں ایک حرکت پیدا کر کے چھوڑ دیا جائے چاہے دوسرے چکر کے وقت پہلی حرکت کا کوئی اثر ڈھونڈے بھی نہ مل سکے۔ ان دونوں طریقوں میں سے جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ پختہ نتائج پیدا کرنے والے دیر طلب، محنت طلب اور صبر آزما طریقے کو سنتے ہیں اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے اور دوسرے طریقے کی طرف بار بار دوڑ چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو میرے سامنے مسلمانوں کی وہ کمزوریاں بالکل بے نقاب ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے اب تک وہ خام کاریوں ہی میں اپنی قوتیں اور محنتیں اور اپنے مال اور اوقات ضائع کرتے رہے ہیں میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک اس جماعت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہیں میں اپنے رفقاء کو صحیح اور حقیقی نتیجہ خیز کاموں ہی پر لگانے کی کوشش کروں گا اور بے حاصل کوششوں میں جانتے بوجھتے ان کو مشغول نہ ہونے دوں گا۔

اپنی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے ایک آخری بات کی طرف میں آپ لوگوں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے حلقۂ رفقاء میں ایک اچھا خاصا گروہ ایسا پایا جاتا ہے جس نے تبلیغ و اصلاح کے کام میں تشدد اور سخت گیری کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ جو سوالات ان کی طرف سے اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں ان سے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ان کے اندر بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارنے کی بے تابی اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی انہیں اپنے سے کاٹ پھینکنے کی بے تابی ہے۔ دینی حرارت نے ان میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا نہیں ابھارا جتنا نفرت اور غصے کا جذبہ ابھار دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر یہ تو پوچھتے ہیں کہ جو لوگ ایسے اور ایسے ہیں ان سے ہم تعلقات کیوں نہ منقطع کر لیں اور ان کے ساتھ نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کو

کافر و مشرک کیوں نہ کہیں۔ لیکن یہ پوچھنے کا ان کو بہت کم خیال آتا ہے کہ ہم اپنے ان بھٹکے ہوئے بھائیوں کو سیدھی راہ پر کیسے لائیں، ان کی غفلت و بے خبری کو کس طرح دور کریں ان کی کجروی کو راست روی سے کیسے بدلیں، اور ان کو نورِ ہدایت سے مستفید ہونے پر کیونکر آمادہ کریں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے فضل سے اور اپنی خوش قسمتی سے حق کو پا لیا ہے ان کے اندر اس وجدانِ حق نے شکر کی بجائے کبر کا جذبہ پیدا کر دیا ہے اور اسی کا اظہار ان شکلوں میں ہو رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ میرا یہ گمان صحیح ہو لیکن میں اسے صاف صاف اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ ہمارے رفیقوں میں سے ہر شخص پوری خدا ترسی کے ساتھ اپنے نفس کا جائزہ لے کر تحقیق کرنے کی کوشش کرے کہ کہیں شیطان نے یہ مرض تو ان کو نہیں لگا دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کے درمیان علم صحیح اور عمل صالح رکھنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک وبائے عام میں مبتلا ہو جانے والی بستی کے درمیان چند تندرست لوگ موجود ہوں جو کچھ طب کا علم بھی رکھتے ہوں اور کچھ دواؤں کا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہو۔ مجھے بتائیے کہ اس وبازدہ بستی میں ایسے چند لوگوں کا حقیقی فرض کیا ہے؟ کیا یہ مریضوں سے اور ان کو لگی ہوئی آلائشوں سے نفرت کریں یا انہیں اپنے سے دور بھگائیں اور انہیں چھوڑ کر نکل جانے کی کوشش کریں یا یہ کہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈال ان کا علاج اور ان کی تیمارداری کرنے کی فکر کریں اور اس سعی میں اگر کچھ نجاستیں ان کے جسم و لباس کو لگ بھی جائیں تو انہیں برداشت کر لیں۔ شاید میں پورے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اگر یہ لوگ پہلی صورت اختیار کریں تو خدا کے ہاں الٹے مجرم قرار پائیں گے اور ان کی اپنی تندرستی اور ان کا علمِ طب سے واقف ہونا اور ان کے پاس دوائیں

کا ذخیرہ موجود ہونا نافع ہونے کے بجائے انشاء اللہ ان کے جرم کو اور زیادہ سخت بنا دے گا۔ اسی پر آپ قیاس کر لیں کہ جن لوگوں کو دینی تندرستی حاصل ہے اور جو دین کا علم اور اور اصلاح کے ذرائع بھی رکھتے ہیں ان کے لئے کون سا طریقہ رضاء الٰہی کے مطابق ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اس تقریر کے بعد اجتماع کا اجلاس اوّل ختم ہوا اور نماز عصر سے نماز مغرب تک کا وقفہ دیا گیا۔

اجلاس دوم

(بتاریخ ۱۹؍اپریل ۱۹۴۵ء بعد نماز مغرب)

رپورٹیں اور ان پر تبصرہ

اس اجلاس میں صوبہ بہار کی رپورٹ سید محمد حسنین صاحب قیم جماعت صوبہ بہار نے اور صوبہ سرحد کی رپورٹ تاج الملوک صاحب نے پیش کی اس کے بعد امیر جماعت نے ان رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

(۱) جن مقامات سے ارکانِ جماعت اجتماع میں شریک ہونے کے لئے نہیں آئے اور انہوں نے کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا ان کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ بلا عذر نہیں آئے۔ ایسے ارکان سے مقامی جماعتوں کے امرار کو باز پرس کرنی چاہیئے اگر پہلے ان کا رویہ جماعت میں درست رہا ہے تو انہیں صرف تنبیہ کر دینی چاہیئے تا کہ آیندہ ان سے یہ کمزوری سرزد نہ ہو اور اگر پہلے سے ان کا طرزِ عمل جماعت کے کاموں میں عدم دلچسپی کا رہا ہو تو ان سے صاف کہہ دینا چاہیئے کہ وہ جماعت کی رکنیت سے الگ ہو جائیں۔ عذر کے لئے جو ہم نے "عذر شرعی" کی قید لگائی ہے اس کے لحاظ سے کاروبار کا حرج یا مالی نقصان کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر ہمارے رفقار اس وقت اتنی قربانی بھی نہیں کر سکتے تو آیندہ ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ ہمارے رفقار میں آخر متعدد ایسے لوگ بھی تو ہیں جو ملازم تھے اور انہیں چھٹی نہ مل سکی مگر وہ پھر بھی اجتماع

میں شریک ہونے کے لئے آگئے اور اب وہ اس کے نتائج بھگتنے کے لئے تیار ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہمارے نقطۂ نظر سے قابلِ اعتماد ہیں۔ جو ارکان جماعت محض کاروباری نقصان کے خطرے سے نہیں آئے ہیں ان سے صاف کہہ دینا چاہیئے کہ اب آپ اپنے کاروبار ہی کی خدمت کرتے رہیں، اس عظیم الشان نصب العین کی خدمت کا نام لینا آپ کے لئے کچھ موزوں نہیں ہے البتہ جو ارکان جماعت مالی کمزوری کی وجہ سے نہیں آسکے ہیں ان کا عذر معقول ہے۔ مگر دوسرے ارکان ان کے مصارف برداشت کرنے کے قابل تھے اور انہیں اپنے بھائیوں کی مجبوری کا علم بھی تھا اور پھر بھی انہوں نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لانے کی کوشش نہیں کی ان پر ایسے ارکانِ جماعت کی عدم شرکت کا از روئے ضابطہ چاہے کوئی بار نہ ہو لیکن اخلاقی طور پر وہ اس کے ذمہ دار ہیں۔ ایسے حضرات کو اپنی اس تنگ دلی کو رفع کرنے کی فکر کرنی چاہیئے ورنہ جن سے آج یہ تھوڑا تھوڑا مالی ایثار بھی برداشت نہیں ہو سکتا ان سے کل کسی بڑے ایثار کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲) جن حلقوں کے لئے قیم جماعت بنا دیئے گئے ہیں ان کی جماعتیں اپنی رپورٹیں براہ راست مرکز کو بھیجنے کے بجائے اپنے حلقے کے قیم کو بھیجیں اور قیم جماعت پورے حلقے کی رپورٹ مرکز میں روانہ کریں۔

(۳) جہاں جہاں جماعتیں قائم ہیں وہاں کے ارکان اپنی زکوٰۃ مقامی بیت المال میں داخل کریں اور باقاعدہ حساب دیں کہ ان کا مال کس قدر تھا اور اس پر انہوں نے کتنی زکوٰۃ ادا کی۔ جماعتی بیت المال کی موجودگی میں لوگوں کو اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر نکال کر خرچ نہیں کرنی چاہیئے۔ جو لوگ صاحب نصاب ہوں اور باقاعدہ زکوٰۃ ادا نہ

کریں ان کی شرعی حیثیت وہی ہے جو نماز نہ پڑھنے والوں کی ہے۔ اور ایسے لوگ ہماری جماعت میں نہیں رہ سکتے۔

(۴) جن حضرات نے بعض علماء سے اپنی گفتگوؤں کا ذکر کیا ہے ان کو میں اپنی اس ہدایت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو میں نے تشکیل جماعت کے آغاز میں دی تھی اور روداد اجتماع اوّل میں اسے پھر دیکھا جا سکتا ہے۔ میں نے اس میں کہا تھا کہ ہر آدمی کو اسی حلقے میں جانا چاہیئے جس حلقے کے لوگوں سے خطاب کرنے کی اس میں اہلیت ہو خصوصیت کے ساتھ غیر عالم لوگوں کو علماء کے پاس جا کر اپنی دعوت پیش کرنے میں تو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان حضرات کے مسائل بہت پیچیدہ اور نازک ہیں، اور فتنہ ہر وقت ان کے پاس حاضر رہتا ہے۔ ان کے نفسیات کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو دین میں گہری بصیرت رکھنے کے ساتھ ان کے "دینیات" سے بھی واقف ہیں۔ ان کو راہ حق کی طرف دعوت دینا نئے تعلیم یافتہ لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ ان کے پاس جائیں گے تو کچھ کام بنانے کے بجائے الٹا کوئی خطرہ مول لے آئیں گے۔

(۵) آج کی رپورٹ میں یہ بیان کیا گیا ہے اور اس سے پہلے بھی یہ اعتراض میں اکثر سنتا رہا ہوں کہ بعض حلقوں میں جب ہماری دعوت پہنچتی ہے تو اس کا جواب یہ کہہ کر دیا جاتا ہے کہ تمہاری تحریک میں کوئی نہ کوئی چیز مشتبہ ضرور ہے ورنہ کیسے ممکن تھا کہ تم یہ دعوت دیتے اور فلاں طاقت اسے ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیتی" دراصل اس قسم کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کے اندر خود حق و باطل کی کوئی تمیز نہیں ہے اور انہوں نے صرف کسی دشمن طاقت کو حق کے پہچاننے کا کام سپرد کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس

چیز پر دشمن بھڑکے وہ حق ہے اور جس چیز کو وہ برداشت کر لے وہ باطل ہے۔ اس معیارِ حق و باطل پر جو لوگ تکیہ کئے بیٹھے ہیں ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ان میں ایک اچھا خاصا گروہ علماءِ دین کا بھی ہے۔ ہم ان سے عرض کرتے ہیں کہ اگر فی الواقع آپ کے پاس دین کا علم موجود ہے تو سب سے پہلے قرآن و حدیث کے معیار سے پرکھ کر یہ دیکھئے کہ جس چیز کی دعوت ہم دے رہے ہیں وہ بجائے خود حق ہے یا نہیں اس کے بعد پھر اس امر پر غور کیجئے کہ اگر یہ حق ہے تو آخر بات کیا ہے کہ شیطان اور اولیاء شیطان اسے برداشت کرنے لگے ہیں؟ کیا حق کی فطرت بدل گئی ہے یا شیطان اب وہ نہیں رہا ہے جو پہلے تھا؟ اس پہلو پر جب آپ غور کریں گے تو آپ پر خود یہ بات منکشف ہو جائے گی کہ اتنا بڑا انقلاب یعنی توحید خالص کی دعوت کا شیطان کے لئے قابلِ برداشت ہو جانا خود آپ حضرات کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی نے تمام ان الفاظ اور اصطلاحات کی جان نکال دی ہے جن کے ذریعے سے دین کی دعوت قرآن و سنت میں پیش کی گئی تھی۔ الٰہ اور رب، دین اور عبادت، شرک اور توحید، طاغوت اور فتنہ فساد، معروف اور منکر، خیر اور صلاح غرض ایسے تمام الفاظ جو اسلام کی روح کو پیش کرنے کے لئے شریعت میں اختیار کئے گئے تھے آج آپ ہی حضرات کے تصرفات کی بدولت اتنے بے معنی ہو گئے ہیں کہ طاغوت کی چھاؤنیوں تک میں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا پانچ وقت اعلان ہوتا ہے اور وہاں اس سے ذرہ برابر بھی کوئی کھلبلی برپا نہیں ہوتی بلکہ خود طاغوت اپنے جاں نثاروں کے لئے امام اور مؤذن اور خطیب پورے اطمینان کے ساتھ مہیا کرتا ہے، اور اس کے سرفروش خادموں میں اگر پورے کا پورا قرآن بھی مفت تقسیم کر

دیا جائے تو وہ اس سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ اس طرح دین کو شیطان کے لئے بالکل بے ضرر و بے خطر بنا چکنے کے بعد اب آپ لوگ دوسری خدمت یہ انجام دینا چاہتے ہیں کہ اگر دین کی وہی دعوت قرآن و سنت کی انہی اصل اصطلاحوں میں پیش کی جائے اور شیطان اور اولیاء شیطان اس پر نہ بھڑکیں تو آپ اسے اس بات کا ثبوت قرار دیتے ہیں کہ یہ دین کی دعوت ہی نہیں ہے یا یہ حق نہیں ہے۔ ہم اس وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلام کی ان تمام اصطلاحات میں پھر وہی معنی پیدا کریں جو فی الاصل ان کے اندر پنہاں تھے اور کلمۂ اسلام کے ماننے اور بولنے والے انہیں اس کے پورے معنی کے ساتھ نہ صرف مانیں اور بولیں بلکہ اپنی پوری زندگی میں اسی شعور کا اظہار بھی کریں۔ ہماری اس کوشش کے پوری طرح بارآور ہونے میں ظاہر ہے کہ ابھی بہت دیر لگے گی اور جب تک یہ بارآور نہ ہو شیطان اور اس کے اولیاء مطمئن رہیں گے اور دوسرے محاذوں پر اپنی قوت صرف کرتے رہیں گے۔ خصوصاً جب کہ انہیں یہ بھی اطمینان ہے کہ احیاء دین کی اس کوشش کو مٹانے کے لئے آپ حضرات کافی ہو سکتے ہیں تو پھر وہ خونِ شہیداں اپنی گردن پر کیوں لیں؟ البتہ اگر آپ اس سعی میں کامیاب ہو گئے اور آپ کے فتنوں سے بخیریت بچ نکلے تو بعید نہیں کہ صورتِ حال اس سے بھی زیادہ سخت ہو جتنا سخت آپ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر اندیشہ ہے، اور خدا کرے کہ ہمارا یہ اندیشہ غلط ہو کہ آپ اس وقت بھی ہمارا ساتھ نہ دینے کے لئے اسی قسم کا کوئی بہانہ تلاش کر لیں گے۔ جیسا کہ آج آپ نے تلاش کر لیا ہے۔

(۶) صوبہ سرحد کے ارکان نے اپنے راستے کی جن رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے وہ بلاشبہ بہت وزنی رکاوٹیں ہیں اور ہر ایسے علاقے میں جہاں تعصب اور ضد اور شعلہ مزاجی کا

زور ہو ایسی رکاوٹوں کا موجود ہونا فطری ہے لیکن میں اپنے رفقاء کو یہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ حکیمانہ تبلیغ، جب کہ وہ صبر اور حلم اور لگاتار محنتوں کے ساتھ ہو وہ زبردست ہتھیار ہے جس سے مخالفتوں کے بڑے بڑے پہاڑ کٹ جاتے ہیں اور راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کو روسی ترکستان کے حالات کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اب سے پچیس سال پہلے وہاں اسلام کے خلاف ذرا سی بھاپ بھی منہ سے نہیں نکالی جا سکتی تھی، لیکن اشتراکیوں نے جس حکمت اور صبر کے ساتھ وہاں اپنے الحاد اور مادہ پرستانہ پروگرام کی تبلیغ کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال ہی کے اندر اسلام کے اس پرانے قلعہ کی جڑیں ہل گئیں اور خود انہی مسلمانوں نے جو بظاہر اسلام میں بڑے پختہ تھے اشتراکی تبلیغ سے متاثر ہو کر اپنے ہاتھوں سے اسلام کی بنیادیں ڈھا دیں۔ اگر حکمت اور صبر کے ساتھ باطل یہ سب کچھ کر سکتا ہے درانحالیکہ وہ انسانی فطرت سے بعید تر ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ حق کم از کم اتنا ہی کچھ کیوں نہیں کر سکتا جب کہ وہ فطرت انسانی سے قریب تر ہے۔ پس حالات اس وقت خواہ کتنے ہی مخالف ہوں ان سے ہمت نہ ہاریئے، کتاب و سنت سے اور دنیا کے تجربات سے تبلیغ کی حکمت سیکھئے اور وہ اوصاف اپنے اندر پیدا کیجئے جن سے بنجر زمینوں کو بارآوری کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں گے کہ خدا کے فضل سے ساری رکاوٹیں دور ہو کر رہیں گی۔

نوٹ:۔ صوبہ سرحد میں اس وقت تک باقاعدہ جماعت نہیں تھی صرف منتشر ارکان تھے۔ مگر اس اجلاس کے بعد امیر جماعت کی ہدایت کے مطابق جماعت کی تشکیل کر دی گئی۔ اور جناب سردار علی خاں صاحب (موضع سیر بے ڈاک خانہ تخت بھائی ضلع پشاور) اس صوبے کے لئے قیم مقرر کئے گئے۔

اجلاس سوم

(۷ رجمادی الاوّل ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۴۵ء بروز جمعہ ۹ بجے صبح)

رپورٹیں اور ان پر تبصرہ

یہ اجلاس ٹھیک وقت پر مسجد میں ہوا۔ سب سے پہلے چودھری غلام محمد صاحب نے صوبہ سندھ کے حالات اجمالاً بیان کیے اور ان اسباب کو بھی مختصراً پیش کیا جن کی وجہ سے اب تک سندھ ہماری تحریک سے غیر متاثر رہا ہے۔ اس کے بعد جے، بشیر احمد صاحب نے بمبئی کی رپورٹ پڑھ کر سُنائی پھر ریاست حیدر آباد کے مختلف مقامات کی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ اس کے بعد صوبہ مدارس اور مالابار اور میسور کی رپورٹیں پڑھی گئیں۔ آخر میں امیر جماعت نے ان رپورٹوں پر حسب ذیل تبصرہ کیا۔

(۱) رات سے اب تک جو رپورٹیں پیش ہوئی ہیں ان کو سننے سے یہ اندازہ ہوا کہ ہمارے رفقاء جماعت اپنی رپورٹیں مرتب کرنے میں غیر ضروری تفصیلات شامل کر دیتے ہیں اور ضروری تفصیلات بسا اوقات چھوڑ جاتے ہیں۔ اس طریقے کی اصلاح ہونی چاہیے۔ رپورٹوں میں ایسی چیزیں نہیں آنی چاہئیں جو محض مقامی حیثیت رکھتی ہوں اور جن کے بیان کرنے یا نہ کرنے کا اصل معاملات کو سمجھنے میں کوئی دخل نہ ہو۔ اسی طرح رپورٹوں میں اشخاص اور جماعتوں کے نام بھی کم سے کم آنے چاہئیں، نہ شکایت کے پہلو سے اور نہ تعریف کے پہلو سے۔ مرکز کو جو رپورٹیں بھیجی جاتی ہیں ان میں تو ایسی

چیزیں آنے کا مضائقہ نہیں ہے لیکن اجتماع میں پیش کرنے کے لئے جو رودادیں مرتب کی جائیں ان کو ایسی چیزوں سے خالی رہنا چاہیئے۔ دراصل جس غرض کے لئے ہم اجتماع میں رودادیں پیش کرتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ ہمارے ارکان کو یہ معلوم رہے کہ مختلف علاقوں میں یہ تحریک کس رفتار سے چل رہی ہے، کہاں کہاں کس کس قسم کی رکاوٹیں پیش آرہی ہیں، مختلف مقامات کے ارکان کن کن طریقوں سے کام کر رہے ہیں، کن کن حلقوں میں ہمارے خیالات پھیل رہے ہیں اور کہاں حالات امید افزا یا مایوس کن ہیں۔

(۲) جہاں ہماری مقامی جماعتوں یا انفرادی طور پر ہمارے کسی مقامی رکن نے دارالمطالعہ قائم کیا ہو وہاں انہیں لوگوں کو صرف کتابیں دینے پر ہی اکتفا نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس امر پر بھی نگاہ رکھنی چاہیئے کہ کون لوگ کیا پڑھتے ہیں اور کس حد تک دلچسپی لیتے ہیں۔ پھر ان لوگوں سے شخصی طور پر ملنے اور تبادلۂ خیال کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ انہیں بتدریج اپنے نقطۂ نظر سے قریب لایا جائے۔ اگر ان کے کچھ شکوک ہوں تو وہ رفع کئے جائیں اور یہ اندازہ ہوتا رہے کہ کس قسم کے لوگ کس کس حد تک ہمارے خیالات سے متاثر ہیں اور ان کی ہمدردی اور ہم خیالی سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ دارالمطالعہ قائم کرنا تو بالکل ایسا ہے جیسے تخم ریزی کرنا، لیکن آپ ہوا کی طرح صرف بیج پھیلانے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ کسان کی سی حیثیت اختیار کریں جو زمین میں بیج ڈال لینے کے بعد پھر اس کو سینچتا اور اس کی نگہداشت کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ کھیتی پک کر تیار ہو جائے۔

(۳) مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض مقامی جماعتوں میں امارت کے انتخاب

میں کچھ انجمنوں کی صدارت کا سارنگ اختیار کر لیا گیا ہے۔ یہ منصب دراصل مقامی لیڈرشپ کا منصب ہے۔ جو شخص جماعت میں اہل ترین نظر آئے اسی کو منتخب کرنا چاہیئے مگر کسی کے سر زبردستی اس منصب کو چپکانا نہ چاہیئے۔ اسی طرح جس شخص کو اپنے اندر اس منصب کے سنبھالنے کی اہلیت نظر آئے یا یہ محسوس ہو کہ کوئی اتنی اہلیت بھی نہیں رکھتا جتنی اس کے اندر ہے تو اسے خواہ مخواہ انکسار کر کے ذمہ داری سنبھالنے سے انکار بھی نہیں کرنا چاہیئے یہ کام بہرحال کرنے کا ہے اور ہم میں سے ہر ایک میں یہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے نہیں اٹھتا تو اسے اٹھنا ہے۔

(۴) سندھ کے حالات پر غور کرنے سے میں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ جب تک سندھی زبان میں کافی لٹریچر تیار نہ ہو جائے ہمیں اردو زبان کے ذریعہ سے اس پنجابی عنصر کو جو سندھ میں آباد ہے یا ان تھوڑے سے اردو خواں سندھی لوگوں کو جو وہاں مل سکیں، متاثر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، پھر ان کے ذریعے سے خالص سندھی بولنے والے لوگوں میں خیالات پھیلائے جا سکتے ہیں سندھی پبلک کی جہالت اور ان کی قبائلی عصبیت نیز ان کے اندر پیر پرستی کا زور، ہونا بلا شبہ بڑی رکاوٹیں ہیں لیکن ان چیزوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کام کرنے کا ڈھنگ آ جانے اور حکمتِ تبلیغ سیکھ لینے کے بعد اگر آپ صبر، تحمل اور لگاتار محنت کے ساتھ کام کریں گے تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ یہ رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی اور وہی پبلک جو آج آپ کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے خود ان رکاوٹوں کو راستے سے ہٹانے میں آپ کی مددگار بن جائے گی۔

(۵) لوگوں سے اپنے کاموں میں مالی اعانتیں ہم کس حالت میں قبول کرسکتے ہیں

اس باب میں جماعت کی پالیسی کو میں پھر بیان کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ بعض رپورٹوں سے اندازہ ہوا کہ ہمارے ارکانِ جماعت ابھی اس پالیسی کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہیں۔ ہم مالی اعانت صرف ان لوگوں سے قبول کرسکتے ہیں جو اوّل تو ہمارے مقصد سے اچھی طرح واقف ہوں اور اس کے ساتھ پوری ہمدردی رکھتے ہوں۔ دوسرے ان کو ہمارے طریقِ کار سے پورا اتفاق ہو اور ہم پر بحیثیت اشخاص اور بحیثیت جماعت اعتماد ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ روپیہ یا کسی شکل میں مال دینے کے بعد کسی قسم کی کوئی شرط ہم پر عائد نہ کریں نہ اپنے روپے کے ذریعے سے ہمارے کام میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش کریں اور نہ ہماری اسکیم سے باہر کا کوئی کام ہمارے لئے تجویز کریں کہ وہ ان کے روپے سے کیا جائے، البتہ ہمارے اپنے زیرِ تجویز کاموں میں سے کسی کے متعلق وہ اس خواہش کا اظہار کرسکتے ہیں کہ ان کا روپیہ فلاں کام میں صرف ہو۔ چوتھے یہ کہ ان کے اندر اس قسم کی کوئی خواہش نہ پائی جائے کہ ان کے نام کی شہرت ہو یا ہمارا کوئی کام ان کے نام سے منسوب ہو، یا شخصی طور پر ہم میں سے کوئی ان کا شکرگذار ہو یا اجتماعی طور پر ہم ان کے احسان مند ہوں۔ جس کو بھی ہمارے اس کام میں روپیہ دینا ہو وہ خالص خدا کے لئے دے، خدا ہی سے اجر کا امیدوار ہو اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے سوا اور کسی چیز کو اپنے مالی ایثار کا صلہ نہ سمجھے۔ یہ ہماری مستقل پالیسی ہے اور اس میں کسی بڑے سے بڑے انسان کی خاطر یا کسی بڑی سے بڑی رقم کی خاطر بھی کوئی ترمیم نہیں کرسکتے۔

(۶) جو تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی یا کسی اور قسم کے ادارے ملک میں قائم ہیں یا آیندہ

قائم ہوں ان کے متعلق بھی میں جماعت کی پالیسی کی تشریح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، کیوں کہ اس معاملے میں بھی مجھے بعض ارکان جماعت کا طرزِ عمل قابلِ اصلاح نظر آیا ہے۔ اس قسم کے ادارے اگر بالکلیہ ہماری جماعت کے حوالے کر دیئے جائیں اور ہماری پالیسی کے مطابق چل سکیں حتّٰی کہ اگر ہم ان کو غیر ضروری سمجھ کر یا غیر مفید پا کر توڑنا چاہیں تو توڑ بھی سکیں تب تو ہماری جماعت کا کوئی رکن ان کے چلانے کی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو کسی رکن جماعت کو ان کے چلانے کی ذمہ داری قبول نہ کرنی چاہیئے۔ وہ اگر معاشی حیثیت سے مجبور ہو تو اس قسم کے کسی ادارے میں ملازم کی حیثیت سے کام کر سکتا ہے لیکن ان کا ذمہ دار کارکن نہیں بن سکتا کیونکہ اس صورت میں وہ ادارہ خواہ نخواہ ہماری طرف منسوب ہو گا۔ اس کے کاموں کی جواب دہی جماعت پر عائد ہو گی اور ان اداروں کے چلانے میں جو نامناسب طریقے بالعموم اختیار کرتے ہیں انہیں بادل نخواستہ ہمارے رکن کو بھی اختیار کرنا پڑیگا۔ اور اس سے جماعت کی اخلاقی پوزیشن متاثر ہو گی۔

اس کے بعد اجلاس برخواست ہؤا اور لوگ جمعہ اور کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔

خطبہ جمعہ

قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق

ٹھیک ڈیڑھ بجے جمعہ کی دوسری اذان ہوئی اور امیر جماعت نے بعد حمد و ثنا حسب ذیل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

برادرانِ دین! اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں فرماتا ہے۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ط

(یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

اس آیت کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَىٰ لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ جس نے کسی سے دوستی و محبت کی تو خدا کے لئے کی اور دشمنی کی تو خدا کے لئے کی اور کسی کو دیا تو خدا کے لئے دیا اور کسی سے روکا تو خدا کے لئے روکا، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا، یعنی وہ پورا مومن ہو گیا۔

پہلے جو آیت میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے اور مرنے کو صرف اللہ کے لئے خالص کرے اور اللہ کے سوا کسی کو اس میں شریک نہ کرے یعنی نہ تو اس کی بندگی اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے ہو اور نہ اس کا جینا اور مرنا۔ اس کی جو تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے میں نے آپ کو سنائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اس کا لین دین خالصۃً خدا کے لئے ہونا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان ہی کی تکمیل نہیں ہوتی کجاکہ مراتب عالیہ کا دروازہ کھل سکے۔ جتنی کمی اس معاملے میں ہوگی اتنا ہی نقص آدمی کے ایمان میں ہوگا اور جب اس حیثیت سے آدمی مکمل طور پر خدا کا ہو جائے تب کہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی چیزیں صرف مراتب عالیہ کا دروازہ کھولتی ہیں ورنہ ایمان و اسلام کے لئے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا شرط نہیں ہے۔ یعنی بالفاظ دیگر اس کیفیت کے بغیر بھی انسان مومن و مسلم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ایک غلط فہمی ہے اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ فقہی اور قانونی اسلام اور اس حقیقی اسلام میں جو خدا کے ہاں معتبر ہے، فرق نہیں کرتے۔ فقہی اور قانونی اسلام میں آدمی کے قلب کا حال نہیں دیکھا جاتا اور نہیں دیکھا جا سکتا۔ بلکہ صرف اس کے اقرار زبانی کو اور اس امر کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر ان لازمی علامات کو نمایاں کرتا ہے یا نہیں جو اقرار زبانی کی توثیق کے لئے ضروری ہیں۔ اگر کسی شخص نے زبان سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور آخرت اور دوسرے ایمانیات کو ماننے کا اقرار کر لیا اور اس کے بعد وہ ضروری

شرائط بھی پوری کردیں جن سے اس کے ماننے کا ثبوت ملتا ہے تو وہ دائرہ اسلام میں لے لیا جائے گا۔ اور سارے معاملات اس کے ساتھ مسلمان سمجھ کر کئے جائینگے۔ لیکن یہ چیز صرف دنیا کے لئے ہے اور دنیوی حیثیت سے وہ قانونی اور تمدنی بنیاد فراہم کرتی ہے جس پر مسلم سوسائٹی کی تعمیر کی گئی ہے۔ اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایسے اقرار کے ساتھ جتنے لوگ مسلم سوسائٹی میں داخل ہوں ان کو ایک دوسرے پر شرعی اور قانونی اور اخلاقی اور معاشرتی حقوق حاصل ہو جائیں۔ ان کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہوں میراث تقسیم ہو اور دوسرے تمدنی روابط وجود میں آئیں۔ لیکن آخرت میں انسان کی نجات اور اس کا مسلم و مومن قرار دیا جانا اور اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اس قانونی اقرار پر مبنی نہیں ہے، بلکہ وہاں اصل چیز آدمی کا قلبی اقرار، اس کے دل کا جھکاؤ اور اس کا برضا و رغبت اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دینا ہے۔ دنیا میں جو زبانی اقرار کیا جاتا ہے وہ تو صرف قاضی شرع کے لئے اور عام انسانوں اور مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ وہ صرف ظاہر ہی کو دیکھ سکتے ہیں، مگر اللہ آدمی کے دل کو اور اس کے باطن کو دیکھتا ہے اور اس کے ایمان کو ناپتا ہے اس کے ہاں آدمی کو جس حیثیت سے جانچا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آیا اس کا جینا اور مرنا اور اس کی وفاداریاں اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کا پورا کارنامۂ زندگی اللہ کے لئے ہے یا کسی اور کے لئے۔ اگر اللہ کے لئے ہے تو وہ مسلم اور مومن ہے اور اگر کسی اور کے لئے ہے تو نہ مسلم ہے نہ مومن۔ اس حیثیت سے جو جتنا خام ہے اتنا ہی اس کا ایمان اور اسلام خام ہے خواہ دنیا میں اس کا شمار کیسے ہی بڑے مسلمانوں میں ہوتا ہو اور اس

کو کتنے ہی بڑے مراتب دئیے جاتے ہوں۔ اللہ کے ہاں قدر صرف اس چیز کی ہے کہ جو کچھ اس نے آپ کو دیا ہے۔ وہ سب کچھ آپ نے اس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفاداروں کو اور حق بندگی ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے، اور اگر آپ نے کسی چیز کو خدا کی بندگی سے مستثنیٰ کر کے رکھا تو آپ کا یہ اقرار کہ آپ مسلم ہوئے یعنی یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کر دیا محض ایک جھوٹا اقرار ہے جس سے دنیا کے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں، جس سے فریب کھا کر مسلم سوسائٹی آپ کو اپنے اندر جگہ دے سکتی ہے، جس سے دنیا میں آپ کو مسلمانوں کے سے تمام حقوق مل سکتے، لیکن اس سے فریب کھا کر خدا اپنے ہاں آپ کو وفاداروں میں جگہ نہیں دے سکتا۔

یہ قانونی اور حقیقی اسلام کا فرق جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ اگر آپ اس پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے نتائج صرف آخرت ہی میں مختلف نہیں ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی ایک بڑی حد تک مختلف ہیں۔ دنیا میں جو مسلمان پائے گئے ہیں یا آج پائے جاتے ہیں ان سب کو دو قسموں پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان وہ جو خدا اور رسولؐ کا اقرار کر کے اسلام کو بحیثیت اپنے مذہب کے مان لیں مگر اپنے اس مذہب کو اپنی کل زندگی کا محض ایک جز اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھیں، اس مخصوص جز اور شعبے میں تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہو، عبادت گذاریاں ہوں، تسبیح و مصلے ہو، خدا کا ذکر ہو، کھانے پینے اور بعض معاشرتی معاملات میں پرہیزگاریاں ہوں، اور وہ سب کچھ ہو جسے مذہبی طرز عمل کہا جاتا ہے مگر اس شعبے کے سوا ان کی زندگی کے دوسرے تمام پہلو ان کے مسلم ہونے کی حیثیت سے مستثنیٰ ہوں۔ وہ محبت کریں تو اپنے

نفس یا اپنے مفاد یا اپنے ملک و قوم یا کسی اور کی خاطر کریں۔ وہ دشمنی کریں اور کسی سے
جنگ کریں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دنیوی یا نفسانی تعلق کی بنا پر کریں۔ ان کے کاروبار،
ان کے لین دین، ان کے معاملات اور تعلقات، ان کا اپنے بال بچوں، اپنے خاندان،
اپنی سوسائٹی اور اپنے اہلِ محلہ کے ساتھ برتاؤ سب کا سب ایک بڑی حد تک دین سے آزاد اور دنیوی حیثیتوں پر مبنی ہو۔ ایک
زمیندار کی حیثیت سے، ایک تاجر کی حیثیت سے، ایک حکمران کی حیثیت سے، ایک سپاہی کی حیثیت سے، ایک پیشہ ور کی
حیثیت سے ان کی اپنی ایک مستقل حیثیت ہو جس کا ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے
خواہ جزئی طور پر متاثر یا منسوب ہوں لیکن فی الواقع ان کو اسلام سے کوئی علاقہ نہ ہو۔ دوسری
قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت کو اور اپنے سارے وجود کو اسلام کے
اندر پوری طرح دے دیں، ان کی ساری حیثیتیں ان کے مسلمان ہونے کی حیثیت میں گم
ہو جائیں، وہ باپ ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان ہونے کی حیثیت
سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، تاجر، زمیندار، مزدور، ملازم یا پیشہ ور
ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے ان کے خدمات، ان کی خواہشات، ان کے نظریات،
ان کے خیالات اور ان کی رائیں، ان کی نفرت اور رغبت، ان کی پسند اور ناپسند
سب کچھ اسلام کے تابع ہو۔ ان کے دل و دماغ پر، ان کی آنکھوں اور کانوں پر، ان
کے پیٹ اور ان کی شرمگاہوں پر اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے جسم و جان پر اسلام
کا مکمل قبضہ ہو۔ نہ ان کی محبت اسلام سے آزاد ہو، نہ دشمنی۔ جس سے ملیں تو اسلام کے
لئے ملیں اور جس سے لڑیں تو اسلام کے لئے لڑیں۔ کسی کو دیں تو اس لئے دیں کہ اسلام
کا تقاضا یہی ہے کہ اسے دیا جائے اور کسی سے روکیں تو اس لئے روکیں کہ اسلام یہی
کہتا ہے کہ اس سے روکا جائے۔ اور ان کا یہ طرزِ عمل صرف انفرادی حد تک ہی نہ ہو

بلکہ ان کی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام کی بنیاد ہی پر قائم ہو۔ بحیثیت ایک جماعت کے ان کی ہستی صرف اسلام کے لئے قائم ہو اور ان کا سارا اجتماعی برتاؤ اسلام کے اصولوں ہی پر مبنی ہو۔

یہ دو قسم کے مسلمان حقیقت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں چاہے قانونی حیثیت سے دونوں پر لفظ مسلمان کا اطلاق یکساں ہو۔ پہلی قسم کے مسلمانوں کا کوئی کارنامہ تاریخ اسلام میں قابلِ ذکر یا قابلِ فخر نہیں ہے۔ انہوں نے فی الحقیقت کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس نے تاریخ عالم پر کوئی اسلامی نقش چھوڑا ہو۔ اسلام کو اگر تنزل نصیب ہُوا ہے تو ایسے ہی لوگوں کی بدولت ہُوا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی کثرت مسلم سوسائٹی میں ہو جانے کا نتیجہ اس شکل میں رونما ہُوا کہ دنیا کے نظام زندگی کی باگیں کفر کے قبضے میں چلی گئیں اور مسلمان اس کے ماتحت رہ کر صرف ایک محدود مذہبی زندگی کی آزادی پر قانع ہو گئے۔ خدا کو ایسے مسلمان ہرگز مطلوب نہ تھے۔ اس نے اپنے انبیاء کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا تھا، نہ اپنی کتابیں اس لئے نازل کی تھیں کہ صرف اس طرز کے مسلمان دنیا میں بنا ڈالے جائیں۔ دنیا میں ایسے مسلمانوں کے نہ ہونے سے کسی حقیقی قدر و قیمت رکھنے والی چیز کی کمی نہ تھی جسے پورا کرنے کے لئے سلسلۂ وحی و نبوت کو جاری کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ درحقیقت جو مسلمان خدا کو مطلوب ہیں، جنہیں تیار کرنے کے لئے انبیاء کی بعثت اور کتابوں کی تنزیل ہوئی، اور جنہوں نے اسلامی نقطۂ نظر سے کبھی کوئی قابلِ قدر کام کیا ہے یا آج کر سکتے ہیں وہ صرف دوسری ہی قسم کے مسلمان ہیں۔

یہ چیز کچھ اسلام ہی کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ دنیا میں کسی مسلک کا جھنڈا

بھی ایسے پیرؤوں کے ہاتھوں کبھی بلند نہیں ہوا ہے جنہوں نے اپنے مسلک کے اقرار اور اس کے اصولوں کی پابندی کو اپنی کل زندگی کے ساتھ صرف ضمیمہ بنا کر رکھا ہو اور جن کا جینا اور مرنا اپنے مسلک کے سوا کسی اور چیز کے لئے ہو۔ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک مسلک کے حقیقی اور سچے پیرو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل و جان سے اس کے وفادار ہیں، جنہوں نے اپنی پوری شخصیت کو اس میں گم کر دیا ہے اور جو اپنی کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنی جان اور اپنی اولاد تک کو اس کے مقابلے میں عزیز نہیں رکھتے۔ دنیا کا ہر مسلک ایسے ہی پیرو مانگتا ہے۔ اور اگر کسی مسلک کو دنیا میں غلبہ نصیب ہو سکتا ہے تو وہ صرف ایسے ہی پیرؤوں کی بدولت ہو سکتا ہے۔ البتہ اسلام میں اور دوسرے مسلکوں میں فرق یہ ہے کہ دوسرے مسلک اگر انسانوں سے اس طرز کی فنائیت اور فدائیت اور وفاداری مانگتے ہیں تو یہ فی الواقع انسان پر ان کا حق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان کا انسان سے ایک بے جا مطالبہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام اگر انسان سے اس کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اس کا عین حق ہے۔ وہ جن چیزوں کی خاطر انسان سے کہتے ہیں کہ تو اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو اور اپنی پوری شخصیت کو ان پر تج دے ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کا فی الواقع انسان پر یہ حق ہو کہ اس کی خاطر انسان اپنی کسی شے کو قربان کرے۔ لیکن اسلام جس خدا کے لئے انسان سے یہ قربانی مانگتا ہے وہ حقیقت میں اس کا حق رکھتا ہے کہ اس پر سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ انسان خود اللہ کا ہے۔ جو کچھ انسان کے پاس ہے اور جو کچھ انسان کے اندر ہے سب اللہ کا ہے۔ اور جن چیزوں سے انسان دنیا میں کام لیتا ہے وہ بھی سب اللہ کی ہیں۔ اس لئے

عین تقاضائے عدل اور عین مقتضائے عقل ہے کہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہو۔ دوسروں کے لئے یا خود اپنے مفاد اور اپنے نفس کے مرغوبات کے لئے انسان جو قربانی بھی کرتا ہے وہ دراصل ایک خیانت ہے اِلّا یہ کہ وہ خدا کی اجازت سے ہو۔ اور خدا کے لئے جو قربانی کرتا ہے فی الحقیقت وہ ادائے حق ہے۔ لیکن اس پہلو سے قطع نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کے لئے ان لوگوں کے طرزِ عمل میں ایک بڑا سبق ہے جو اپنے باطل مسلکوں کی خاطر اور اپنے نفس کے جھوٹے معبودوں کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر رہے ہیں اور اس استقامت کا ثبوت دے رہے ہیں جس کی نظیر مشکل ہی سے تاریخ انسانی میں ملتی ہے۔ کس قدر عجیب بات ہو گی اگر باطل کے لئے انسانوں سے ایسی کچھ فدائیت اور فنائیت ظہور میں آئے اور حق کے لئے اس کا ہزارواں حصہ بھی نہ ہو سکے۔

ایمان و اسلام کا یہ معیار جو اس آیت اور اس حدیث میں بیان ہوا ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنے آپ کو اس پر پرکھ کر دیکھیں اور اس کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے تو دیکھیے کہ آیا فی الواقع آپ کا جینا اور مرنا خدا کے لئے ہے؟ کیا آپ اسی لئے جی رہے ہیں اور آپ کے دل اور دماغ کی ساری قابلیتیں، آپ کے جسم اور جان کی ساری قوتیں، آپ کے اوقات اور آپ کی محنتیں کیا اسی کوشش میں صرف ہو رہی ہیں کہ خدا کی مرضی آپ کے ہاتھوں پوری ہو اور آپ کے ذریعہ سے وہ کام انجام پائے جو خدا اپنی مسلم اُمت سے لینا چاہتا ہے؟ پھر کیا آپ نے اپنی اطاعت اور بندگی کو خدا ہی کے لئے مخصوص کر دیا ہے؟ کیا نفس کی بندگی، خاندان کی، برادری کی، دوستوں کی، سوسائٹی

ی اور حکومت کی بندگی آپ کی زندگی سے بالکل خارج ہو چکی ہے؟ کیا آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے؟ پھر دیکھئے کہ واقعی آپ جس سے محبت کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں؟ جس سے نفرت کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں؟ اور اس نفرت اور محبت میں آپ کے اپنے نفس کے میلان کا کوئی حصہ شامل نہیں رہا ہے؟ پھر کیا آپ کا دینا اور روکنا بھی خدا کی خاطر ہو چکا ہے؟ اپنے پیٹ اور اپنے نفس سمیت دنیا میں آپ جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اسی لئے دے رہے ہیں کہ خدا نے اس کا حق مقرر کیا ہے اور اس کو دینے سے صرف خدا کی رضا آپ کو مطلوب ہے؟ اور اسی طرح جس سے آپ جو کچھ روک رہے ہیں وہ بھی اس لئے روک رہے ہیں کہ خدا نے اسے روکنے کا حکم دیا ہے اور اس کے روکنے میں آپ کو خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کی تمنا ہے؟ اگر آپ یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر کیجئے کہ اس نے آپ پر نعمت ایمان کا اتمام کر دیا۔ اور اگر اس حیثیت سے آپ اپنے اندر کمی محسوس کرتے ہیں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اسی کمی کو پورا کرنے کی فکر کیجئے اور اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر مرکوز کر دیجئے، کیونکہ اسی کسر کے پورے ہونے پر دنیا میں آپ کی فلاح اور آخرت میں آپ کی نجات کا مدار ہے۔ آپ دنیا میں خواہ کچھ بھی حاصل کر لیں اُس کے حصول سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس کسر کی بدولت آپ کو پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ کسر آپ نے پوری کر لی تو خواہ آپ کو دنیا میں کچھ حاصل نہ ہو پھر بھی آپ خسارے میں نہ رہیں گے۔

اجلاس چہارم

(۷ رجمادی الاوّل ۱۳۶۴ھ - بروز جمعہ - بعد نماز جمعہ)

رپورٹیں اور ان پر تبصرہ

نمازِ جمعہ کے بعد پھر اجلاس منعقد ہُوا۔ چونکہ امیر جماعت کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لئے اجلاس کی کارروائی کا آغاز مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی قیادت میں ہُوا اور جنوبی ہند کی بقیہ رپورٹیں پیش کی گئیں۔ ان رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا امین احسن صاحب نے فرمایا:-

جو مشکلات جنوبی ہند کی جماعتوں نے بیان کی ہیں وہ کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتیں، نہ ان سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ ہے، بلکہ فی الحقیقت ایسی رکاوٹوں کا تو خندہ پیشانی سے استقبال کرنا چاہیئے۔ جو لوگ ہمارے لٹریچر سے دوسروں کو روکتے ہیں وہ تو ایک طرح سے اس کے پھیلنے میں مددگار بن رہے ہیں کیونکہ انسانی فطرت کا طبعی خاصہ یہ ہے کہ جس چیز سے اس کو روکا جاتا ہے اس کی طرف وہ اور زیادہ راغب ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک صاحب نے اپنے ایک اشتراکی دوست کا خط پڑھ کر سنایا جس میں انہوں نے جماعت کے لٹریچر سے متاثر ہونے کے بعد اپنے خیالات کی تبدیلی کا حال تفصیل سے بیان کیا تھا۔ اسی دوران میں امیر جماعت تشریف

لے آئے اور بقیہ کارروائی ان کی قیادت میں جاری رہی۔

اس کے بعد دہلی اور یو۔پی کی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ ان رپورٹوں کے سلسلے میں بعض ممتاز علماء کرام کے وہ فتوے بھی پڑھ کر سنائے گئے جو انہوں نے " رسالہ دینیات " کے متعلق تحریر فرمائے ہیں اور جنہیں ایک گروہ اس غرض کے لئے استعمال کر رہا ہے کہ یہ رسالہ بعض مدارس کی تعلیم دینیات کے نصاب سے خارج کیا جائے۔

ان رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے امیرِ جماعت نے فرمایا:۔

(۱) جیسا کہ آپ حضرات نے اپنی رپورٹوں کے دوران میں بیان کیا ہے اور میں بھی دیکھ رہا ہوں، بعض گروہ خواہ مخواہ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہماری ان سے کوئی مخالفت ہے اور اس بنا پر جگہ جگہ انہوں نے ہمارے راستے میں رکاوٹیں ڈالنے اور ہمارے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے، حالانکہ ہماری نہ ان سے کوئی لڑائی ہے اور نہ ہم نے کبھی ان کو اپنا حریف سمجھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے طریقِ کار اور ان کی سیاسی پالیسی پر اپنے لٹریچر میں تنقید کی ہے لیکن اس تنقید کی غرض لڑائی نہ تھی بلکہ صرف یہ تھی کہ یہ جماعتیں ہمارے نقطۂ نظر سے واقف ہوں اور اگر ان کا دل گواہی دے کہ ہمارا نقطۂ نظر صحیح ہے تو اس کو ملحوظ رکھ کر اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کریں اس قسم کی تنقید بہر حال اصلاح کے لئے ناگزیر ہوتی ہے اور اس کے بغیر دنیا میں کہیں بھی حالات کی اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ ایسی تنقید کو ہمیشہ ترقی پسند اور معقولیت پسند جماعتیں برداشت کرتی ہیں بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی بھی کوشش کرتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان میں تنقید کو ہمیشہ دشمنی ہی پر محمول کیا جاتا ہے۔

آپ خواہ کسی پر کتنی ہی مخلصانہ اور ہمدردانہ تنقید کریں اور آپ کی نیت خالص اصلاح طلبی ہی کی کیوں نہ ہو مگر کسی پر تنقید کرنے کے بعد مشکل ہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس کے جواب میں آپ کو کاٹ کھانے پر آمادہ نہ ہو جائے گا۔

یہ سب ہندوستان کے اخلاقی اور عقلی تنزل کا نتیجہ ہے اور اگر اس کے اسباب کو ہم اچھی طرح سمجھ لیں تو اس قسم کے مظاہر کو دیکھ کر کبھی برافروختہ نہ ہوں بلکہ ان لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ یا کم از کم صابرانہ رویہ اختیار کریں۔ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں کہیں آپ حضرات کی رپورٹوں میں ان مخالفتوں پر غصے اور ناراضی کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اس چیز کو اپنے اندر سے نکال دیجئے۔ جہاں جہاں آپ کو ان مخالفتوں سے سابقہ پیش آئے وہاں نہایت معقولیت اور ٹھنڈے طریقے سے مخالفین کو سمجھا دیجئے کہ ہماری اصل لڑائی تم سے نہیں بلکہ نظام باطل سے ہے۔ ہم اسے غلط سمجھتے ہیں اور اسی پر چوٹ لگانا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے اپنے آپ کو اس نظام سے وابستہ کر رکھا ہے تو جس حد تک تمہاری اس سے وابستگی ہے اسی حد تک ضمناً تم پر بھی چوٹ لگے گی لیکن ہمارے اصل ہدف تم نہ ہوگے بلکہ نظام باطل ہی ہوگا۔ لیکن اگر تمہارا اس نظام سے کوئی رشتہ نہیں ہے تو ہماری کسی سرگرمی سے تمہیں پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جو تیر دوسری طرف چھوڑا جا رہا ہو اسے تم خواہ مخواہ اپنے سینے کی طرف کیوں کھینچنا چاہتے ہو! اس فہمائش کے بعد جو لوگ اپنی مخالفانہ باتوں سے باز نہ آئیں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ان کی باتوں کا نہ جواب دیجئے نہ ان پر مشتعل ہوجیے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ ان کی مخالفانہ حرکات، ان کی اشتہار بازیاں، ان کے غلط الزامات اور ان کی تمام مخالفانہ تدبیریں خود انہیں کے لئے مضر ثابت ہوں گی بشرطیکہ

آپ کا رویّہ غایت درجہ شریفانہ اور کریمانہ اور حلیمانہ ہو اور آپ بالکل راست باز انسانوں کی طرح سیدھے سیدھے اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ جب ایک طرف آپ کی روش یہ ہوگی اور دوسری طرف ان کا مخالفانہ رویّہ اخلاق اور راستی سے دور ہوتا چلا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ پبلک کا ضمیر ان کی حرکات سے خود بخود بیزار ہونے لگے گا اور لوگ ان سے کٹ کر آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ نے مشتعل ہو کر ان کے جواب میں دو بدو شروع کر دی تو جیسے وہ ہیں ویسے ہی آپ ہو کر رہیں گے اور اس لڑائی میں ان کی طرح آپ بھی کھوئے جائیں گے۔ دراصل وہ شیطان ہے جو داعیانِ حق کو ان کے راستے سے ہٹانے کے لئے اشتعال دلاتا اور نفسانی لڑائی لڑنے پر آمادہ کرتا ہے اسباب میں آپ حضرات میرے ان حواشی کو بغور پڑھیں جو میں نے تفہیم القرآن میں سورۂ اعراف کے آخری رکوع پر لکھے ہیں۔ انشاء اللہ وہ بہت مفید ثابت ہوں گے۔

(۲) اس سے پہلے اکثر خطوط سے اور یہاں جو رپورٹیں پیش ہوئی ہیں ان سے بھی اندازہ ہوا کہ ہمارے رفقاء اور ہم خیال اصحاب کے حلقے میں اشتراکیت کے بڑھتے ہوئے طوفان سے ایک اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اشتراکی تحریک اب روس کی کامیابی کی بدولت بہت زور پکڑ گئی ہے اور حکومت نے اپنی مصلحتوں کی خاطر اسے قوت حاصل کرنے کا جو موقع دیا ہے وہ بھی اس کے لئے کافی مفید ثابت ہوا ہے۔ لیکن ان چیزوں سے مضطرب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اضطراب کے ساتھ اگر کوئی قدم اٹھایا گیا تو وہ فائدہ مند ہونے کے بجائے الٹا مضر ثابت ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ اشتراکیت عوام کے سفلی جذبات اور ان کی خواہشات نفس سے اپیل کرنے کی بنا پر آگ کی طرح پھیلنے کی خاصیت رکھتی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ ایک مدت دراز سے

اس کا مسلسل پروپیگنڈا ہوتا رہا ہے، اس کے پاس ایک بہت طاقتور لٹریچر ہے اور کثیر التعداد کارکن موجود ہیں، دنیا کے مختلف ممالک میں اس کی بہت کامیاب اشاعت ہو چکی ہے اور ایک عظیم الشان سلطنت اس کی علمبردار ہے جسے تازہ فتوحات نے غیر معمولی اثر اور رسوخ بخش دیا ہے، ان وجوہ سے یہ بہت زیادہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ایک مرتبہ یہ تحریک ایک سیلاب کی طرح ہمارے ملک اور دوسرے بہت سے ملکوں پر چھا جائے گی لیکن ان پہلوؤں کے ساتھ بعض دوسرے پہلو بھی ہیں جنہیں ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہندوستان میں اور اس طرح کے غلام ذہنیت رکھنے والے ملکوں میں اس تحریک کی ترقی کا انحصار تمام تر روس کی طاقت پر ہے جس وقت روس جرمنی سے پٹ رہا تھا آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس وقت ہندوستان میں اشتراکیت بھی دم توڑ رہی تھی۔ جب روس از سر نو سنبھل کر اٹھا اور جرمنی کے مقابلے میں کامیابی حاصل کرتا چلا گیا تو یہاں بھی اشتراکیت کے جسم میں روح دوڑنے لگی۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہے کہ اشتراکیت کا گرنا اور اٹھنا روس کے دامن کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ لیکن روس کا حال یہ ہے کہ اب وہ ایک بین الاقوامی اشتراکی تحریک کی پوزیشن سے ہٹتے ہٹتے ٹھیک اس مقام پر آ رہا ہے جہاں نازی جرمنی کھڑا تھا، یعنی اس کی اشتراکیت اب قوم پرستانہ اشتراکیت (National Socialism) ہے اور وہ بہت تیزی کے ساتھ قیصریت (Imperialism) کے میدان میں امریکہ اور انگلستان کا حریف بن رہا ہے یہ چیز ممکن ہے کہ روس کی قیصریت کو اتنی جلدی نہ لے بیٹھے لیکن ایک بین الاقوامی تحریک کی حیثیت سے اشتراکیت کو یقیناً لے بیٹھے گی۔ ایک بین الاقوامی تحریک کی کامیابی سراسر اس امر پر منحصر ہوتی ہے کہ اس کے علمبردار شخصی اور قومی اور طبقاتی اغراض سے بالاتر

ہو کر تمام انسانوں کو مساویانہ حیثیت سے قومی امتیازات اور تعصبات کے بغیر اپنا شریک و سہیم بنائیں اور کامیابی کے دور میں جو کچھ فوائد ان کو حاصل ہوں۔ ان سب میں اپنے تمام ہم خیالوں کو برابر کا حصہ دار ٹھہرائیں، حتیٰ کہ ان کے اندر اتنی فراخ حوصلگی موجود ہو کہ جس سے کل ان کی لڑائی تھی وہ بھی اگر ان کا ہم مسلک ہو جائے تو وہ اس کے ساتھ اپنے انتقام اور دشمنی اور تعصبات کے سارے جذبات کو ختم کر کے بھائیوں کا سا سلوک کریں۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت اعلیٰ درجے کے اخلاق درکار ہیں۔ مگر مادہ پرست اور وہ مادہ پرست جس کا سب سے بڑا اپیل معاشی اپیل ہو، اتنے بلند اخلاق لا کہاں سے سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ روس جتنا جتنا دنیوی کامیابیوں کی منزلیں طے کرتا چلا گیا اتنا ہی زیادہ قوم پرست ہوتا چلا گیا اور آج کا روسی اشتراکی اپنے اندر اتنی بلند ہمتی نہیں پاتا کہ جو منافع اس کو اپنی فوجی کامیابیوں سے حاصل ہوئے ہیں ان میں وہ اپنی قوم کے ساتھ دوسروں کو برابر کا شریک کرے۔ اب وہ جو کچھ چاہتا ہے اپنی قوم کے لئے چاہتا ہے البتہ اشتراکیت کے لئے بین الاقوامی اپیل کو وہ صرف اپنے ایک قومی ہتھیار کی حیثیت سے استعمال کر رہا ہے تاکہ مختلف قوموں میں اس کے ذریعے سے ففتھ کالم پیدا کرے اور پھر اس ففتھ کالم کو آلۂ کار بنا کر اپنے امپیریلزم کی جڑیں پھیلائے۔ گو آنکھوں والے اسے ابھی سے دیکھ رہے ہیں لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب روس کی سیاست اس معاملے میں بالکل برہنہ ہو جائے گی اور اس وقت غلام قوموں کے وہ لوگ جو آج اسے اپنا مقتدا و پیشوا بنائے ہوئے ہیں اور اس کو مظلوموں کا حامی اور غلاموں کی آزادی کا علمبردار سمجھ رہے ہیں اس سے مایوس ہو جائیں گے۔

اس بیان سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ آپ کو اشتراکی خطرے سے بالکل مطمئن ہو کر بیٹھ جانے کا مشورہ دوں بلکہ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اشتراکی خطرے سے جتنا اضطراب آپ میں سے بعض لوگ محسوس کرتے ہیں اتنے زیادہ اضطراب کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس خطرے کو جو لوگ تیزی کے ساتھ قریب آتا دیکھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے کوئی جوابی پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے یا اشتراکیت کے خلاف مضامین اور کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ چھیڑ دیا جائے یا ہمارے کارکن جلدی سے کسانوں اور مزدوروں میں جا کر کوئی ایسا کام شروع کریں جو انہیں اشتراکیوں کی گود سے فوراً چھین لے، لیکن اس طرح کی جلد بازانہ تدبیریں کارگر نہیں ہو سکتیں۔ میں نے پچھلے سال تعلیم بالغان کی جو سکیم پیش کی تھی وہ اسی لئے تھی کہ ہمارے وہ ارکانِ جماعت جو عوام میں کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں مضبوط اور گہری بنیادوں پر ایک ایسی عوامی تحریک کی عمارت اٹھائیں جو نہ صرف یہ کہ محنت پیشہ طبقوں کی اخلاقی اور ذہنی اصلاح کرے بلکہ اس کے ساتھ ہی ان کو تمام معاشی، سیاسی اور مذہبی فتنے پھیلانے والی تحریکوں سے بھی محفوظ کر دے، نیز جس سے بتدریج ہمارے پاس طبقۂ عوام کے ایسے قابلِ اعتماد کارکنوں کی ایک معتد بہ تعداد فراہم ہوتی چلی جائے جو وسیع پیمانے پر ہماری عوامی تحریک کو ملک میں پھیلا سکے۔ جیسا کہ میں اس سے پہلے اجتماع دارالاسلام اور اجتماع دہلی کی تقریروں میں کہہ چکا ہوں اس کام کا طریقہ یہ ہے کہ ہمارا ہر تعلیم یافتہ کارکن اپنے آس پاس کی آبادی میں سے طبقۂ عوام کے آٹھ دس آدمیوں کو تعلیم کا شوق دلائے اور اسے پڑھانے کے لئے بلا معاوضہ خود اپنی خدمات پیش کرے۔ اس تعلیم کے مصارف کا کوئی بار ان پر نہ ڈالا جائے، وقت مقرر کرنے

میں بھی اپنی سہولت کی بہ نسبت ان کی سہولت کا زیادہ خیال رکھا جائے، جگہ بھی ان سے نہ مانگی جائے بلکہ خود فراہم کی جائے، پہلے کچھ مدت صرف کرکے ان کو نوشت وخواند کے قابل بنادیا جائے، پھر خود اپنی جماعت کے لٹریچر میں سے آسان آسان چیزیں سبقاً سبقاً پڑھائی جائیں اور اس دوران میں نہ صرف اپنے خیالات سے ان کے ذہن کو متاثر کیا جائے بلکہ ان کے ساتھ مساوات، ہمدردی، اخوت اور عالی ظرفی کا ایسا برتاؤ کیا جائے جس سے ان کے دل مسخر ہوجائیں۔ اُن کے دکھ درد میں شریک ہونے کی کوشش کیجئے۔ ان کی ہر مصیبت اور تکلیف میں ممکن ہو تو عملاً کام آیئے ورنہ کم از کم ہمدردی کا اظہار کیجئے، اپنے طرزِ عمل سے ان پر ثابت کیجئے کہ آپ کسی قسم کے امتیازات کے قائل نہیں ہیں، پڑھے لکھے اور اونچے طبقوں میں جو جھوٹا فخر پایا جاتا ہے اس کا کوئی شائبہ آپ کے اندر نہ پایا جائے۔ اس کے ساتھ نہایت مخلصانہ طریقے سے ان کی اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کیجئے ان کے اندر جو "انسان" سو رہا ہے، جسے معاشی خستہ حالی نے، جہالت نے، سوسائٹی کی اخلاقی اور ذہنی پستی نے سلا دیا ہے اسے جگایئے اور ان کے اندر اُس انسانی عظمت کا شعور پیدا کیجئے جس کی بنیاد اسلام اور ایمان پر قائم ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی ان کے ذہن نشین کیجئے کہ ان کی تمام معاشی مشکلات اور ان کے ان تمام دکھوں کا جو موجودہ تمدن نے پیدا کر دیئے ہیں صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ زندگی کا نظام خالص اسلامی بنیادوں پر قائم ہو۔ اس طرح جن آٹھ دس آدمیوں کو آپ تیار کریں گے وہ گویا عوام میں کام کرنے کے لئے آپ کے تربیت یافتہ کارکن بن جائیں گے اور پھر آپ ان کو انہی کے طبقے میں اپنے اخلاقی و ذہنی اثرات پھیلانے کا ذریعہ بنا سکیں گے۔ یہ طریق کار

اپنے نتائج جلدی نہیں دکھا سکتا۔ جس طرح ایک اشتراکی کارکن تھوڑی مدت کے اندر معاشی اپیل کر کے ایک مزدور سبھا یا کسان سبھا کھڑی کر لیتا ہے یا ٹریڈ یونین (Trade Union) بنا ڈالتا ہے اس طرح جلدی سے آپ کوئی بھیڑ اپنے گرد جمع نہ کر سکیں گے۔ لیکن جو طریقِ کار میں آپ کو بتا رہا ہوں اس پر اگر آپ عمل کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ چند سال کے اندر ایک ایسی مضبوط عوامی تحریک اٹھ کھڑی ہو گی جس کا مقابلہ کرنا کسی دوسری تحریک کے لئے مشکل ہو گا۔ پیٹ کی اپیل پر جمع ہونے والی بھیڑ کبھی وہ استقامت دکھا سکتی ہے جو اعلیٰ درجے کی اخلاقی بنیادوں پر اٹھنے والے چند مٹھی بھر لوگ دکھا سکتے ہیں اور نہ عامۃ الناس میں معبودِ شکم کے پجاریوں کو وہ اخلاقی اثر کبھی حاصل ہو سکتا ہے جو سچے خدا پرستوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔

(۳) بعض مقامات کی رپورٹوں سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ جب ہمارے کارکنوں نے کہیں مزدور طبقے کے اندر اشتراکی کارکنوں کے پھیلائے ہوئے زہر کو نکالنے کی کوشش کی تو اس طبقے کے مسلمانوں نے اسے جواب دیا کہ علماء تو ان اشتراکی کارکنوں کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں اور انہوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ اشتراکیت سے ہمارے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی پھر آپ لوگ ہمیں کیوں ڈراتے ہیں کہ اشتراکیت ہم کو الحاد کی طرف لے جائے گی یا یہ کہ اشتراکیت اسلام کے خلاف ہے۔ درحقیقت ہمارے بعض علماء کرام ہندوستان میں یہ اسی قسم کی غلطی کر رہے ہیں جیسی اس سے پہلے روسی ترکستان کے علماء کر چکے ہیں۔ اور اس کا افسوس ناک انجام دیکھ چکے ہیں۔ روسی ترکستان کا اشتراکی انقلاب کوئی بہت پرانی چیز نہیں ہے۔ اسی بیس پچیس سال کی مدت میں ہوا ہے اور وہاں اس کا نتیجہ دنیا دیکھ چکی ہے کہ جو سرزمین ہزار بارہ سو سال سے

اسلام کا مضبوط قلعہ بنی ہوئی تھی، جہاں سے بڑے بڑے ائمہ حدیث، ائمہ فقہ اور مشہور سلاسل صوفیہ (چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) کے پیشوا پیدا ہوئے، وہاں آج اسلام برائے نام بھی باقی نہیں ہے۔ مسجدیں اور خانقاہیں کلبوں اور رقص خانوں اور تعلیم دہریت کے مرکزوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور سابق مسلمانوں کی نسل سے پکے ملحد اشتراکی پیدا ہو رہے ہیں جن کے نزدیک محمد رسول اللہ محض سرمایہ داروں کے ایک ایجنٹ تھے اور انہوں نے اپنے وقت کے معاشی نظام کو مذہبی و اخلاقی بنیاد فراہم کرنے کے لئے وحی و رسالت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ یہ عظیم الشان کامیابی اشتراکیت کو اس سرزمین میں حاصل ہوئی جہاں آج سے پچیس سال پہلے تک پرانے طرز کی مذہبیت ہندوستان سے بہت زیادہ گہرا رنگ رکھتی تھی اور اسلام سے لوگوں کی عقیدت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پچیس سال کے اندر اس سرزمین میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی نہ پایا جائے گا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ اشتراکی مبلغین کو یہ کامیابی حاصل کیسے ہوئی؟ اس کا ذریعہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اشتراکیت کے مبلغ معصوم صورتیں لیئے ہوئے، دکھی انسانیت کے حامی بن کر علمائے کرام کے پاس پہنچے اور سب سے پہلے ان کا اعتماد حاصل کیا۔ ترکستان میں نئے زمانے کے تعلیم یافتہ مگر صحیح العقیدہ مسلمان جو تھوڑے بہت موجود تھے انہوں نے علمائے کرام کو آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ اشتراکیت کی تحریک فی الواقع اسلام کی نفی ہے لیکن علماء اوّل تو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں جدید زمانے کی تحریکات کا براہ راست کوئی علم نہ تھا پھر مزید برآں وہ ان روشن خیال مسلمانوں سے اس بنا پر بھی سخت ناراض تھے کہ یہ لوگ شرح جامی اور مطوّل جیسی کتابوں کو نصاب سے خارج کر کے نیا تعلیمی نصاب بنانا

چاہتے تھے اس لئے انہوں نے شرح جامی کو منسوخ کرنے والے مسلمانوں کی بات ماننے کے بجائے اپنی ساری اخلاقی امداد ان ملاحدہ کے لئے وقف کردی جو قرآن کو منسوخ کرنے اُٹھے تھے۔ پھر جب علمار کے واسطے سے اشتراکیوں کو ترکستانی عوام میں اعتماد واعتبار حاصل ہوگیا تو دیکھتے دیکھتے انہوں نے عام باشندوں کو مٹھی میں لے کر ملک کے سیاسی نظام پر کامل تسلّط حاصل کرلیا اور اس کے بعد سب سے پہلے جس گروہ کی خبر لی وہ یہی علمار ومشائخ تھے۔ جن کے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اقتدار حاصل کیا تھا اشتراکی انقلاب کی تکمیل کے بعد ترکستان کے طول وعرض میں جس طرح علمار اور صوفیہ کا قتل عام کیا گیا اور مذہبی طبقوں کو جیسے جیسے شدید مظالم کے ساتھ ختم کیا گیا اس کی داستان اتنی دردناک ہے کہ چنگیزی مظالم کی تاریخ بھی اس کے سامنے گرد ہوجاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسی بیس پچیس سال کے دوران میں ہوا ہے اور اس سرزمین میں ہوا ہے جو سرحد ہندوستان سے پانچ سات سو میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لیکن ہمارے مذہبی پیشواؤں کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں اور وہ آج ہندوستان میں پھر وہی سمرقند وبخارا کی تاریخ دہرانے کے لئے تیار ہیں۔ ان کے بڑے بڑے اجتماعات میں اشتراکی لیڈروں اور اشتراکیت زدہ لوگوں کو استقبالیہ خطبے پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے، ان کے ذمہ دار آدمی اشتراکی کارکنوں کے ساتھ عوام میں کام کرنے جاتے ہیں، اور اچھے اچھے مشہور علمار کی زبان سے یہ فقرے سننے میں آتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں ہے کہ ایک میں خدا کا تصور ہے اور دوسرے میں نہیں ہے، ورنہ اشتراکی نظام بالکل اسلامی نظام کا ایک نیا ایڈیشن ہے۔ خدا نہ کرے کہ اس نادانی کا ہندوستان میں بھی وہی نتیجہ رونما ہو جو

ترکستان میں ہو چکا ہے، لیکن خدا کے ہاں تو یہ لوگ اپنی ذمہ داری سے ہرگز بری نہ سکیں گے خواہ ہندوستان ان کی غلطی کے نتائج سے بچ جائے۔

(۴) جن حضرات علماء نے میرے رسالۂ دینیات پر فتوے تحریر فرمائے ہیں میں شخصی طور پر بھی ان کا نیاز مند ہوں اور ان کے علم و فضل کا بھی احترام میرے دل میں ہے۔ ان تک میری یہ گذارش پہنچا دی جائے کہ فتوے تحریر فرمانے اور انہیں اہل فتنہ کے ہاتھ میں دینے کے بجائے وہ براہ کرم میری کتابوں پر علمی تنقید فرمائیں۔ مجھے اپنی کسی غلطی کو غلطی ماننے میں اور اس کی اصلاح کرنے میں نہ پہلے کبھی تامل تھا اور نہ اب ہے۔ البتہ پہلے بھی یہ عرض کرتا رہا ہوں اور اب بھی اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جس چیز کو غلطی کہا جاتا ہے اسے تعین کے ساتھ مجھے بتایا جائے تاکہ میں اس کی اصلاح کر سکوں۔ مبہم اعتراضات سے یہ معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ چیز کیا ہے جس پر اعتراض ہے۔

اس کے بعد یہ اجلاس ختم ہوا اور نمازِ مغرب کے بعد پانچواں اجلاس شروع ہوا۔ عصر سے مغرب تک وقفہ دیا گیا۔

اجلاس پنجم

۷ رجمادی الاوّل ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۰ راپریل ۱۹۴۵ء بروز جمعہ بعد مغرب

رپورٹیں اور ان پر تبصرہ

سب سے پہلے اعلان کیا گیا کہ بعد نماز عشاء مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا اور ارکان شوریٰ کے نام سنا دئیے گئے۔ اس کے بعد علی گڑھ، شاہجہان پور، بنارس، سنگاہی لکھنؤ، میرٹھ اور بارہ بنکی کی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ شاہجہان پور کے مقامی امیر نے اپنی رپورٹ کے دوران میں یہ بھی اعلان کیا کہ ان کے ایک رفیق، اپنی جان، مال، اور ہر چیز جماعت کے سپرد کرتے ہیں اور امیر جماعت کو حق ہے کہ جس طرح چاہیں انہیں استعمال فرمائیں۔

ان رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر جماعت نے فرمایا:۔

(۱) شاہجہانپور کے رفیق کی پیشکش بلاشبہ بہت مبارک ہے اور میں ہر گز یہ نہیں چاہتا کہ کسی کی حوصلہ شکنی کروں یا کسی ایسے نیک اقدام سے کسی کو منع کروں بلکہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس پیش کش کو قبول فرمائے اور انہیں اس پر ثابت قدم رکھے، لیکن میں چاہتا یہ ہوں کہ وہ اجتماع کے بعد گھر پہنچ کر اپنے تمام حالات کا جائزہ لے کر دو تین مہینہ کے اندر پھر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں اور اگر ان کا ارادہ قائم رہے تو مجھ کو لکھیں۔ پھر میں بتاؤنگا کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ بعض مرتبہ خاص مواقع پر انسان وقتی تاثر سے مغلوب ہو کر اپنی ہمت اور قوت برداشت

کا صحیح اندازہ کئے بغیر ایک فیصلہ کر لیتا ہے اور بعد میں جب اصل حالات سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے تو اس کے لئے اپنے فیصلے پر قائم رہنا محال ہو جاتا ہے۔

(۲) ایک صاحب نے اپنی رپورٹ میں بعض لوگوں کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ پہلے انسان کو خود معیاری مسلمان بننا چاہیئے پھر دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اس خیال کے لئے نہ شرع میں کوئی بنیاد ہے اور نہ عقل میں۔ قرآن اور حدیث سے بھی ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود نیک بننا اور دوسروں کو نیکی کی طرف بلانا ساتھ ساتھ ہونا چاہیئے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ جس وقت آدمی پر حق منکشف ہو اسی وقت سے وہ خود بھی حق پرست بننے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی حق کی طرف دعوت دے۔ ظاہر بات ہے کہ جب آپ کے ساتھ بہت سے لوگ ایک ہی مکان میں رہتے ہوں اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس مکان کو آگ لگ گئی ہے تو آپ کا فرض یہی نہیں ہے کہ خود اس سے نکلنے کی کوشش کریں بلکہ آپ کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس آگ سے آگاہ کرنے اور ان کو اس مکان سے باہر نکالنے کی پوری پوری کوشش کریں۔ جو لوگ پہلے خود معیاری مسلمان بننے کی شرط لگاتے ہیں ان سے دریافت کیجئے کہ کیا ان کے پیش نظر کوئی خاص حد ایسی ہے جس پر پہنچ کر آدمی اپنے متعلق یہ رائے قائم کر سکتا ہو کہ اب وہ معیاری مسلمان بن گیا ہے۔ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ جس وقت آپ کے اندر اپنے متعلق یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ آپ کامل ہو گئے ہیں۔ اسی وقت سے آپ کے ناقص ہونے کی ابتدا ہو جائے گی اور دوسروں کی تکمیل کی کوشش کے لئے وہی وقت سب سے زیادہ غیر موزوں ہو گا۔

(۴) رپورٹوں کے سلسلے میں ایک اور بات مجھے خاص طور پر کھٹکی ہے ۔ وہ یہ کہ جا بجا غیر ضروری کسر نفسی اور بے جا انکسار سے کام لیا گیا ہے ۔ جس طرح یہ بات صحیح نہیں کہ اپنی کارروائیوں اور سرگرمیوں کو بڑھا چڑھا کر اور مبالغے سے بیان کیا جائے اسی طرح یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے کہ انہیں خواہ مخواہ سکیڑ کر اور حقیر شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے ۔ جو کچھ ہوا ہے اور جو ہو رہا ہے اسے بلا کم و کاست ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا چاہیئے ۔ اپنوں اور دوسروں کا جائزہ لینے میں قطعاً کسی کمی بیشی سے کام نہ لیا جائے ۔ آپ کی رپورٹیں تو گویا ایک ایسا آئینہ ہونی چاہئیں جن میں آپ کی کارروائیوں، آپ کے ارکان اور ہمدردوں اور علاقہ کے دوسرے لوگوں اور حالات کا بے لاگ عکس موجود ہو ۔

اس کے بعد اجلاس ختم ہوا اور عشاء کی اذان ہوئی ۔

تحریک اسلامی پاکستان
مردان

اجلاس مجلس شوریٰ

(بتاریخ ۲۰ر اپریل ۱۹۴۵ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء)

عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد امیر جماعت کے دفتر میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے:-

۱- امیر جماعت (سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

۲- مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔

۳- مولانا مسعود عالم صاحب ندوی۔

۴- مولانا محمد اسماعیل صاحب مدراسی۔

۵- غازی محمد عبدالجبار صاحب دہلی۔

۶- مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب روڑی۔

۷- ملک نصراللہ خاں صاحب عزیز (مدیر کوثر لاہور)

۸- مولانا نذیر الحق صاحب میرٹھی۔

۹- میاں طفیل محمد صاحب (قیم جماعت)

۱۰- سید محمد حسنین صاحب جامعی (قیم جماعت صوبہ بہار)

۱۱- قاضی حمید اللہ صاحب سیالکوٹ۔

۱۲- چودھری محمد اکبر صاحب سیالکوٹ۔

۱۳- مولوی محمد یونس صاحب حیدرآباد (دکن)

۱۴۔ سید عبدالعزیز صاحب شرقی۔

۱۵۔ حکیم محمد خالد صاحب الہ آباد۔

۱۶۔ جے۔ محمد بشیر صاحب بمبئی۔

اس اجلاس میں مرکز کی تعمیر اور تعلیمی اسکیم کے مسائل پر غور کیا گیا اور تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ابتدائی تعلیم کا کام شروع کرنے کے لئے حالات اس وقت سازگار نہیں ہیں لہٰذا اسر دست اپنی تمام توجہ عارضی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا کام شروع کر دینے پر مرکوز کر دینی چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ ابتدائی تعلیمی اسکیم کو شروع کرنے کے لئے بھی سعی جاری رہنی چاہیئے۔

اجلاس ششم

(بتاریخ ۸ ربجادی الاوّل ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۴۵ء بروز ہفتہ صبح ۸ بجے)

رپورٹیں اور ان پر تبصرہ

یہ اجلاس حسب پروگرام مسجد میں شروع ہوا۔ اس اجلاس میں سیالکوٹ سرحد، گوجرانوالہ، لالہ موسیٰ، گجرات، لاہور و ضلع لاہور، امرتسر، فیروز پور، شہر و چھاؤنی، راولپنڈی، پھلور، جاجہ، ہوشیار پور، لدھیانہ، کپور تھلہ، کیتھل (کرنال) حصار، ضلع شاہ پور اور ضلع لائل پور کی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ اگرچہ بعض اور علاقوں کی رپورٹیں ابھی باقی تھیں لیکن وقت کی کمی کے باعث فیصلہ کیا گیا کہ باقی رپورٹوں کو اجتماع عام میں نہ پیش کیا جائے بلکہ وہ اجتماع کے بعد امیر جماعت کے سامنے پیش کر دی جائیں۔

ان رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر جماعت نے فرمایا۔

بسا اوقات جسے انسان شر سمجھتا ہے اللہ کی طرف سے اس میں خیر کا پہلو نکل آتا ہے۔ میں افسوس کر رہا تھا کہ وقت کی کمی اور اپنی خرابی صحت کی وجہ سے مجھے اجتماع سے پہلے رپورٹوں کے دیکھ لینے کا موقع نہیں ملا۔ اگر یہ موقع مجھ کو مل جاتا تو بہت سی عبارتوں پر میں نشان لگا دیتا اور نشان زدہ عبارتوں کے متعلق ہدایت کر دیتا کہ اجتماع میں انہیں نہ پڑھا جائے لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس کا موقع نہ ملنا کچھ اچھا ہی ہوا۔ پچھلے دو روز میں جو رپورٹیں یہاں پیش ہوئی ہیں ان میں آپ کے سامنے جماعت کی حالت اور ارکان کی حالت جیسی کچھ کہ فی الواقع وہ تھی ویسی ہی سامنے

آگئی ہے۔ تمام اچھے اور بُرے پہلو بے نقاب ہو گئے ہمارے کارکنوں کا مزاج انداز فکر اور اخلاقی حال جیسا کچھ تھا وہ سب کے سامنے کھل گیا۔ اب جو تبصرہ میں کروں گا اور میرے بعد مولانا امین احسن صاحب جو تقریر کریں گے اس سے مجھے امید ہے کہ ارکان جماعت اپنے کمزور پہلوؤں کی طرف توجہ فرمائیں گے اور انہیں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) آج میرے پاس بہت سی شکایتیں آئی ہیں کہ مختلف مقامات کی رپورٹوں میں علماء اور دوسرے گروہوں اور جماعتوں پر تنقید میں سختی کی گئی ہے یہ شکایتیں ایک حد تک بالکل بجا ہیں۔ اختلافات اور مخالفتوں کی وجہ سے طبائع میں جھنجھلاہٹ کا پیدا ہو جانا اگرچہ کسی حد تک فطری بات ہے۔ لیکن فی الواقع یہ ایک کمزوری ہے اور جن لوگوں کو کسی بلند اخلاقی مقصد کے لئے کام کرنا ہو انہیں اپنے اندر سے اس کمزوری کو دور کرنا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو لوگ دانستگی میں یا نادانستگی میں اس دعوت الی الخیر کی راہ روک رہے ہیں ان کے اس طرز عمل کو آپ سراہیئے یا اُسے بُرا نہ جانیئے۔ ان کی غلطیوں کو غلطی کہنے سے نہ میں خود رکتا ہوں، نہ آپ کو روکتا ہوں۔ واقعات کے بیان کو بھی میں روکنا نہیں چاہتا اگر فی الواقع حالات کو سمجھنے کے لئے ان کا بیان ضروری ہو۔ جہاں کسی جماعت کے غلط طرز عمل پر تنقید کرنے کی واقعی ضرورت پائی جائے وہاں زبان بند کر لینے کا مشورہ بھی میں کسی کو نہیں دیتا۔ لیکن جس چیز کو میں روکنا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اس قسم کی مخالفتوں سے آپ کے مزاج میں برافروختگی اور آپ کی زبان میں سختی پیدا ہو اور اس کے جواب میں دوسری طرف سے بات اور بڑھے۔ یہی چیزیں فتنہ کی موجب ہوتی ہیں اس کے علاوہ ہمارے ارکان کو اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہماری جماعت

میں جو لوگ شریک ہیں وہ مختلف گروہوں سے نکل کر آئے ہیں اور اب تک ان کی عقیدتیں اور دلچسپیاں کچھ نہ کچھ اپنے سابق گروہوں اور ان کی شخصیتوں کے ساتھ وابستہ ہیں اس حالت میں اگر ایک طبقے کے لوگ دوسرے طبقے والوں پر کوئی چوٹ کریں گے تو صرف یہی نہیں کہ اس طبقے پر کوئی اچھا اثر پڑے گا بلکہ اس سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس طبقہ سے آئے ہوئے جو لوگ ہماری جماعت میں موجود ہیں ان کے دلوں میں بھی ناراضگی پیدا ہوگی۔ آپ کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی مثالیں موجود ہیں کہ انصار میں اسلام قبول کرنے کے بعد بھی کچھ مدت تک اوس اور خزرج کی پرانی عداوتوں کے آثار موجود تھے اور یہودی فتنہ پرداز بسا اوقات ان عداوتوں کی یاد تازہ کر کے فتنہ برپا کر دیا کرتے تھے۔ ان مثالوں سے سبق لے کر آپ لوگوں کو اپنی تنقیدوں اور شکایتوں میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ گروہی عصبیتیں خود آپ کی اپنی جماعت میں بھڑک کر کوئی فتنہ برپا نہ کر دیں۔

اس کے ساتھ میں ان حضرات سے بھی جو بعض گروہوں اور اشخاص کی عقیدت میں مبتلا ہیں اور اس وجہ سے تنقیدوں کی سختی کا شکوہ کرتے ہیں یہ گذارش کروں گا کہ جب آپ اس جماعت میں آئے ہیں تو اپنے اندر انصاف کی صفت پیدا کیجیئے اور تمام چیزوں سے بڑھ کر حق سے عقیدت رکھیئے۔ آپ کو شکایت ہے کہ بعض بڑے لوگوں کی غلط باتوں کا جب یہاں ذکر ہوا تو لوگ ہنس دیئے۔ بلاشبہ یہ ہنسنا اچھا نہ تھا۔ بلاشبہ ہم کو ہر شخص کا اتنا ہی احترام ملحوظ رکھنا چاہیئے جتنا ہم خود چاہتے ہیں کہ ہمارا ملحوظ رکھا جائے لیکن آپ غور کیجئے کہ جو لوگ واقعی ہنسی کے قابل باتیں کرتے ہوں آخر دنیا کب تک ان پر ہنسنے سے باز رکھی جا سکتی ہے خواہ ہم ان پر نہ ہنسیں لیکن بہر حال ہنسنے کے قابل باتیں کرنے کے بعد کوئی شخص

پھنسے جانے سے بچ نہیں سکتا، نہ آپ کی عقیدت مندی اسے اس نقصان سے بچا سکتی ہے جو اس نے خود اپنے احترام کو پہنچایا ہے۔ اسی طرح آپ شکایت کرتے ہیں کہ بعض اشخاص اور جماعتوں پر تنقید میں سختی برتی گئی ہے اس سختی کو میں بھی پسند نہیں کرتا، لیکن اس کے ساتھ آپ کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ جن چیزوں کی شکایت کی گئی ہے کیا وہ واقعی نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی ہیں تو کیا وہ حضرات جنہوں نے اس دعوتِ حق کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی وہ اپنے اس طرزِ عمل میں واقعی حق بجانب ہیں؟ اور اگر وہ حق بجانب نہیں ہیں تو پھر جتنی توجہ آپ دنیا سے ان کا احترام کرانے پر صرف کرتے ہیں برائے خدا اس سے آدھی ہی توجہ اس کوشش پر صرف کریں کہ وہ حضرات اپنی اس روش کو بدلیں جہاں ایک طرف حق ہو اور دوسری طرف بڑی بڑی شخصیتیں ہوں وہاں اگر آپ کا دل شخصیتوں کی طرف زیادہ کھینچتا ہے تو یہ ایک بڑی خطرناک حالت ہے جس سے آپ کی اپنی حق پرستی کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ایک سچے مسلمان کو سب سے پہلے جس چیز کی فکر ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس کے اندر حق کی محبت ساری محبتوں پر غالب ہو جائے اور کوئی عقیدت اس کے دل میں ایسی باقی نہ رہے جو کسی وقت حق کی عقیدت کے مقابلے میں آکھڑی ہو۔ جہاں تک اس دعوتِ خیر کا تعلق ہے مجھے یہ کامل یقین ہے کہ کسی کی مخالفت اس کو دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ جو اس کو نقصان پہنچانے کی سعی کرے گا وہ خود نقصان اٹھائے گا۔ اس لئے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی مخالفت سے بھی مجھے اس کام کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے میری غرض تو صرف یہ ہے کہ ایک طرف آپ خود اپنی حق پرستی کو ایسی عقیدتوں کے زہر سے بچانے کی فکر کریں جو مخالفتِ حق کے باوجود کسی کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور دوسری

طرف خود ان حضرات کو بھی جن سے آپ عقیدت و محبت رکھتے ہیں مناع للخیر بننے کے بُرے نتائج سے بچنے کا مشورہ دیں۔

(۲) مَیں نے ابھی جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا ایک افسوس ناک ثبوت ابھی ابھی مجھ کو ایک عجیب شکایت کی صورت میں ملا ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ کل میں نے اشتراکیوں کے ساتھ بعض علمار کی موافقت پر اپنے دلی رنج کا اظہار کرتے ہوئے ان بُرے نتائج کا ذکر کیا تھا۔ جو روسی ترکستان میں اشتراکی مبلّغین کے ساتھ علمار کی موافقت سے نہ صرف علمار کے حق میں بلکہ خود اسلام کے حق میں رونما ہوئے۔ آج میری اس تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے مجھ سے شکایت کی گئی ہے کہ ایک طرف تو تم علمار پر سخت تنقید کرنے سے لوگوں کو روکتے ہو اور دوسری طرف خود ایسی تنقید کرتے ہو۔ اسی قسم کی باتیں ہیں جن کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض لوگ حق کی عقیدت سے کچھ بڑھ کر رجال کی عقیدت میں مبتلا ہیں۔ میں آپ کو ثابت شدہ واقعات سنا رہا ہوں کہ اشتراکی کارکنوں کے ساتھ روسی ترکستان کے علمار نے ابتداءً جو تعاون کیا تھا اس کا خمیازہ کس بری طرح سے انہوں نے بھگتا اور اس کے نتیجے میں کس طرح اسلام اس سرزمین سے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا گیا جو بارہ سو برس تک قبۂ اسلام بنی رہی تھی۔ اس کے ساتھ میں آپ کے سامنے یہ بھی واقعات ہی پیش کر رہا ہوں کہ بعض اچھے خاصے ذمہ دار علمار ہندوستان میں کس طرح اسی غلطی کا اعادہ کر رہے ہیں۔ آپ میری ان دونوں باتوں میں سے کسی کی بھی تردید نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے، لیکن پھر آپ کو شکایت ان حضرات سے نہیں ہے جو اسلام کے لئے اپنی نادانی سے یہ خطرہ پیدا کر رہے ہیں بلکہ آپ کو الٹی شکایت اس شخص سے ہے جو اس نادانی پر ان کو خبردار کرنے

کی کوشش کر رہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی جڑوں پر تیشہ چل جانے سے آپ کو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی اپنی عقیدت کے تبول کو ٹھیس لگنے سے ہوتی ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر یہ آپ کی حالت ہے تو کس نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ہماری اس جماعت میں تشریف لائیں؟ یہ جماعت تو بنی ہی اس اصول پر ہے کہ سب عقیدتوں کو ختم کر کے صرف ایک خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین کی عقیدت باقی رکھی جائے اور اس کے بعد اگر کوئی عقیدت ہو تو وہ اس اصلی عقیدت کے تابع ہونی چاہیئے نہ کہ اس کے مدّمقابل بن سکتی ہیں تو آپ کا مقام ہماری جماعت کے اندر نہیں بلکہ اس کے باہر ہے۔

(۳) میں نے آپ کی کارروائیوں کی رپورٹوں میں تعلیم بالغاں کا ذکر بہت کم سنا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کی اہمیت آپ پر کس طرح واضح کروں اول تو میرے پاس کوئی زور نہیں ہے اور اگر زور ہو بھی تو یہ کام ایسا نہیں ہے کہ بزور کسی سے لیا جا سکے۔ یہ تو ایک رضاکارانہ خدمت ہے اور صرف اسی طرح یہ ہو سکتی ہے کہ آپ خود اس کی پوری اہمیت کو محسوس کریں اور اپنے دلی جذبے کے ساتھ اسے کرنے کی کوشش کریں۔ اس کی مصلحتوں اور فائدوں کا ذکر میں اس سے پہلے کر چکا ہوں۔ اس کی ضرورت بھی میں نے آپ کے سامنے واضح کر دی ہے۔ اب آپ میں سے جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں وہ اس طرح سوچنا شروع کریں کہ انہوں نے اپنا کتنا وقت اور اپنی دماغی قابلیتوں اور جسمانی قوتوں کا کتنا حصّہ اپنے نفس کی پرورش میں لگا رکھا ہے اور کتنا خدا کے کام کے لئے دیا ہے اس کا حساب لگا کر اگر آپ دیکھیں گے تو جلدی ہی آپ پر منکشف ہو جائے گا کہ آپ نے سب سے کم حصّہ خدا کو دے رکھا ہے حالانکہ

عقیدہ آپ کا یہ ہے کہ سب کچھ اسی کا ہے۔ اس کے بعد اگر واقعی آپ کا دل اس بات پر آمادہ ہو کہ خدا کا حق بھی کچھ ادا کرنا چاہیئے تو اس کا حق ادا کرنے کی کم سے کم صورت یہ ہے کہ اس کے جو بندے غفلت اور جہالت اور اخلاقی پستی میں پڑے ہوئے ہیں ان کو سدھارنے کے لئے آپ اپنے وقت کا ایک حصہ مستقل طور پر وقف کر دیں۔

(۴) بعض لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے مسلک کو سمجھنا عوام کے لئے مشکل ہے یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس دین کو ابتداء میں عرب کے صحرانشین بدوؤں نے اور ان پڑھ لوگوں نے سمجھا تھا جو کسی کتاب کا علم نہ رکھتے تھے انھوں نے اس کو صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ وہ اس کی گہرائیوں تک میں اتر گئے اور ان سے جن لوگوں نے اس کی تعلیم حاصل کی وہ دنیا کے معلم بن کر رہے۔ پھر یہ شبہ آپ کو کیسے ہوتا ہے کہ آج ہندوستان کے کسان اور مزدور اور عام باشندے اسے نہ سمجھ سکیں گے؟ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے کتابی علوم پڑھے ہیں ان کے دماغوں میں تو ضرور ایسے پیچ پڑ جاتے ہیں، جن کی وجہ سے اس دین کی سیدھی سادی باتیں بھی ان کے اندر اترنی مشکل ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے ان کو سمجھانے کے لئے ہمیں لمبی چوڑی علمی بحثیں کرنی پڑتی ہیں، لیکن عامۃ الناس جن کے دماغ ایک بڑی حد تک اپنی فطری حالت پر ہیں اس دین کو بڑی آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ بشرطیکہ سمجھانے والا عام فہم انداز بیان اختیار کرے اور اس کی اپنی زندگی اس بات کی شہادت دے کہ وہ جن چیزوں کو پیش کر رہا ہے فی الواقع وہ خود بھی ان پر ایمان رکھتا ہے عوام کو آپ کی بات سمجھنے میں اگر کوئی الجھن پیش آسکتی ہے

تو وہ صرف دو وجوہ سے پیش آسکتی ہے۔ ایک یہ کہ آپ ان کے سامنے اس طرح کی باتیں کریں جیسی کسی عربی مدرسے کے طالب علم یا کسی کالج کے لڑکوں کے سامنے کی جاتی ہیں دوسرے یہ کہ آپ خود کچھ اور ہوں اور باتیں کچھ اور کریں۔ ان دو خامیوں سے اگر آپ کی تبلیغ پاک ہو جائے تو آپ دیکھ لیں گے کہ عوام اس دین کو کس طرح آسانی سے سمجھتے ہیں۔

(۵) بعض لوگوں نے شکایت کی ہے کہ جب ہم عام لوگوں میں اصلاح و تبلیغ کی کوشش کرتے ہیں تو کوئی فتنہ پرداز شخص اٹھ کر کہہ دیتا ہے کہ یہ لوگ "وہابی" ہیں اور اس کے بعد کوئی ہماری بات سننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ شکایت جن حضرات نے پیش کی ہے وہ غالباً اس چیز کو اپنی راہ میں بڑی رکاوٹ سمجھ رہے ہیں حالانکہ اگر اس لفظ وہابی کی تاریخ اور پروپیگنڈے کے اس ہتھکنڈے کو سمجھ لیا جائے جس سے یہ لفظ پیدا ہوا ہے تو بڑی آسانی سے اس کا توڑ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ دراصل انیسویں صدی میں کچھ سیاسی اسباب سے مصر اور ترکی کی مسلمان اور ہندوستان کی غیر مسلم حکومت نے ان اصلاحی تحریکوں کو جو ہندوستان اور عرب میں اٹھی تھیں دبانے کے لئے "وہابی" کا لفظ ایجاد کیا تھا۔ پروپیگنڈا کے کارگر نسخوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس گروہ کو آپ زک پہنچانا چاہیں اسے پہلے ایک نام دیجئے اور تمام برائیاں جو اس کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہوں ان سب کے معنی اس خاص نام میں پیدا کر دیجئے۔ پھر اس نام کا اتنا اشتہار کیجئے کہ جہاں وہ نام لیا گیا اور فوراً سننے والوں کے سامنے ان ساری برائیوں کی تصویر آجائے جو آپ نے اس نام کے ساتھ وابستہ کر دی ہیں۔ اس طرح لمبی چوڑی تقریروں اور تحریروں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ ان سب کی جگہ

صرف ایک لفظ زبان سے نکال دینے سے کام چل جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں مختلف جماعتوں نے اپنے پروپگنڈا کے لئے اس طریقے کو استعمال کیا ہے۔ مُلّا، ٹوڈی رجعت پسند، بورژوا اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ اسی غرض کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور ان سے خوب کام لیا گیا ہے۔ ایسا ہی ایک ہتھیار لفظ وہابی بھی ہے جسے ابتداءمیں بعض خود غرض حکومتوں نے سیاسی مفاسد کے لئے ایجاد کیا اور پھر مسلمانوں کے ان تمام گروہوں نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کردیا جو عوام میں کسی قسم کی دینی بیداری پیدا ہونے کو اپنی دنیوی اغراض کے لئے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ اب اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے وہابی ہونے کی تردید کرتے پھریں اور نہ یہی درست ہے کہ جہاں آپ کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کیا جائے وہاں سے آپ شکست کھا کر پسپائی اختیار کرلیں، بلکہ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ سیدھے سیدھے ایک مسلمان کی سی زندگی بسر کرتے رہیں اور خلق خدا کو توحید خالص اور قرآن وسنت کے اتباع کی دعوت دیتے رہیں اور جو لوگ آپ کو وہابی کہتے ہیں ان کو چھوڑ دیں کہ وہ اس نام کی تسبیح پڑھتے رہیں اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ آپ کے طرزِ عمل اور ان لوگوں کے اشتہار وہابیت سے مل جل کر لفظ وہابی میں ایک اور معنی پیدا ہوجائیں گے اور وہ یہ کہ وہابی اسے کہتے ہیں جو سیدھی سادی مسلمان کی سی زندگی بسر کرتا ہو کسی سے جھگڑا اور بحث ومناظرہ نہ کرتا ہو، پاکیزہ اخلاق اور نیک معاملات رکھتا ہو، اور عقیدۂ توحید اور اتباع قرآن وسنت کی دعوت دیتا ہو۔ اس کے بعد جو شخص فی الواقع انہی چیزوں کا طالب ہوگا جو آپ کے پاس اسے ملتی ہیں اس کو تو وہابیت کا نام آپ کی طرف آنے سے روکے گا نہیں

بلکہ اُلٹا آپ کی طرف کھینچے گا اور وہ زمین میں "دہابیوں" ہی کو ڈھونڈتا پھرے گا۔ رہے وہ لوگ جو بجائے خود اسلام ہی کو اس کی حقیقی صورت میں پسند نہیں کرتے تو وہ ضرور آپ سے دور بھاگیں گے، لیکن آپ کو افسوس نہ کرنا چاہیئے اگر ایسے حق سے پھرے ہوئے لوگ آپ سے دور بھاگیں۔

تجاویز

اس کے بعد تجاویز پیش ہوئیں جو مختلف جماعتوں اور ارکان کی طرف سے آئی تھیں۔ امیر جماعت نے خود ہر تجویز کو پڑھ کر سنایا اس کے بعد مختصر الفاظ میں اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا اور مجوزین کو موقع دیا کہ اگر وہ ان کے جواب سے مطمئن نہ ہوں تو اپنی تجویز کے متعلق خود اپنا نقطہ نظر پیش کریں لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ ذیل میں تجاویز کا خلاصہ نمبر وار درج کیا جاتا ہے اور ہر تجویز کے بعد جس رائے کا اظہار امیر جماعت نے کیا وہ بھی ساتھ ساتھ درج ہے۔

درسگاہ کا قیام

مجوزہ تعلیمی درسگاہ کا جلدی سے جلدی اجرا کیا جائے۔ اگر جنگی حالات کی وجہ سے مستقل عمارات نہ بن سکتی ہوں تو عارضی عمارات ہی بنا کر کام شروع کر دیا جائے۔

امیر جماعت

رات مجلس شوریٰ میں اس پر غور کیا گیا ہے۔ چونکہ عارضی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے زیادہ عمارات کی ضرورت نہیں ہے اور موجودہ عمارات ہی تھوڑے سے تغیر اور اضافے سے اس کے لئے کافی ہو سکتی ہیں اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس کام کو جلدی سے جلدی شروع کر دیا جائے۔ رہی ابتدائی تعلیم تو اس کی تیاری کی جاتی رہے گی۔ لیکن شاید اس کے شروع کرنے میں ابھی دیر لگے گی۔ عارضی عمارات بنانے میں بھی جو دقتیں ہیں وہ بآسانی دور نہیں کی جا سکتیں۔

تربیت گاہ کا قیام

تعلیم یافتہ ارکان جماعت کے لئے ایک تربیت گاہ کا انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت

جس ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا انتظام اب ہم شروع کرنے والے ہیں اس کے پروگرام میں تربیت گاہ بھی شامل ہے۔

مدرسین و مبلغین کی تربیت

ائمہ مساجد اور دیہاتی پرائمری مدارس کے لئے مدرسین اور دیہات میں کام کرنے والے مبلغین کا انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت

جہاں تک نفس ضرورت کا تعلق ہے جس کا اظہار آپ کی اس تجویز

سے ہو رہا ہے، اس کو ہماری ثانوی اور اعلیٰ تعلیم پورا کر دے گی لیکن میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اس تجویز کے پیچھے کچھ اس شور و شغب کے اثرات بھی کام کر رہے ہیں جو "ائمہ مساجد کی ٹریننگ" اور "مبلغین کی تیاری" اور مدرسین دینیات کی تربیت اور اسی قسم کے دوسرے عنوانات پر پچھلے چند سال سے برپا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک اچھا خاصا گروہ ایسے لوگوں کا بھی پایا جاتا ہے جو اصلاح احوال کی ضرورت کا احساس تو رکھتے ہیں مگر اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ احوال کی اصل خرابی کو سمجھ سکیں اور انہیں درست کرنے کی صحیح تدابیر معلوم کر سکیں۔ یہ لوگ سطحی طور پر چند خرابیوں کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بس یہی اصل بیماریاں ہیں اور ان کے علاج کے لئے چند سستے نسخے تجویز کر کے ان کا اشتہار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب کچھ مدت تک یہ اشتہارات فضا میں گونجتے رہتے ہیں تو دماغوں پر ان کا کچھ ایسا تسلّط ہو جاتا ہے کہ جہاں کسی نے اصلاح احوال کا تصوّر کیا اور بے ساختہ ان کی زبان پر "ائمہ مساجد کی ٹریننگ اور مبلغین کی تیاری" اور ایسے ہی کچھ دوسرے فقرے جاری ہونے لگتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید آپ حضرات بھی وقت کے ان چلتے ہوئے اشتہارات سے متاثر ہو گئے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ذہن کو "اشتہار پروف" بنانے کی کوشش کیجئے۔ سوچیے تو سہی کہ آخر ائمہ مساجد کس لئے تیار کئے جائیں؟ کیا آپ کا گمان ہے کہ مسجدوں پر نالائق پیش نمازوں کا قبضہ صرف اس وجہ سے ہے، کہ لائق امام نہیں ملتے ورنہ اگر اچھے اماموں کی فراہمی کا انتظام

ہو جائے تو سارے ملک کی مسجدیں ہاتھوں ہاتھ ان کو لیں گی اور دیکھتے دیکھتے ہر مسجد مسلم سوسائٹی کا دھڑکتا ہوا دل بن جائے گی؟ اگر بات صرف اتنی ہی ہوتی تو پھر رونا کا ہے کا تھا۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ نالائق امام مسجدوں میں خود نہیں آئے ہیں بلکہ مسلمان ان کو لائے ہیں مسلمانوں کو دراصل وہ لوگ مطلوب ہی نہیں ہیں جو بستیوں میں ان کے واقعی امام بن کر رہیں اور مسجدوں کو اسلامی زندگی کا مرکز بنا کر رکھیں۔ ان کا بگڑا ہوا مذاق، ان کی دینی بے حسی، ان کی اخلاقی پستی، ان کا دنیا میں استغراق اور خدا کے ساتھ ان کا منافقانہ رویہ صرف ایسے امام پسند کرتا ہے جو بستیوں کے پیشہ ور "کمینوں" کی طرح ایک قسم کے "کمین" بن کر ان کی مسجدوں میں رہیں اور ان کی دی ہوئی روٹیاں کھا کر پیش نمازی کا کام بس اس طرح انجام دیا کریں جس طرح وہ ان سے لینا چاہتے ہیں۔ پس خرابی یہ نہیں ہے کہ جسم (یعنی مسلم سوسائٹی) زندہ ہے مگر کسی حادثہ سے اس کے دل (یعنی مسجد) پر جمود و سکون طاری ہو گیا ہے۔ بلکہ حقیقی خرابی یہ ہے کہ جسم خود ٹھنڈا ہو گیا ہے اور اس نے بالآخر دل کو ٹھنڈا کر کے چھوڑا ہے۔

اب اگر آپ کے پیش نظر یہ ہے کہ جیسے تنخواہ دار امام و خطیب یہ بگڑی ہوئی سوسائٹی مانگتی ہے ویسے ہی آپ تیار کرنا شروع کر دیں اور جہاں جہاں سے ان کی مانگ آئے وہاں نان و نفقہ کا معاملہ طے کر کے ان کو بھیج دیا کریں تو اس "پیشۂ امامت" کا سکھانا اور اس کے لئے کچھ اہل حرفہ کو تیار کرنا ہمارے بس کا کام نہیں ہے۔

اور اگر آپ وہ حقیقی امام بنانا چاہتے ہیں جو ایک زندہ مسلم سوسائٹی کو درکار ہوتے ہیں تو جب وہ زندہ سوسائٹی موجود نہ ہو اس کے لئے امام تیار کرنا ایسا ہے جیسے دولہا کو تیار کر لیا جائے درانحالیکہ دلہن ابھی بطن مادر میں بھی نہ آئی ہو۔ ہم اپنی درس گاہ میں جن لوگوں کو تیار کریں گے ان کا اصل کام ایک زندہ مسلم سوسائٹی کو پیدا کرنا ہوگا، پھر جیسے جیسے ان کی دعوت سے ایسی سوسائٹی وجود میں آتی جائے گی، یہی داعی فطری طور پر اس کے لیڈر (امام) بنتے جائیں گے اور جن مسجدوں کو وہ اپنا قلب متحرک بنائے گی ان کے امام اور پوری بستی کے دینی، اخلاقی اور اجتماعی اور سیاسی پیشوا یہی لوگ قرار پائیں گے۔

ایسی ہی کچھ غلط فہمی مدرسین کی تیاری کے معاملہ میں بھی آپ کو ہوئی ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے کہ لوگ حقیقی اسلامی تعلیم کے خواہشمند ہیں اور کمی صرف مدرسین کی ہے، بلکہ اصل مصیبت یہ ہے کہ لوگوں کے اندر حقیقی اسلامی تعلیم کی طلب ہی نہیں ہے۔ وہ جس چیز کی طلب رکھتے ہیں اگر اسی کو اجرت پر فراہم کرنے کے لئے آپ تعلیمی مزدور تیار کرنا چاہتے ہیں تو یہ خدمت انجام دینا ہمارا کام نہیں ہے اور اگر آپ کے پیشِ نظر وہ معلم تیار کرنا ہے جو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق آیندہ نسلوں کو ڈھال سکتے ہوں تو اس جنس کی فراہمی کا انتظام کرنے سے پہلے منڈی میں اصل مانگ پیدا کیجئے۔ اسی طرح مبلغین کی تیاری کا مفہوم

بھی غالباً آپ کے ذہن میں واضح نہیں ہے۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو تبلیغ کا فن اس لئے سکھایا جائے کہ ملک کی مختلف انجمنوں کو جس قسم کے پیشہ ور تنخواہ دار مبلّغ درکار ہیں وہ یہاں سے فراہم کئے جائیں؟ اگر یہ آپ کا مقصد نہیں ہے تو مبلغین کی تیاری کے لئے ایک مستقل تجویز کی کیا ضرورت ہے؟ ہماری درسگاہ میں جو تعلیم لوگوں کو دی جائے گی اور جو دینی روح ان کے اندر پھونکی جائے گی وہ اس غرض کے لئے بالکل کافی ہوگی کہ یہ لوگ جہاں بھی رہیں اور جو کام بھی کریں اپنے اخلاق سے، اپنے معاملات سے، اپنی گفتار سے، اپنی رفتار سے، ہر چیز سے دینِ حق کی تبلیغ کرتے رہیں۔

ارکان کے بچوں کی شادیاں

ارکان اپنی اور اپنے بچوں کی شادیاں صرف دیندار لڑکی یا لڑکے سے کریں۔

امیر جماعت

یہ ایسی چیز نہیں ہے جسے تجویز کی حیثیت سے پیش کیا جائے یہ تو حقیقی دینی شعور پیدا ہو جانے کا لازمہ اور اس کا فطری نتیجہ ہے جس آدمی میں بھی یہ شعور پیدا ہو جائے گا وہ لازماً دین سے پھرے ہوئے اور اخلاقی حیثیت سے گرے ہوئے لوگوں کو شادی بیاہ کے تعلق کے لئے درکنار دوستی و ہم نشینی کے لئے بھی پسند نہ کرے گا۔ اور اگر کوئی شخص ایسا ہے جو دینی شعور رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے مگر شادی بیاہ کے لئے دین د

اخلاق کو دیکھنے کے بجائے مال و دولت اور دنیوی وجاہت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ یا تو فریب ہے یا پھر ایک غلط فہمی ہے۔ جو اسے اپنی نسبت ہو گئی ہے۔ ایسے لوگ اگر خدانخواستہ ہماری جماعت میں پائے جائیں تو انہیں ضرور مطلع کر دینا چاہیئے کہ آپ کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ آپ کی یہ حرکت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ آپ کے اندر شعور کی کمی ہے، اور آپ کا معیار قدر و قیمت ابھی تک دنیا پرستانہ ہی ہے۔ پس جو چیز بجائے خود دینی حس کی مقیاس ہے اسے یہاں ایک تجویز کی شکل میں پیش کرنا اور پھر ایک جماعتی فیصلے کی صورت میں نافذ کرنا میرے نزدیک بالکل ایسا ہے جیسے کل ہم اپنے اجتماع میں یہ تجویز پاس کریں کہ سب ارکان جماعت نماز پڑھیں۔ جس طرح ہم ارکان جماعت کے دینی شعور سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے احساس فرض کی بنا پر نماز پڑھیں گے نہ کہ کسی جماعتی تجویز کی بنا پر اسی طرح ہم ان سے یہ بھی توقع رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک رشتہ داریوں اور دوستیوں اور تمام تعلقات میں دینداری و اخلاق کا لحاظ دوسرے سب ملحوظات پر مقدم ہوگا۔

جسمانی مشقت کی تربیت

ہر رکن کو جسمانی مشقتیں برداشت کرنے کا خوگر بنانے کے لئے ضروری ہدایات دی جائیں۔

امیر جماعت

اگر اس کا منشا یہ ہے کہ جماعت میں پریڈ اور ورزش کا انتظام کیا

جائے اور فنونِ سپہ گری سکھانے کے لئے اکھاڑے قائم کئے جائیں تو یہ ہمارے طریق کار کے بالکل خلاف ہے اور اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو مصنوعی طور پر کچھ جفاکشی کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا جائے تو یہ ایک فضول بات ہے۔ اس اصولی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ زندگی میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اگر ان میں سے ہر ایک کو لے کر مقصود بالذات بنایا جائے اور ایک ایک کے لئے لوگوں کو اکسا کر جدا جدا انتظامات کئے جائیں تو اس طرح نہ صرف یہ کوششیں منتشر ہو جائیں گی، بلکہ فی الواقع ان بے شمار چھوٹے چھوٹے مقاصد سے کبھی کسی مقصد کے ساتھ لوگوں کی دل چسپی اور وابستگی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے گی۔ برعکس اس کے اگر لوگوں کی نظریں کسی ایک بلند نصب العین پر جما دی جائیں اور اس کا عشق لوگوں کے دلوں میں بھڑکا دیا جائے تو پھر لوگ ہر اس چیز کے لئے کام کرنے لگیں گے جس کی اس نصب العین کے لئے ان کو ضرورت محسوس ہو گی اور مختلف کاموں کے لئے ان کو الگ الگ اکسانے کی کوئی ضرورت نہ رہے گی جو نصب العین اس وقت ہم نے بندگانِ خدا کے سامنے پیش کیا ہے اور جس کی کشش سے آپ لوگ کھچ کر آئے ہیں بس ساری کوشش اسی کا عشق اپنے دلوں میں اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھڑکانے پر صرف کر دیجئے۔ پھر اگر اس کے لئے جسمانی قوت بہم پہنچانے کی ضرورت محسوس ہو گی تو اس کا انتظام اپنے وقت پر خود بخود ہو گا۔ اگر

وہ جفاکشی کا طالب ہوگا تو نازوں کے پالے ہوئے لوگ آپ سے آپ اس کے عشق میں مشقتیں سہنے لگیں گے۔ اور اگر کسی صنعت کے اجرا، یا کسی فن کی تحصیل کا مطالبہ کرے گا تو لوگ دلی شوق کے ساتھ اس کی طرف دوڑیں گے۔ ان میں سے کسی کام کے لئے بھی کسی مستقل تحریک کی حاجت پیش نہ آئے گی بلکہ تحریک کا ارتقاء فطری طور پر ہر مرحلے میں اپنی ضروریات آپ پر خود ہی واضح بھی کر دے گا۔ اور خود ہی آپ کو مجبور کر کے انہیں پورا بھی کرے گا لیکن اگر ہم کسی چیز کا وقت آنے سے پہلے، تحریک کے اندر اس کی مانگ پیدا ہونے اور اس کی ضرورت کا احساس ابھرنے سے پہلے مصنوعی طور پر اس کے لئے تحریک کریں گے تو نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ حکماً ایک کام شروع کیا جائے گا، چند دنوں تک اسے نیم دلی اور بددلی کے ساتھ کیا جاتا رہے گا اور پھر رفتہ رفتہ وہ ختم ہو جائے گا۔

خریداران کتب کی فہرست

ہندوستان کے تمام اطراف میں تحریک کی اشاعت کے لئے ترجمان اور مکتبہ جماعت کے رجسٹروں سے ان لوگوں کی ضلع وار فہرستیں بنائی جائیں جن تک لٹریچر پہنچ چکا ہے اور پھر ہر مقام کی جماعت کو اس کے ضلع کی یا آس پاس کے اضلاع کی فہرست پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت

ایک عرصہ سے میں خود اس ضرورت کو محسوس کر رہا ہوں لیکن مکتبہ

اور ترجمان کا اشاعت اتنا کم ہے کہ اس پر فہرست بنانے کا بار نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر ارکان جماعت میں سے دو تین حضرات چند روز کے لئے یہاں ٹھہر جائیں تو یہ ضرورت بآسانی پوری ہو سکتی ہے۔

نوٹ :۔ اس اپیل پر چند اصحاب نے اپنی خدمات پیش کیں جن میں سے دو صاحبوں کو یہاں روک لیا گیا۔

دوسری زبانوں میں ترجمہ

لٹریچر کا انگریزی اور دوسری ملکی زبانوں میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔ نیز ترجمان کا ایک حصہ یا ایک مستقل رسالہ انگریزی میں نکالا جائے۔

امیر جماعت

بلاشبہ یہ ضرورت اہم ہے مگر انگریزی زبان کے لئے اب تک ہمیں کوئی موزوں آدمی نہیں ملا ہے۔ دوسری زبانوں کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام ہو رہا ہے جس کی کیفیت آپ کو قیم جماعت کی رپورٹ سے معلوم ہو چکی ہے۔

خواتین اور بچوں کیلئے آسان لٹریچر کی تیاری

عورتوں اور بچوں کے لئے آسان لٹریچر تیار کیا جائے۔

امیر جماعت

جہاں تک بچوں کے لٹریچر کا تعلق ہے یہ ضرورت ایک بڑی حد تک ہمارے ابتدائی تعلیم کے نصاب سے پوری ہو جائے گی۔ البتہ عورتوں کا سوال خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس کے لئے ہمیں عورتوں

ہی کا تعاون حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ارکانِ جماعت کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ خود اپنے خاندان کی خواتین کو ہم خیال بنائیں۔ انشاء اللہ ان ہی میں سے کچھ اس قابلیت کی خواتین نکل آئیں گی جو اپنی ہم جنسوں میں اس دعوت کو پھیلانے کے لئے مفید کام کر سکیں گی۔

صحیح اسلامی تاریخ کی ترتیب۔

امیر جماعت

یہ ہماری مجلس تحقیقات علمیہ (Academy) کے پروگرام میں شامل ہے جسے اپنی درسگاہ کی اسکیم کو شروع کرنے کے بعد ہی انشاء اللہ ہم عملی جامہ پہنائیں گے۔

عوام اور غیر مسلموں کیلئے آسان لٹریچر

عوام اور غیر مسلموں میں اشاعت کے لئے آسان لٹریچر کی فراہمی نیز دیہاتیوں سے ربط پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

امیر جماعت

بلاشبہ عوام اور غیر مسلموں کے لئے ہمارے لٹریچر میں اب تک بہت کم چیزیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک لٹریچر تیار کرنے کا سارا کام ایک ہی شخص کرتا رہا ہے جو مخصوص تعلیم یافتہ طبقوں کے لئے ہی لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ جماعت میں جو لوگ انشاء پردازی کی قابلیت رکھتے ہیں وہ اپنا جائزہ لے کر خود اندازہ کریں کہ وہ کس طبقے کے لوگوں کے لئے کس قسم کی چیزیں لکھ سکتے ہیں،

اور عملاً اپنی قوتوں کو اس کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ جہاں تک اشاعت کا تعلق ہے ایسی چیزوں کو تو ہمارا مکتبہ خود شائع کر سکتا ہے جو براہِ راست جماعتی لٹریچر قرار پا سکتی ہوں رہیں وہ ضمنی چیزیں جو ہماری دعوت سے کسی نہ کسی طرح کا قریبی تعلق رکھتی ہوں تو ان کی اشاعت کے لئے ارکانِ جماعت آپس میں مل کر مختلف مقامات پر اپنے دارالاشاعت قائم کر سکتے ہیں یا ان دارالاشاعتوں سے تعلق پیدا کر سکتے ہیں جو پہلے سے بعض ارکان نے قائم کر رکھے ہیں۔

عوام سے ربط قائم کرنے کے لئے بہترین صورت وہی ہے جو میں نے تعلیم بالغاں کی شکل میں پیش کی ہے۔ رہا دیہات میں کام کرنے کا سوال تو اس کے متعلق میں اس سے پہلے کئی مواقع پر کہہ بھی چکا ہوں اور لکھ بھی چکا ہوں کہ یہ کام صرف ان لوگوں کو کرنا چاہیئے جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اس سے زیادہ قیمتی کام نہ کر سکتے ہوں۔ ہر کس و ناکس کا اٹھ کر سیدھا دیہات کا رخ کرنا محض ایک نادانی ہے اور وقت کی چلتی ہوئی رَو کے پیچھے دوڑنا۔ اسی طرح جو شخص دیہات میں چکر لگانے سے بدرجہا قیمتی کام کسی دوسری شکل میں کر سکتا ہو اس کا محض اس لئے دیہات کی طرف رخ کرنا کہ آج کل اس کام نے کچھ قبولیت عام حاصل کر لی ہے اپنی قوتوں کا بے جا استعمال ہے اور اس پر خدا کے ہاں اجر ملنے کے بجائے بازپرس ہونے کا خطرہ ہے۔ البتہ جو لوگ دیہاتی آبادی سے خطاب کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور جن کو اس کام سے پیدائشی مناسبت ہے انہیں اس طرف ضرور

توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن اس کے لئے صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ ایک پارٹی اٹھے اور چند روز کے اندر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک بہت سے دیہات کا چکر لگا کر آجائے۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک گاؤں کو انتخاب کیجئے اور اس میں ایک کافی مدت تک مسلسل کام کرتے رہیئے۔ یہاں تک کہ چند آدمی وہاں آپ کے پختہ ہم خیال، اخلاقی حیثیت سے کافی حد تک تبدیل شدہ اور ہماری تحریک کے کارکن بننے کے لئے موزوں تیار ہو جائیں، پھر ان کو خود ان کی بستی میں اصلاح و دعوت کا کام اسی طریقے پر کرنے کے لئے استعمال کیجئے۔

نوٹ:۔ تعلیم بالغاں کے لئے نصاب مرتب کرنے اور ملک کے دوسرے اداروں کے مرتب کردہ نصابوں میں سے مفید چیزیں انتخاب کرنے کی خدمت محمد شفیع صاحب ۲۹۔ احاطہ احسان علی۔ غازی آباد۔ اور سید نقی علی صاحب دار الاسلام، پٹھان کوٹ نے اپنے ذمہ لی۔

بعض مقامات پر ذیلی مراکز قائم کرنے کی تجویزیں۔

امیر جماعت

اگر ابھی کچھ مدت ذیلی مرکزوں کو ملتوی رکھا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس لئے کہ سر دست ہمیں اپنی جماعت کی تمام قوت اور اپنے سارے وسائل اور مردانِ کار جمع کر کے اصل مرکز کو طاقتور بنا لینا چاہیئے، پھر جتنے بھی ذیلی مرکز ملک کے مختلف گوشوں میں بنیں گے انشاء اللہ وہ ہمارے لئے مفید ثابت ہوں گے اور ان سے مرکز کو اور مرکز سے ان کو تقویت پہنچے

گی۔ لیکن اگر اس وقت ہمارے ارکان اور ہماری بیرونی جماعتیں ذیلی مراکز بنانے کی طرف توجہ کریں گی تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری قوتیں منتشر ہو جائیں گی، نہ اصل مرکز ہی بن سکے گا اور نہ ذیلی مراکز ہی کوئی مفید صورت اختیار کر سکیں گے۔ اس سے میرا یہ مدعا نہیں ہے کہ آپ لوگ جہاں جہاں ذیلی مراکز قائم کرنے کے امکانات اور مواقع پاتے ہیں ان پر غور کرنا بھی چھوڑ دیں۔ بہتر ہے کہ تمام پہلو آپ کے سامنے رہیں اور جب ذیلی مراکز قائم کرنے کا موقع آئے تو سوچی سمجھی سکیمیں آپ کے پاس تیار ہوں۔

مرکز کسی مرکزی جگہ پر ہونا چاہیئے۔

امیر جماعت

مرکزی جگہ تو وہی ہوتی ہے جہاں مرکز ہو۔ اب اس سوال کو چھوڑ ہی دیا جائے تو بہتر ہے۔ جب ایک مرتبہ سر جوڑ کر ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہمیں یہیں بیٹھ کر کام کرنا ہے تو اس سوال کو بار بار اٹھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں تجربے سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اکثر اس قسم کی تجویزیں محض خواہش کی شکل میں آئی ہیں حالانکہ خواہش میں نہ آدمی رہ سکتے ہیں نہ بک ڈپو رکھا جا سکتا ہے اور نہ پریس نصب کیا جا سکتا ہے۔ ان چیزوں کے لئے تو جگہ اور مکانات چاہئیں۔ وہ یہاں کسی نہ کسی حد تک موجود تو ہیں۔

عورتوں میں ترقی تحریک کی عملی اسکیم بنائی جائے اور

اس کے لئے ہدایات دی جائیں ۔

امیرِ جماعت

فی الواقع ہمارے لئے یہ سوال بہت اہم ہے کہ عورتوں کو کس طرح اپنے ساتھ لیں ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک عورتیں ہمارے ساتھ نہ ہوں پچاس فی صدی آبادی مستقل طور پر ہم سے غیر متعلق رہے گی اور وہ پچاس فی صدی آبادی بھی وہ ہوگی جس کی گود میں بقیہ پچاس فی صدی آبادی تیار ہوتی ہے ۔ لہٰذا ہماری تحریک کی ترقی کیلئے عورتوں کا اس میں شامل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا شامل ہونا لیکن ہمارے لئے کام اتنا سہل نہیں ہے جتنا دوسری تحریکوں کے لئے ہے دوسری تحریکیں تو عورتوں کو آزادی کا سبق پڑھا کر گھروں سے باہر نکال لاتی ہیں اور انہیں مردوں کے دوش بدوش دوڑ دھوپ کرنے کے لئے تیار کر لیتی ہیں ۔ لیکن ہمیں جو کچھ کرنا ہے اسلامی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ان حدود کے اندر کرنا ہے جو شریعت نے مقرر کئے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو بحالت موجودہ اس معاملے میں مشکلات سے سابقہ پیش آرہا ہے ۔ سردست میرے نزدیک عورتوں میں اس تحریک کو پھیلانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ ہمارے رفقاء اور ہمدرد خود اپنی ماؤں اور بہنوں بیٹیوں اور اپنے خاندان کی دوسری خواتین میں اپنے خیالات پھیلائیں اپنے عملی اخلاق سے ان کو متاثر کریں ۔ ان میں جو تعلیم یافتہ ہوں ان کو لٹریچر پڑھوائیں ۔ اور جو تعلیم یافتہ نہ ہوں ان کو خود تعلیم دیں ۔ اس طرح جب ایک کافی مدت تک کوشش

کی جائے گی اور اس کے نتیجے میں جب عورتوں کی ایک کافی تعداد ہماری ہم خیال بن جائے گی۔ تب یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ خود عورتوں ہی میں ایسی کارکن خواتین ہمیں مل جائیں گی، جو دوسرے گھروں تک ہمارے خیالات اور اخلاقی اثرات پھیلا سکیں گی۔ لیکن اس معاملے میں خاص طور پر یہ احتیاط ملحوظ رکھی جائے، کہ ارکانِ جماعت اپنی بیویوں کو صرف اس وجہ سے جماعت میں داخل نہ کرلیں کہ وہ ان کی بیویاں ہیں۔ اس تحریک کے معاملے میں شوہرانہ قوامیت کا استعمال صحیح نہیں ہے ورنہ اس طرح بہت سی بیویاں محض اپنے شوہروں کی تابع مہمل بنی ہوئی جماعت میں آ جائیں گی بغیر اس کے کہ ان کے خیالات اور ان کی زندگی میں کوئی واقعی تبدیلی ہو۔ آپ اپنے گھروں میں اسی طرح تبلیغ کیجئے جس طرح باہر کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ مسلسل کوشش کرتے رہیئے کہ آپ کی بیویاں اور آپ کے خاندان کی دوسری خواتین کے خیالات انداز فکر، نقطۂ نظر اور اخلاق میں وہ حقیقی تبدیلی رونما ہو جو اس جماعت کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے۔ جس طرح ہم اس تبدیلی کے بغیر اور پختگی کا ثبوت ملے بغیر مردوں کو جماعت میں شامل نہیں کر سکتے اسی طرح عورتوں کو بھی شامل نہیں کرنا چاہیئے۔

طاغوتی نظام اور غیر شرعی وسائل معاش سے علیحدہ ہونے والے اشخاص کی اعانت کا انتظام۔

امیر جماعت

اس میں شک نہیں کہ جو لوگ ہمارے عقیدہ و مسلک کو قبول کر کے

ان وسائل معاش کو چھوڑتے ہیں جو دین کے خلاف ہیں انہیں دوسرے مناسب تر وسائل فراہم کرنے میں جس حد تک بھی ہم مدد دے سکتے ہیں ہمیں دینی چاہیئے لیکن یہ اعانت صرف شخصی طور پر ہمارے اخلاقی فرائض میں داخل ہے۔ اسے کوئی جماعتی پروگرام بنانا اور جماعت کے اوپر یہ ذمہ داری عائد کرنا کہ اس کا انتظام کرے اصولاً صحیح نہیں ہے۔ جماعت اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی کہ لوگوں کے سامنے حق اور باطل کا فرق واضح کردے اور ان کے اندر حرام وحلال کی تمیز پیدا کردے۔ اس کے بعد جو لوگ حق کو حق تسلیم کریں اور باطل سے علیحدہ ہونا چاہیں نیز حرام کو حرام جان کر اسے چھوڑنا اور حلال کو اختیار کرنا چاہیں، ان کا خود یہ اپنا کام ہے کہ وہ اپنے لئے جائز طریق معاش تلاش کریں اور اپنی زندگی کو ناجائز الائشوں سے پاک کریں۔ اگر کوئی اخلاق صالح کی دعوت دینے والی جماعت لوگوں کو بدکاری چھوڑ کر نکاح کا مشورہ دیتی ہے تو اس کے اوپر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ایک شادی ایجنسی کھولے۔ اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ دین حق کی دعوت دینے والی جماعت پر صرف اس لئے معیشت کے انتظام کی ذمہ داری ڈالی جائے کہ وہ لوگوں کو حرام ذرائع چھوڑنے اور حلال ذرائع اختیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ البتہ ایسی جماعت کے افراد پر اخلاقی فرض ضرور عائد ہوتا ہے کہ جہاں وہ خود حرام ذرائع سے بچنے اور حلال ذرائع اپنے لئے فراہم کرنے کی سعی کرتے ہیں اس کے ساتھ دوسرے ایسے لوگوں کی مدد بھی کریں جو اسی کی طرح اس غرض کے

لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں۔ جماعتی حیثیت سے جو کچھ زیادہ سے زیادہ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اتنا ہے کہ چھوٹی چھوٹی صنعتوں اور مختلف تجارتی کاموں کے متعلق اگر کچھ معلومات ہمارے پاس موجود ہوں تو وہ ہم ایسے لوگوں کو فراہم کر دیں جو موجودہ ناپاک نظامِ معاشی میں کوئی نسبتاً پاک کام کرنا چاہتے ہوں۔ اسی طرح ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ مختلف ارکانِ جماعت جو کسی صنعتی یا تجارتی سکیم کو چلانا چاہتے ہوں وہ اگر ہمیں اپنی تجویزوں سے باخبر رکھیں تو ہم دوسرے ارکان کے ساتھ ان کا تعلق قائم کرنے کی کوشش کریں۔

مشائخ کیلئے خصوصی دعوت کا انتظام

سجادہ نشینوں اور پیروں کو اس تحریک کی طرف دعوت دینے کے لئے کوئی خاص قدم اٹھایا جائے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک شخص کی شرکت بھی کئی ہزار آدمیوں کی شرکت کے ہم معنی ہے۔

امیرِ جماعت

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک میں یہ طبقہ بہت زیادہ بااثر ہے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اس سے وابستہ ہیں۔ لیکن اس میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو واقعی صاحبِ خیر، خدا ترس اور حق پسند ہیں۔ اکثریت اس طبقے میں ایسے لوگوں کی ہے جن سے زیادہ خدا سے پھرے ہوئے لوگ غالباً دنیا میں نہیں ملیں گے۔ انہوں نے حق کے لئے صرف اپنے ہی کان نہیں بند کر رکھے ہیں بلکہ اپنے مریدوں

اور معتقدوں کے کانوں اور دلوں پر بھی مہریں لگا رکھی ہیں۔ انہیں دعوت دینے کا فائدہ یہ تو نہ ہوگا کہ وہ حق کی آواز پر لبیک کہیں گے اور اپنی نیم خدائی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں گے البتہ اس کا یہ نتیجہ ضرور ہوگا۔ کہ ہم بھڑوں کے چھتے میں خود پتھر پھینک پھینک کر ان کو کاٹنے پر اکسائیں گے بجائے اس کے کہ آپ ان حضرات کو خطاب کریں آپ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے معتقدین کے حلقوں میں صحیح دینی خیالات پھیلائیں اور ان کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تبلیغ میں احتیاط سے کام لیں۔ ان پیروں کا طلسم تو بہر حال ٹوٹنا چاہیئے، ہمارے ہاتھ سے نہ ٹوٹے گا تو اشتراکیت کے ہاتھوں ٹوٹ کر رہے گا، مگر ہماری دعا یہ ہے کہ یہ ہمارے ہاتھ سے ٹوٹے کیونکہ اگر اشتراکیت کے ہاتھ سے یہ ٹوٹا تو ان پیریوں کے ساتھ ساتھ دین بھی ٹوٹ جائے گا۔

امیر جماعت ایک وفد لے کر ملک میں تبلیغی دورہ کریں۔

امیرِ جماعت

یہ تجویز بہت پہلے سے زیرِ غور تھی لیکن اول تو مرکز کے کاموں کا بار مجھ پر بہت زیادہ ہے پھر کچھ عرصے سے میری صحت بھی مسلسل خراب رہی ہے اس لئے اب تک اس پر عمل نہ ہو سکا۔ میں اس کا منتظر ہوں کہ مرکز کا کام اس حد تک منظم ہو جائے کہ میرے بغیر بھی چلتا رہ سکے اور میری صحت بھی کچھ درست ہو جائے تو انشاء اللہ ملک کے مختلف حصوں میں جانے کی کوشش کروں گا۔

عوام میں کام کرنے کے لئے مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم کے طریقِ تبلیغ کو اختیار کیا جائے۔

امیرِ جماعت

اس کے متعلق میں اپنے خیالات ابتدائی تقریروں میں پیش کر چکا ہوں۔ میں مولانا مرحوم کے طریقِ کار کی مذمت نہیں کرنا چاہتا۔ جو لوگ ان کے طریقِ کار پر مطمئن ہوں وہ ان کے کارکنوں میں شامل ہو کر کام کر سکتے ہیں، اور بہر حال یہ بھی ایک کارِ خیر ہوگا، مگر میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا کہ اس جماعت کے لئے کام کا جو طرز میں نے اختیار کیا ہے اس کے ساتھ دوسرے طریقوں کا جوڑ لگانے کی کوشش کی جائے۔ میں نے جس حد تک ان کے طرزِ تبلیغ سے واقفیت بہم پہنچائی ہے میں اس پر مطمئن نہیں ہوں اور جس قسم کا کلی انقلاب ہمارے پیشِ نظر ہے اس کے لئے وہ طریقہ کچھ بھی مددگار نہیں ہو سکتا۔

تمام علمائے ہند کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ دعوت پیش کی جائے۔

امیرِ جماعت

یہ ایک خیالی تجویز ہے جسے کوئی ایسا شخص قابلِ عمل نہیں سمجھ سکتا جس کو ان معاملات کے متعلق کوئی عملی تجربہ ہو۔ آپ لوگوں میں سے کوئی شخص بطورِ خود یہ تجربہ کرنا چاہے تو میں اسے روکتا نہیں، لیکن میں خود اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ یہ بات کسی نفسانیت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس

کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس کو لاحاصل سمجھتا ہوں اور اس سے کسی مفید نتیجے کی مجھے توقع نہیں ہے۔ جہاں تک دعوت کے پہنچنے کا تعلق ہے مجھے یہ معلوم ہے کہ اس ملک کے علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کے بیشتر لوگوں تک یہ پہنچ چکی ہے۔ اگر کوئی صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو جائے تو وہ بغیر اس کے بھی اس پر لبیک کہہ سکتا ہے کہ کوئی اس کے پاس جاکر بالمشافہ دعوت دے اہل حق سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کہیں سے حق کی پکار سننے اور یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ یہ واقعی حق کی پکار ہے، صرف اس لئے اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے کہ خاص طور سے ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صدا انہیں لگائی گئی ہے۔

جماعت میں جو علماء ہیں وہ اپنے گرد وپیش کے علاقے کی مقامی جماعتوں میں دورہ کرکے انہیں زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔

امیر جماعت

یہ فی الواقع ایک قابل توجہ تجویز ہے۔ جو علماء اس جماعت میں شامل ہوئے ہیں انہیں خود اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنا چاہیئے اور اپنے وقت کا کچھ حصہ اس کام کے لئے ہمیشہ نکالتے رہنا چاہیئے کہ اپنے آس پاس کے علاقوں میں دورہ کرکے مقامی جماعتوں کو حرکت بھی دیتے رہیں اور ارکان کی اخلاقی اور دینی حالت کو بھی بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن میں اس قسم کے کام حکم سے کرانے کے بجائے رضا کارانہ کرانا چاہتا ہوں۔

بہترین خدمت وہی ہوتی ہے جو انسان اپنے دلی جذبہ اور احساس ذمہ داری کی تحریک سے کرتا ہے۔ میری تمام تر کوشش یہی ہے کہ لوگوں کو رضاکارانہ خدمت پر اکساؤں اور ان میں اتنا احساس ذمہ داری پیدا کروں کہ وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا خود جائزہ لیں اور خود ان کو اللہ کے دین کے کام میں زیادہ سے زیادہ بہتر طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش کریں۔

دعوت و تبلیغ کے کام کو بیرونِ ہند تک وسیع کرنے کی کوشش کی جائے۔

امیرِ جماعت

یہ چیز بھی ابتدا سے ہمارے پیشِ نظر تھی اور اگر جنگی مواقع پیش نہ آ جاتے تو اب تک اس سلسلے میں بھی ہم کچھ نہ کچھ ضرور پیش قدمی کرتے۔ سردست ہم نے دار العروبہ اسی غرض کے لئے قائم کیا ہے کہ عربی زبان میں لٹریچر تیار کریں اور اسے عربی ممالک میں پہنچانے کی کوشش کریں۔ جنگی رکاوٹیں ختم ہو جانے کے بعد انشاء اللہ ہم عربی لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیں گے اور عربی میں ایک ماہوار رسالہ بھی جاری کریں گے۔ پھر میرا ارادہ یہ بھی ہے کہ جب عربی میں کچھ لٹریچر تیار ہو جائے تو جماعت کا ایک وفد لے کر خود حج کو جاؤں اور وہاں مختلف ممالک کے آئے ہوئے زائرین تک اس دعوت کو پہنچانے کی کوشش کروں۔ اس طرح توقع ہے کہ ہمیں بیرونی ممالک کے کچھ اچھے آدمیوں سے شخصی تعلقات قائم کرنے

کا موقع بھی مل جائے گا۔ اور زیادہ وسیع پیمانے پر کام کرنے کی راہ کھل سکے گی۔ اس کے علاوہ ہم انگریزی کو بھی ذریعہ اشاعت بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں تاکہ ایک بین الاقوامی زبان ہماری دعوت کا آلہ کار بن سکے۔

جماعت کے مکتبے میں خود جماعتی لٹریچر کے علاوہ دوسرا صالح لٹریچر بھی بہم پہنچایا جائے۔

امیر جماعت

یہ تجویز دہلی کے اجتماع میں ہمارے سامنے آئی تھی اور اس وقت مولانا مسعود عالم صاحب کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ اردو لٹریچر میں سے ایسی کتابوں کو چھانٹنے کی کوشش کریں جن میں صحیح دینی نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہو اور جو ہمارے مقصد کے لحاظ سے صالح لٹریچر کی تعریف میں آتی ہوں۔ اس سلسلے میں انہوں نے کافی محنت کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اردو زبان اس لحاظ سے بہت غریب ہے۔ ایک مدت سے صحیح دینی تصور ناپید ہے اس لئے جو بہتر سے بہتر لٹریچر بھی موجود ہے اس میں غیر محسوس طور پر ایسی چیزیں آگئی ہیں جو پڑھنے والوں کی غلط راہنمائی کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہم دوسری کتابوں کی اشاعت اپنے مکتبے کے ذریعے سے کرنے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ جب تک ہماری دعوت و تبلیغ کا سلسلہ [illegible] اتنا وسیع نہیں ہو جاتا کہ ملک کے اہل علم اور اہل قلم عام طور پر اس سے متاثر ہو جائیں، یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ صحیح قسم کا

اسلامی لٹریچر بہم پہنچ سکے گا۔ تاہم جو ایک مختصر سی فہرست مولانا مسعود عالم صاحب نے بتائی ہے اس کے مطابق کتابیں فراہم کرنے کی اہم کوشش کریں گے۔

درسگاہوں کیلئے نصاب

ہماری درسگاہوں کے لئے جو نصاب تیار ہو اسے جلدی سے جلدی شائع کرنے کی طرف توجہ کی جائے۔

امیر جماعت

یہ تجویز ہمارے پیشِ نظر ہے لیکن نصاب تیار ہونے کے بعد یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اشاعت کے قابل کب ہو سکے گا ہماری دونوں درسگاہوں کے منتظمین یعنی مولانا امین احسن صاحب اور غازی محمد عبدالجبار صاحب کا کام ہے۔ سردست یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ نصاب تیار ہوتے ہی فوراً اسے شائع نہ کیا جائے بلکہ عملاً جب ہم اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ جو نتائج ہمیں اس سے مطلوب ہیں وہ حاصل ہو رہے ہیں اس وقت اسے پبلک میں پیش کیا جائے۔

درسگاہوں میں عام داخلہ

زیر تجویز درسگاہوں کے داخلے میں یہ شرط جو عائد کی گئی ہے کہ طلباء کے والدین ہمارے مقصد اور نقطۂ نظر سے نہ صرف متفق ہوں بلکہ اپنے بچوں کو اس نصب العین کے لئے دے دینے کا وعدہ کریں جو ہمارے پیشِ نظر ہے، اسے اڑا دیا جائے اور داخلے کو عام طلباء کے لئے کھلا

رکھا جائے تاکہ ایک کثیر تعداد ہماری درسگاہوں میں آسکے اور ہمیں ان کے ذہن اور اخلاق پر اثر ڈالنے کا موقع مل سکے۔

امیر جماعت

یہ شرط بہت غور وخوض کے بعد عائد کی گئی ہے اور اسے طے کرتے وقت تمام پہلوؤں پر اچھی طرح نظر ڈال لی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بظاہر یہ بات بہت وزنی معلوم ہوتی ہے کہ ہر قسم کے طلبار کو ہم اپنی درسگاہ میں آنے دیں اور اپنی تعلیم وتربیت کے اثر سے ان کو اس حد تک متاثر کرلیں کہ وہ اعتقاداً وعملاً ہمارے ہی ہم مسلک ہوجائیں۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس طریقے سے ہم کچھ زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکیں گے اور جتنا فائدہ اٹھا سکیں گے اس کی بہ نسبت ہمیں اپنے وقت اور قوتوں کے ضیاع کا نقصان زیادہ پہنچے گا۔ آج کل عام طور پر لوگ جس غرض کے لئے اپنے بچوں کو پڑھوا رہے ہیں وہ صرف معاشی غرض ہوتی ہے۔ ان کو دین سے اگر کوئی دلچسپی ہوتی بھی ہے تو وہ صرف اس قدر کہ ان کے بچے نماز روزے کے بھی کچھ پابند ہوجائیں اور دینیات سے کچھ واقفیت بھی بہم پہنچالیں۔ اس سے آگے بڑھ کر وہ ایسی کسی دینداری کے مشکل ہی سے قائل ہوتے ہیں جو ان کے بچوں کی دنیا بنانے میں، خواہ وہ دنیا کیسے ہی ناپاک طریقوں سے بنا کرتی ہو، مانع ہوجائے۔ اس قسم کے لوگ اگر اپنے بچوں کو ہماری درسگاہ میں بھیجیں گے تو ان کے پیش نظر یہ ہوگا کہ یہاں ہماری محنتوں سے فائدہ اٹھا کر وہ انہیں ابتدائی چند جماعتوں

تک عام مدارس سے کچھ بہتر تعلیم دلوالیں۔ اس کے بعد وہ انہیں یہاں سے نکال کر سرکاری درسگاہوں میں داخل کریں گے، امتحان دلوائیں گے اور کم یا زیادہ تنخواہوں کے عوض طاغوت کے ہاتھ بیچ ڈالیں گے۔ طلبہ کا ایک بڑا حصہ ہماری تعلیم و تربیت سے متاثر ہونے کے باوجود والدین کے دباؤ سے مجبور ہو کر اسی راہ پر چلا جائے گا اور بہت کم طالب علم شاید بمشکل پانچ فی صدی ایسے مضبوط نکلیں گے کہ ہمارے نصب العین کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں اور والدین کے دباؤ کو قبول کر کے کسی غلط راہ پر نہ جائیں۔ سوال یہ ہے کہ ان پانچ فی صد کو حاصل کرنے کی خاطر ہم ایسے ۹۵ فی صد لڑکوں پر اپنی قوت اور اپنی محنت کیوں صرف کریں جو دین کے کام نہیں بلکہ طاغوت کے کام آنے کے لئے پرورش کئے جا رہے ہوں۔ پھر عملاً جس جس طریقے سے ان پچانوے فی صد طلبہ کو راہِ راست سے ہٹانے کی کوششیں کی جائیں گی، جس طرح ان پر دباؤ ڈالے جائیں گے، ان کو گھر سے نکالنے اور ان کے خرچ بند کرنے کی دھمکیاں دی جائیں گی، خود ان کے اپنے بھائی بند اور ان کے والدین جس طرح انہیں تنگ کریں گے اور ستائیں گے، اور پھر اچھے اچھے نیک طبع اور بلند ارادے رکھنے والے طلبا، بالآخر جس طرح شکست کھا کھا کر پسپا ہوں گے اور اپنے پاکیزہ ارادوں کو طلاق دیں گے، اس کا بہت برا اثر دوسرے طلبا پر پڑے گا۔ اور ان مسلسل پسپائیوں کی بری مثالیں دوسرے طلبا کی اخلاقی قوت کو بھی کمزور کر دیں گی پس ہم اپنی درسگاہ کو اور اس کے ماحول کو اس

دائمی خطرے میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتے ہم چاہتے ہیں کہ ابتدا ہی سے صرف وہ لوگ اپنے بچوں کو ہمارے ہاں بھیجیں جنہیں معلوم ہو کہ ہم کس غرض کے لئے ان لڑکوں کو تیار کرنا چاہتے ہیں اور وہ خود بھی اسی غرض کے لئے ان کو تیار کرانا چاہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے بچے خواہ وہ کتنے ہی کم تعداد میں کیوں نہ ہوں پوری طرح ہمارے مطلب کے ہوں گے اور ہمارے مقصد کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اس طرح ہمیں طلبار کی کوئی بہت بڑی تعداد نہ مل سکے، لیکن ہمیں اس کی پروا نہیں ہے۔ اگر پانچ ایکڑ زمین آپ کو ایسی ملے جو پورے اطمینان کے ساتھ آپ کی ہو تو اس میں کاشت کرنا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ہزاروں ایکڑ زمین آپ کو ملے مگر ہر وقت اندیشہ ہو کہ اس کا بہت بڑا حصہ آپ کی تیار کی ہوئی ہری بھری فصل سمیت آپ سے چھین لیا جائے گا لیکن یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اس غرض کے لئے اپنے بچوں کو دینے والے بہت کم ہوں گے۔ اتنے کم کہ کوئی درسگاہ ان سے نہ چلائی جاسکے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اس ملک میں ایسے لوگ کافی تعداد میں موجود ہیں جو اپنے بچوں کو خدا کے لئے وقف کرنے پر تیار ہوں گے اور اس کی پرواہ نہ کریں گے کہ ان کے بچوں کی دنیا بنے گی یا نہیں۔

ہماری اس شرط سے ایسے طلبار مستثنےٰ ہوں گے جو دین کے معاملہ میں اپنے والدین سے بغاوت کر کے آئیں اور اپنی عاقبت کو والدین

کی مرضی کے مطابق چل کر خراب کر لینے پر تیار نہ ہوں صرف یہی ایک معاملہ ایسا ہے جس میں والدین سے بغاوت کرنا جائز ہی نہیں بعض اوقات فرض ہو جاتا ہے، اور ایسے طلبا پر ہم یہ لازم نہ کریں گے کہ وہ اپنے والدین کی رضامندی حاصل کر کے آئیں۔

ترجمان القرآن اور کوثر کو ہر رکن لازماً خریدے۔

امیرِ جماعت

شائد یہ بات آپ کے پیشِ نظر نہیں ہے کہ آپ ہندوستان میں رہتے ہیں جہاں کی اخلاقی حالت یہ ہے کہ انتہائی بے غرضانہ کام کرنے کے بعد بھی کوئی شخص غرض مندی کے الزامات اور بدگمانیوں سے معاف نہیں رکھا جاتا۔ اس وقت تک جس احتیاط کے ساتھ ہم کام کرتے رہے ہیں اس کے باوجود ہم کو کتب فروش اور تاجر کے الفاظ سے اکثر نوازا جاتا رہتا ہے محض اس لئے کہ کتابیں تو بہرحال ہمارے بک ڈپو میں بکتی ہی ہیں۔ اب کیا ان الزامات کو واقعی ہم پر چسپاں ہی کر دینا چاہتے ہیں؟ براہِ کرم اس قسم کی تجویزیں نہ زبان پر لائیے نہ دل میں سوچئے۔ ترجمان القرآن اور کوثر دونوں کے معاملے میں جماعت کے لوگوں کو بالکل آزادی رہنی چاہیئے۔ کہ چاہیں ان کو خریدیں یا نہ خریدیں۔ خریداری کو لازماً کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ جماعت کے کاموں سے اور جماعتی افکار سے باخبر رہنے کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہے، مگر اس کے لئے کسی خریدار سے لے کر پڑھ لینا بھی کافی ہو سکتا ہے۔

ہر رکن اپنی زکوٰۃ بیت المال ہی میں داخل کیا کرے۔

امیرِ جماعت

اس کے متعلق میں رپورٹوں پر تبصرے کے سلسلے میں ہدایات دے چکا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اب اس سلسلے میں احکام کی پوری پابندی کی جائے گی۔

ہر رکن اپنی آمد و خرچ کا حساب اپنی مقامی جماعت کے امیر کے سامنے پیش کیا کرے۔

امیرِ جماعت

یہ مطالبہ ہم از روئے شرع اپنے ارکان سے نہیں کر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔

ہر رکن یومیہ چار آنے بیت المال کے لئے بچائے۔

امیرِ جماعت

چونکہ از روئے شریعت ہمیں ایسی پابندیاں عائد کرنے کا حق نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے سوا کسی قسم کے انفاق کو لازم نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم بھی ایسی کوئی پابندی اپنی جماعت میں عائد نہیں کر سکتے در حقیقت انفاق فی سبیل اللہ کا اصل فائدہ ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ اگر اسے لازم کر دیا جائے۔ جس حد تک اجتماعی ضروریات کے لئے ناگزیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب استطاعت آدمی پر خود ہی انفاق لازم کر دیا۔ اس کے بعد یہ بات ہر شخص

کے تعلق باللہ اور اس کی طلب خیرات وحسنات اور دینِ حق کے ساتھ اس کے قلبی لگاؤ پر چھوڑ دی گئی ہے۔ کہ جتنا وہ قوی ہو، اتنا ہی زیادہ آدمی اپنے دلی جذبے سے انفاق کرے اور جتنا وہ کمزور ہو اسی قدر اس سے انفاق کا بھی کم ظہور ہو۔ یہ بات شریعت کے اصول میں سے ہے کہ بہت کم نیکیوں کا مطالبہ از روئے قانون آدمی سے کیا گیا ہے اور بہت زیادہ نیکیاں قانونی مطالبے کی حدود سے باہر رکھی گئی ہیں تاکہ انسان رضاکارانہ طریق پر انہیں اختیار کرے۔ دنیا میں انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی اور آخرت میں اللہ کے ہاں اس کی مقبولیت کا تو سارا انحصار ہی رضاکارانہ نیکی پر ہے۔ اس نکتے کو اگر آپ لوگ ذہن نشین رکھیں تو ایسی تجویزیں سوچنے کے بجائے اپنی توجہ خود اپنے اندر بھی اور اپنے رفقا کے اندر بھی اس جذبے کو ابھارنے اور نشوونما دینے پر صرف کریں گے جس کی تحریک سے انسان خدا کے لئے اور اس کے دین کے لئے اپنے وقت، مال اور قوتوں کی قربانی کیا کرتا ہے۔

جماعت میں جو لوگ اہلِ ہنر ہیں وہ اپنے دوسرے رفقا کو ہنر سکھائیں اور جو ذی استطاعت ارکان ہیں وہ غریب ارکان کو اپنے ہاں ملازم رکھیں۔

امیرِ جماعت

اس قسم کی چیزوں کو مستقل تجاویز بنانے سے ہمیں خطرہ یہ ہے کہ ہم اپنے اصل نصب العین اور اس کی جدوجہد سے ہٹ کر چھوٹی چھوٹی

چیزوں میں لگ جائیں گے اور یہ چیزیں ہمارا اصل پروگرام بنتی چلی جائیں گی۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ایسی تجویزوں کو اجتماعات میں لایا جائے اس امر کی کوشش ہونی چاہیئے کہ ارکانِ جماعت میں خود یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے کہ جو شخص جس جس طرح اپنے بھائیوں کے کام آسکتا ہو اس میں ذرہ برابر دریغ نہ کرے۔

اشاعت لٹریچر کیلئے اشتہارات

لٹریچر کی اشاعت کے لئے اخبارات و رسائل میں اشتہارات دیئے جائیں اور ملک میں جو مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے اجتماعات ہوتے ہیں ان میں اپنی کتابوں کے سٹال لگائے جائیں۔

امیرِ جماعت

اشتہارات کے متعلق ہمارا تجربہ یہ ہے کہ جس اخبار یا رسالے نے اپنے مخصوص طرزِ خیال کا ایک حلقہ پیدا کر لیا ہے اس کے حلقۂ اشاعت میں انہی چیزوں کی مانگ پیدا ہو سکتی ہے جو اس کے طرزِ خیال سے کچھ نہ کچھ مناسبت رکھتی ہوں۔ اگر ہم اپنی مطبوعات کا اشتہار ایسے اخبارات اور رسائل میں دیں جو پبلک کے ذہن سے کسی اور ہی طرح کا اپیل کر رہے ہوں تو ان کے حلقوں میں سے اتنی مانگ آنے کی امید نہیں ہے جس سے اشتہار کا خرچ بھی نکل سکے۔ اس لئے ہم کو صبر کے ساتھ اپنی ہی کوشش سے اپنے حلقۂ اشاعت کو وسیع کرنے پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ ہمارا لٹریچر اللہ کے فضل سے خود اپنی جگہ پیدا کر رہا ہے اور اپنی ذاتی کشش

سے روز بروز زیادہ آدمیوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اگر ہمارے ارکان اور ہمارے خیالات سے دلچسپی اور ہمدردی رکھنے والے لوگ بھی مسلسل سعی کرتے رہیں تو انشاءاللہ ہمیں اشتہار کی ضرورت کبھی محسوس نہ ہوگی۔

کانفرنسوں میں اسٹال لگانے کے لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ جس علاقے میں کوئی کانفرنس منعقد ہو رہی ہو اسی حلقے یا اس کے قریب کے حلقے کی کوئی مقامی جماعت وہاں اسٹال لگالیا کرے۔ مرکزی مکتبے کے وقار سے یہ بات فروتر ہے کہ یہاں سے ہمارے آدمی ہر جلسے میں کتابیں لے کر پہنچ جایا کریں۔

ترجمان القرآن کے مضامین کی اشاعت

ترجمان القرآن کے وہ بہت سے سابق مضامین جو ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئے ہیں ان کی اشاعت کی طرف توجہ کی جائے۔ نیز اب تک جو اعتراضات اور سوالات اس تحریک پر کئے گئے ہیں اور ان کے جو جوابات ترجمان القرآن میں دیئے جاتے رہے ہیں ان کو بھی یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔

امیر جماعت

تجویز کے حصہ اوّل کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اگر جنگی حالات کی وجہ سے اشاعت کی راہ میں مشکلات نہ پیدا ہو جاتیں تو یہ کام بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔ ہم منتظر ہیں کہ کاغذ پر سے پابندیاں کچھ کم ہو جائیں تو جلدی سے

جلدی وہ تمام چیزیں شائع کردی جائیں جو اس وقت تک رُکی ہوئی ہیں۔

دوسرے حصے کے متعلق میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بہت دنوں سے مجھے خود اس کی ضرورت کا احساس ہے، مگر کارکنوں کی کمی کی وجہ سے مطلوبہ مجموعہ مرتب نہیں کیا جاسکا۔ اگر کوئی صاحب ہمت کرکے پچھلے چار پانچ سال کے رسالوں میں سے اعتراضات و جوابات کو چھانٹ لیں اور انہیں یکجا نقل کرکے میرے پاس بھیج دیں تو اس کو ترتیب دینا میرے لئے آسان ہوجائے گا اور میں کوشش کرونگا کہ اب تک جو اعتراضات مجھ تک زبانی پہنچے ہیں اور ان کے جو جوابات میں نے دیئے ہیں انہیں بھی قلمبند کردوں۔ توقع ہے کہ یہ چیز ہماری تحریک کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔

تفہیم القرآن کی الگ الگ سورتوں کو رسالوں کی شکل میں شائع کردیا جائے۔

امیرِ جماعت

اس وقت تک رسالے میں تفہیم القرآن کے جو حصے شائع کئے جاتے رہے ہیں وہ صرف اہلِ علم سے مشورے کے لئے ہیں جب تک میں نظرِ ثانی کرکے یہ اطمینان نہ کرلوں کہ وہ کتابی شکل میں شائع کرنے کے قابل ہے اس وقت تک اس کا کوئی حصہ اشاعت عام کے لئے نہ پیش کیا جائے گا۔ سر دست اگر اس سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہے تو ترجمان القرآن میں شائع شدہ صفحات پر قناعت کرے۔

علوم اسلامیہ کی تدوین جدید اور ممالک اسلامیہ کے حالات کے مطابق اسلامی لٹریچر کی تیاری۔

امیرِ جماعت

تجویز کا حصہ اوّل ہماری اس اسکیم میں شامل ہے جو ایک اکیڈمی کے قیام کے متعلق ہمارے پیشِ نظر ہے۔ حصہ دوئم کو کسی حد تک ہمارا دار العرفہ انشاء اللہ عمل میں لائے گا۔ لیکن یہ بہت مشکل ہے کہ ہم باہر کے مختلف ملکوں کی سیاسی تمدنی، اخلاقی اور ذہنی حالت کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک کے لئے الگ الگ لٹریچر تیار کریں۔ دنیا میں جتنی بھی عالمگیر تحریکیں اُٹھتی ہیں، ہر ایک کی ابتدا کسی ایک علاقے سے ہوتی ہے اور آغاز میں اسی علاقے کے حالات کو سامنے رکھ کر ان اصولوں کو تنقید و تشریح اور عملی انطباق کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جن پر وہ تحریک مبنی ہوتی ہے۔ پھر جب دوسرے ملکوں تک اس تحریک کے اثرات پہنچتے ہیں اور مقامی لوگ ان سے متاثر ہوتے ہیں تو وہ خود ہی اپنے علاقوں کے حالات کی مناسبت سے لٹریچر تیار کرنے لگتے ہیں۔ خود قرآنِ مجید میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ہم بیرونی ممالک کے لئے ان کے حالات کے لحاظ سے الگ الگ لٹریچر تیار کریں یہ زیادہ مناسب اور زیادہ قابلِ عمل ہے کہ ہمارے مرکز سے اسی ملک کے حالات کو جنہیں ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں ملحوظ رکھتے ہوئے لٹریچر تیار ہو اور اسی کو دوسری زبانوں میں منتقل کر دیا جائے۔

ارکان کو فروعی بحثوں سے بچنے اور جزئیات کے غیر معتدل اہتمام سے اجتناب کرنے کی ہدایات دی جائیں۔

امیر جماعت

یہ کام قیام جماعت کی ابتدا سے کیا جا رہا ہے۔ خود دستور میں اس کے متعلق ہدایات موجود ہیں اور میں ہمیشہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس پر زور دیتا رہتا ہوں۔ لیکن باقاعدہ احکام دے کر اس چیز کو روکنے سے فائدے کی نسبت نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے۔ جوں جوں لوگوں کی ذہنیت بدلتی جائے گی اور ان کا پرانا انداز فکر نئے انداز فکر کیلئے جگہ چھوڑتا جائے گا۔ یہ مرض آپ سے آپ بتدریج کم ہوتا چلا جائے گا۔

دستور کی دفعہ ۳ پر سختی سے عمل ہونا چاہیئے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے رکن کو جماعت سے خارج کر دینا چاہیئے۔

امیر جماعت

اس پر ابتدائے قیام جماعت سے عمل ہو رہا ہے۔ بیچ کے دور میں اگر اس معاملے میں کچھ ڈھیل رہی بھی ہے تو وہ صرف شعبہ تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے رہی ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس ارکان کی اخلاقی اور عملی حالت جانچنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ لیکن اب تنظیمی کام باقاعدہ شروع ہو جانے کے بعد سے ہم دستور کو پوری قوت سے نافذ کر رہے ہیں اور جو چیزیں دستور میں لازم ہیں ان کے معاملے میں کسی

کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ مقامی جماعتوں کے امراء کو بھی اس معاملے میں ہمارے ساتھ پورا تعاون کرنا چاہیئے تاکہ جماعت کے نظام میں کوئی کمزوری نہ رہنے پائے۔

طلباء اور عوام سے خطاب

ہر مقامی جماعت اپنے شہر کے طلبہ اور عوام کو ہر ماہ ایک بار ضروری مخاطب کرے۔

امیر جماعت

یہ تجویز اگرچہ مفید ضرور ہے۔ لیکن سردست ہم اس کو اس لئے منظور نہیں کرسکتے کہ متعدد مقامات پر ہماری جماعتوں میں ایسے کارکن موجود نہیں ہیں جن پر عام خطاب کی ذمہ داری ڈالی جا سکے۔ جہاں ایسے ارکان موجود ہوں وہاں کے مقامی امیروں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن عمل شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو وہ عام خطاب کے لئے موزوں پاتے ہوں ان کی اہلیت کا خود بھی پوری طرح امتحان کرلیں اور ہمیں بھی ان کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچا کر یہ اطمینان دلادیں کہ خطاب عام کی ذمہ داری ان پر ڈالنے سے جماعت کی غلط نمایندگی تو نہ ہوگی۔

ان تجاویز کا سلسلہ ساتویں اجلاس تک چلتا رہا۔ اس کے بعد امیر جماعت نے مولانا امین احسن صاحب کو جماعت سے خطاب کرنے کے لئے کہا۔

اجلاس ہفتم

(بتاریخ ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۲ر اپریل ۱۹۴۵ء بعد نماز ظہر)

رپورٹوں پر تبصرہ

از مولانا امین احسن اصلاحی

حاضرین!

آپ کے اس اجتماع میں میرا فرض ایک ناخوش گوار فرض ہے۔ مجھے آپ کی پیش کی ہوئی رپورٹوں پر تبصرہ کرنا، ان کی خامیوں پر متنبہ کرنا اور آیندہ کے لئے آپ کو آپ کی غلطیوں سے ہوشیار کرنا ہے۔ مجھے ان رپورٹوں کے اچھے اور مفید پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ہے اور صرف عیوب پر نظر ڈالنی ہے۔ یہ عیب چینی ممکن ہے آپ میں سے بہتوں کو ناگوار گذرے لیکن مجھے بہرحال یہی فرض ادا کرنا ہے۔ اگرچہ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ امیر جماعت نے مناسب مواقع پر آپ کے کاموں پر تبصرہ بھی کر دیا ہے اور آپ کو ضروری ہدایات بھی دے دی ہیں جس سے میرا کام ایک حد تک ہلکا ہو گیا ہے تاہم بعض باتوں کی طرف مجھے بھی آپ کو متوجہ کرنا ہے۔

رپورٹوں کی ترتیب

میں سب سے پہلے آپ کو رپورٹوں کی ترتیب کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں

رپورٹوں میں غیر متعلق باتیں بالکل نہیں ہونی چاہئیں۔ ان کو مرتب کرتے وقت اس امر کو پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان سے مقصود صرف یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ آپ کس مقام پر ہیں وہاں کے حالات کیا ہیں، جماعت کے مقاصد کے پھیلنے کے امکانات وہاں کس حد تک ہیں، اب تک آپ نے کیا کیا ہے، آیندہ کیا کر سکنے کی توقع ہے، آپ کے رفقار کا کیا حال ہے، ہمدردوں کی ہمدردی کی نوعیت کیا ہے اور مزاحمتیں اور رکاوٹیں وغیرہ کس درجہ اور کس قسم کی ہیں، یہ اور اس طرح کے ضروری سوالات ہیں جن پر آپ کی ساری توجہ مرکوز ہونی چاہیئے۔ اسی طرح کی باتیں مرکز بھی آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اور یہی باتیں ہیں جن کو جماعت کے ارکین بھی جاننے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ غیر متعلق باتیں جو آپ اپنی رپورٹوں میں لکھتے ہیں ان سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بہت سے مفید مصالح کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ بالخصوص ذاتی حالات اور افراد و اشخاص کی مدحت و منقبت کا تو کوئی شائبہ بھی ان رپورٹوں میں نہیں ہونا چاہیئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح کی رپورٹ مرتب کرنا جو تمام ضروری باتوں پر حاوی اور ساری غیر ضروری باتوں سے خالی ہو کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ بڑی مہارت کا کام ہے لیکن اگر آپ میں صرف کار آمد باتوں کا اہتمام پیدا ہو جائے اور دل خودستائی کی خواہش، اور دوسرے کی تحقیر کے جذبہ اور مبالغہ اور آرائش بیان سے خالی ہو جائے تو آپ کا کام بھی نہایت سہل ہو جائے گا اور ان رپورٹوں سے ہمارا جو اصل مقصود ہے وہ بھی بہتر طریق پر حاصل ہو سکے گا۔

اعترافِ تقصیر کا فتنہ

ایک خاص چیز جو میں نے آپ کی رپورٹوں میں اس مرتبہ محسوس کی ہے وہ یہ ہے

کہ آپ پر اعتراف تقصیر بہت غالب ہوتا جاتا ہے۔ ایک آدمی اگر سچائی کے ساتھ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہا ہے تو یہ ایک مستحسن عادت ہے لیکن اس کا ایک پہلو خطرناک بھی ہے جس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اس سے ایک اندیشہ تو یہ ہے کہ مبادا یہ چیز آپ کی عادت بن جائے اور اس کے نیچے ادائے فرض کا شعور دب کے رہ جائے۔ اور دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ اس سے بسا اوقات آدمی میں منکسرانہ کبر پیدا ہو جاتا ہے جس کا پیدا ہونا ایک سخت و شدید فتنہ ہے اور ہماری دلی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ ایک آدمی اگر ایک امر کو حق سمجھ گیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس حق کے لئے ہر طرح کی زحمتیں اٹھائے اور ساری صعوبتیں جھیلے جو شخص حق کو پامال ہوتے دیکھتا ہے اور اس کے لئے اس کے دل میں حمیت نہیں پیدا ہوتی وہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو اس پر حق کی اصلی قدر و قیمت واضح نہیں ہوئی ہے اور یہ علم و معرفت کی خامی ہے یا اس کے اندر باطل کا رعب بیٹھا ہوا ہے اور یہ دل کا فساد ہے ایک عاقل اور سلیم الطبع انسان سے سب سے پہلے جس بات کی توقع ہونی چاہیئے وہ یہی ہے کہ وہ کبھی کسی حق کو مظلوم اور پامال دیکھنے پر راضی نہ ہو۔ جو شخص حق کی مظلومیت پر راضی ہے وہ انسانیت کے جوہر سے خالی ہے افسوس ہے اگر وہ پیدا ہوا اور اس سے بڑھ کر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اگر آدمی میں علم کی کمی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ سے اپنے علم کو بڑھائے اور اگر ہمت کی کمی ہے تو چاہیئے کہ اللہ سے دعا کرے کہ خدا اس کو توفیق عمل دے اور پست ہمتی اور بزدلی کی بیماریوں سے نجات بخشے۔

جماعت اسلامی کا قیام بالکل بے سود ہوگا اگر اس کے بعد بھی ہمارا علم صحیح نہ ہو، اور ہمارے دلوں میں بدستور کا شیطان بیٹھا ہی رہے اور ہم محض اعتراف تقصیر کے پردہ میں اپنی کمزوریوں کو چھپاتے رہیں۔ ہم جو لٹریچر شائع کر رہے ہیں اس کا مقصود یہی ہے کہ لوگوں پر حق واضح ہو اور جماعتی زندگی کا نظام اسی لئے اختیار کیا ہے کہ ایک کی مضبوطی دوسرے کی کمزوری کا ازالہ کرنے میں معاون ہو اور باہمی تعاون سے وہ سرگرمی اور جد وجہد وجود میں آسکے جو اس وقت حق کی خدمت کے لئے مطلوب ہے۔
اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ میں طلب علم کی رغبت پیدا ہو اور جماعتی زندگی کی برکتیں حاصل کرنے کی کوشش کریں لیکن ہم کو سخت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ خود اپنی ذمّہ داریوں کی نسبت بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ مرکز ہی ان کو بھی پورا کرے۔ لٹریچر شائع کر کے لوگوں میں علم پیدا کرے اور پھر ہاتھ پاؤں بن کر ان کے ذمہ کے عمل کو بھی پورا کر دے۔ جو لوگ اس طرح کی خواہشیں اپنے دل کے اندر رکھتے ہیں ان کو اس امر سے آگاہ ہونا چاہیئے کہ جو کام ان کے کرنے کے ہیں انہی کو کرنے ہوں گے۔ اور وہ کام صرف تمنائیں کرنے سے نہیں بلکہ کرنے سے پورے ہوں گے۔ ہم کو کوئی ایسا افسوں نہیں معلوم ہے جو ہم یہاں سے بیٹھے بیٹھے پھونک دیں اور سارے کام بن جائیں۔ ہم حق کو واضح کر سکتے ہیں اور اس کی خدمت کے لئے اپنا حصّہ پورا کر سکتے ہیں لیکن دوسروں کے اندر اس کے لیے ہمت پیدا کرنا ہمارے اختیار سے باہر ہے۔

بعض لوگوں کے اندر یہ خواہش بھی پائی جاتی ہے کہ جماعت کے کاموں کی رفتار تیز کرنے کے لئے کسی تیز رو جماعت کے ساتھ تعاون کر لیا جائے اگر چہ اس کی تیز روی

کسی سمت میں ہو۔ جن لوگوں کے دماغوں میں اس طرح کی باتیں آتی ہیں وہ لوگ ابھی جماعت اسلامی کے مزاج سے بہت دور ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ جماعت کے لٹریچر کا اچھی طرح مطالعہ کریں تاکہ ان کے دماغ کی الجھنیں دور ہوں۔ ہم کو صرف تیز روی مطلوب نہیں ہے بلکہ صحیح سمت میں تیز روی مطلوب ہے۔ کسی غلط سمت میں تیز روی سے ہمارے نزدیک یہ بہتر کہ آدمی صحیح سمت کی طرف رخ کرکے کھڑا رہے جو شخص کسی غلط راہ پر تیزی کے ساتھ بھاگا جا رہا ہے اس کی حالت پر رشک کرنا حماقت اور اس کو لائق تقلید جاننا ہلاکت ہے۔ جن لوگوں کے دماغوں میں اس طرح کے خیالات گذرتے ہیں ان کے لئے جماعتِ اسلامی میں داخل ہونے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ابھی وہ تیز رو جماعتوں کی تیز روی کا کچھ دنوں اور تجربہ کرتے اس کے بعد اگر وہ ہمارے ساتھ آتے تو شاید ہمارے لئے زیادہ زحمت کا سبب نہ بنتے۔

مخالفتوں کا خیر مقدم

یہ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ارکان میں مخالفتوں سے جو مرعوبیت تھی وہ بہت کم ہو رہی ہے۔ اب لوگوں میں مزاحمتوں کا مقابلہ کرکے آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہو رہی ہے۔ یہ جماعتی زندگی کی برکت ہے اور اس برکت کا ظاہر ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ ہماری جماعتی زندگی کا ارتقا صحیح رخ پر ہو رہا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم جس راہ پر چلنے کے لئے اٹھے ہیں اس راہ میں صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مخالفتوں سے مرعوبیت کم ہو جائے۔ یہ تو اس راہ کا پہلا مطالبہ ہے اس کے بغیر تو آپ اس راستہ میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اس راہ کا اصل مطالبہ اس سے بہت زیادہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم میں مخالفتوں کے خیر مقدم کا

جذبہ پیدا ہو جائے۔ حق کا راستہ ہو یا باطل کا، اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص جس راہ کو اختیار کرتا ہے اس راہ میں اس کی آزمائش ہوتی ہے اور راہ حق کا تو امتیازی نشان ہی یہی ہے کہ وہ شروع سے آخر تک آزمائشوں سے بھری ہوتی ہے۔ جس طرح ریاضی کا ایک ذہین طالب علم کسی مشکل سوال سے خوش ہوتا ہے کہ اس کو اپنی جودت طبع کے آزمانے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا اسی طرح ایک صادق العزم مومن کو کسی نئی آزمائش سے مقابلہ کر کے خوشی ہوتی ہے کہ اس کو حق کے ساتھ اپنی وفاداری کے ثبوت دینے کا ایک اور موقع بہم پہنچا۔ ٹمٹماتے ہوئے دیئے بیشک ہوا کے جھونکوں سے گل ہو جاتے ہیں لیکن بھڑکتے ہوئے تنور کو ہواؤں کے جھونکے اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کیجئے کہ جس طرح ایک بھڑکتا ہوا تنور گیلی لکڑیوں سے بجھنے کے بجائے ان کو اپنی غذا بنا لیتا ہے اسی طرح آپ مخالفتوں سے دبنے کے بجائے ان سے غذا اور قوت حاصل کریں جب تک ہم میں یہ قابلیت نہ پیدا ہو جائے امید نہیں کہ ہم خدا کے دین کی کوئی اچھی خدمت کر سکیں۔

آپ نے جن مخالفتوں کا ذکر کیا ہے وہ مختلف قسم کی ہیں لیکن ان میں سے ڈرنے کی چیز ایک بھی نہیں دنیا میں حق کی خدمت کے لئے جو جدوجہد بھی کبھی ظہور میں آئی ہے اس کے ساتھ یہ مخالفتیں بھی آپ سے آپ پیدا ہوئی ہیں اور قرآن نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ان کا پیدا ہونا عین حکمت الٰہی کے مطابق ہے یہی مومن صادق اور بوالہوس کے درمیان امتیاز کی کسوٹی ہیں اور انہی سے پیرؤوں کے اندر انسان کے اعتماد کی آزمائش ہوتی ہے۔ پس ان مخالفتوں سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں

ہے البتہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہر مرحلہ میں ہمیں ثابت قدم رکھے اور ہمارے عزم و ایمان کی محافظت فرمائے۔

ایک سوال کا جواب

جماعت کے ارکان میں ایک عام سوال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جب جماعت اسلامی کی دعوت تمام تر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ماخوذ ہے بلکہ سرتاسر کتاب وسنت کی پیروی ہی کی دعوت ہے اور مخالفین بھی باوجود انتہائی سعی کے اب تک اس کی کوئی بات کتاب وسنت کے خلاف نہیں ثابت کر سکے ہیں تو آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس کو قبول کرنے میں اتنی دیر لگا رہے ہیں۔ یہ سوال ہم میں سے بہتوں کو حیرانی میں ڈالے ہوئے ہے اور بسا اوقات دوسروں کی اس بے پروائی کی وجہ سے ہم میں سے بعضوں کی نظر میں وہ حق بے وقعت ہو جاتا ہے جو خود ان پر منکشف ہو چکا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس سوال پر غور کیا جائے۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے اس خالص دینی دعوت سے مسلمانوں کی بے پروائی کے اسباب نہایت گہرے ہیں۔ مسلمان اپنی موجودہ حالت تک ایک دو دن میں نہیں پہنچے ہیں۔ ان کو درجہ بدرجہ اس حالت تک لایا گیا ہے اور ہر منزل میں ان کو از روئے کتاب وسنت یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی حالت آج اسلام و ایمان کا تقاضا ہے۔ ان کے حق سے انحراف پر ایک طویل زمانہ گذر چکا ہے اور اس غلط راہ کے ہر موڑ پر انہوں نے مدتوں یہ سمجھ کر قیام کیا ہے کہ یہ عین دین وشریعت کی صراط مستقیم ہے اور ان کی اس غلط فہمی کے راسخ کرنے میں ارباب دین نے حصہ لیا ہے اور اس بے راہ روی کے

نہ صرف جواز بلکہ استحسان پر ضخیم فقہی اور کلامی تصنیفات مرتب کر دی گئی ہیں یہاں تک کہ ان کو یقین ہے کہ ان کا جو قدم بھی اٹھا ہے وہ شریعت کے دائرہ کے اندر اٹھا ہے اور آج بھی جہاں وہ ہیں شریعت ہی کا ایک مقام ہے اس سے الگ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کو اس طرح درجہ بدرجہ گرایا گیا ہو، جس کا گرنا اس طرح مخفی ہو، جس کے زوال کی تاریخ اتنی لمبی ہو، جس کو یہ یقین دلایا گیا ہو کہ اس کا یہ گرنا گرنا نہیں بلکہ اچھلنا ہے، جو اس غلط فہمی میں ہو کہ وہ اپنی موجودہ حالت میں بھی شریعت سے الگ نہیں بلکہ عین شریعت کے مطابق ہے وہ آپ کی دعوت کو کس طرح آسانی کے ساتھ قبول کر سکتی ہے جو ان سے کسی جزئی ترمیم و اصلاح کا مطالبہ نہیں کرتی بلکہ ان سے سچی توبہ اور کامل اصلاح کا مطالبہ کرتی ہے۔ جب آپ ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا اے وہ لوگو جو ایمان کے مدعی ہو حقیقی ایمان لاؤ، اور ان کے اعمال سے لے کر ان کے عقائد تک میں رخنہ بتاتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کو اس بات سے چوٹ لگتی ہے اور ان کی دینداری کا دیرینہ پندار اس سے مجروح ہوتا ہے۔ وہ یہ بات آسانی کے ساتھ ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے کہ وہ آج تک ایک بالکل غلط راہ پر بھاگ رہے تھے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ الاؤنس کا مستحق سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو تو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ اسلام ایک آسان دین ہے جس کو ہر حالت کے مطابق کیا جا سکتا ہے اس وجہ سے وہ تنگ راہ جو آپ ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس پر آنے سے وہ گھبراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب وہ حالت بھی دینداری سے الگ نہیں ہے

جو انہوں نے اختیار کر رکھی ہے تو بلا وجہ زندگی کو قیدوں میں گھیرنے سے کیا فائدہ؟ پس جب تک کہ آپ ان پر یہ حقیقت پوری طرح نہ واضح کر دیں کہ ان کی موجودہ زندگی اسلام سے بالکل بے ربط ہو گئی ہے اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ان کے دلوں کو اپنے دلائل سے کھول بھی نہ دیں اس وقت تک توقع نہیں کہ وہ ہماری دعوت قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ لیکن یہ کام آسان نہیں ہے۔ اس کو ہر شخص انجام نہیں دے سکتا۔ ہماری دعوت کے اسی پہلو سے لوگ گھبراتے ہیں اور اس سے سخت غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور مخالفین کو یہیں سے لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکانے کا مواد ہاتھ آتا ہے اس وجہ سے نہایت ضروری ہے کہ کم از کم ہماری جماعت کے افراد دعوت کے اس پہلو کو اچھی طرح سمجھ لیں اور جو لوگ اس کو اچھی طرح نہ سمجھے ہوں کم از کم اس پہلو پر لوگوں سے کوئی گفتگو کرنے میں احتیاط کریں تاکہ بلا وجہ ہمارے کام میں رکاوٹیں نہ پیدا ہوں۔

علماء کی بے پروائی

ہماری دعوت سے عام مسلمانوں کی بے پروائی کی وجہ یہ ہے۔ رہے علماء تو ان کی نسبت ہر شخص جانتا ہے کہ یہی حضرات ہیں جنہوں نے مسلمانوں کی ان کی موجودہ حالت تک راہنمائی کی ہے یہ بیمار انہی کی لائی ہوئی ہے۔ دینداری اور تقویٰ کے اسلام اور ایمان توحید اور رسالت کا موجودہ مفہوم جو عوام کے ذہنوں میں راسخ ہے انہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ لوگ نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انہی کا کام تھا کہ تمام آفات و مصائب کے اندر سے وہ اسلام کو بچا لائے اور آج بھی اس کو بچائے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں سے جو اتنی پیچ در پیچ خوش گمانیوں میں مبتلا ہوں آپ یہ کیسے توقع کر سکتے ہیں

کہ آج وہ کھلے دل سے اس بات کا اقرار کریں گے کہ آج تک انہوں نے جو رہنمائی کی ہے وہ غلط ہے اور صحیح راہ وہ ہے جس کی دعوت فلاں جماعت دے رہی ہے۔ بلاشبہ حق پرستی کا تقاضا یہی ہے کہ اس صاف حقیقت کے اقرار سے ان کو شرم نہ آئے۔ قرآن نے اہل حق کی سب سے بڑی تعریف یہی بتائی ہے کہ وہ حق کے اعتراف و اعلان میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہیں کرتے لیکن انسانی فطرت کی کمزوریاں جس طرح عوام کے اندر پائی جاتی ہیں اسی طرح خواص کے اندر بھی چھپی ہوئی ہیں۔ جس طرح ہمارے عوام کا پندار دینداری ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ تجدید ایمان کے ننگ کو گوارا کریں اسی طرح ہمارے خواص کا غرور سیادت ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے منہ سے خود اپنی غلط رہبری کا اقرار کریں۔ وہ ایک غلط سمت میں اتنی دور نکل گئے ہیں کہ ان کے لئے وہاں سے پلٹنا آسان نہیں رہا آپ کو یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ احساس دینداری کا فتنہ دنیا داری کے فتنہ سے زیادہ سخت ہوتا ہے جو لوگ کسی نفس پرستی میں دنیا داری کی راہ سے مبتلا ہوتے ہیں جونہی ان کے دل پر حق کی تجلی پرتو افگن ہوتی ہے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور صحیح راہ ان پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ ان کی رکاوٹیں زیادہ تر سستی اور پست ہمتی کی قسم کی ہوتی ہیں جو دل کی معمولی تبدیلی سے بھی دور ہو جاتی ہیں لیکن جو حضرات ان غلطیوں کو دین و تقویٰ بنا کر ان کی پرستش کرتے اور کراتے رہتے ہیں ان کے اپنے محبوب بتوں کو توڑ پھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہی تو وہ جہاد اکبر ہے جس کے اہل بہت کم نکلتے ہیں اور اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ اس کمزوری میں ہمارے علماء بھی مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے آزمائشیں

رکھی ہیں اور جن کی نگاہیں جتنی ہی تیز ہیں ان کے لئے فتنہ کا جال بھی اتنا ہی باریک اور مخفی ہے۔

ان حضرات میں سے آج تک کوئی شخص یہ نہیں بتا سکا کہ ہماری دعوت میں کیا غلطی ہے بلکہ ان میں سے ہر شخص کو اس بات کا اقرار ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اسلام کا اصلی مطالبہ یہی ہے لیکن چونکہ ان کا دل اس کو ماننے پر راضی نہیں ہے اس وجہ سے اس کے خلاف کچھ باتیں تبکلف بناتے ہیں۔ اور پڑھے لکھے لوگ اگر کسی آفتاب سے زیادہ روشن حق کے خلاف بھی کچھ کہنے پر آمادہ ہو جائیں تو کچھ نہ کچھ اس میں رخنہ نکال ہی دیں گے۔ چنانچہ یہ حضرات بھی کچھ نہ کچھ باتیں پیدا ہی کر لیتے ہیں۔ اگر اصلی دعوت کے خلاف ان کو کوئی بات نہیں ملتی تو داعی کے اندر ہی کچھ عیب ڈھونڈ نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چند دعوت عین کتاب و سنت کی دعوت ہے لیکن داعیوں پر چونکہ بھروسہ نہیں ہے اس وجہ سے ان کے پیچھے چلنے کے بجائے فلاں اور فلاں کے پیچھے چلو جن کی دعوت میں اگرچہ غلطی ہو لیکن وہ خود متقی اور بھروسہ کے قابل ہیں۔ یہ کتنی درد انگیز اور دل شکن بات ہے کہ ان لوگوں نے اشخاص کو حق کی جگہ دے رکھی ہے۔ جہاں وہ جاتے ہیں حق ان کے ہم رکاب ہوتا ہے اگرچہ وہ کعبہ کی جگہ کنشت ہی کی راہ اختیار کر لیں۔ عصبیت جاہلیت کی اس سے زیادہ گھنونی مثال اور کیا ہو سکتی ہے! حق پرستی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر حق یہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں اور اس کے قبول کرنے میں محض ہماری کمزوریاں ان کے لئے رکاوٹ بنی ہوئی ہیں تو یہ خود اس کے داعی بنتے اور آگے چلتے۔ ہم انشاء اللہ ان کے پیچھے چلنے میں کوئی عار نہ محسوس کرتے لیکن یہ عجیب و غریب منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ دیدہ و دانستہ ایک غلط

راہ پر چل سکتے ہیں بشرطیکہ اس کا داعی ان کے خیال کے مطابق دیندار ہو اور ایک صحیح راہ پر جس کی صحت کا ان کو خود اقرار ہے وہ نہیں چل سکتے کیونکہ ان کے داعی پر اصطلاحی دینداری کا لیبل نہیں چپکا ہوا ہے۔ یہ حضرات کیتھولک چرچ کی طرح اپنے حلقہ سے باہر دینداری کا وجود شاید تسلیم نہیں کرتے ورنہ ظاہر ہے کہ اپنی اس منطق کی حمایت میں وہ کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے اس پوزیشن پر خود بھی مطمئن نہیں ہیں اور جلد ان پر ان کی غلطی واضح ہو جائے گی۔ اگر آج نہیں تو کل کو وہ دیکھ لیں گے کہ حقیقت شخصی اور گروہی عصبیتوں سے کتنی بے نیاز ہے اور انسان حق کی جگہ اشخاص کو اپنا قبلہ و کعبہ بنا کر صرف اپنا نقصان کرتا ہے نہ کہ حق کا۔

سیاسی جماعتوں کی طرف سے مشکلات

عوام کی بے پروائی اور علماء کی بے نیازانہ روش کے ساتھ ساتھ بعض سیاسی جماعتوں کا بھی آپ نے گلہ کیا ہے۔ ان جماعتوں کی مخالفت آپ کے ساتھ بالکل قدرتی ہے۔ ہمارے مقاصد اور ان کے مقاصد ایک دوسرے کے بالکل ضد واقع ہوئے ہیں۔ ہماری کامیابی اور ترقی میں درحقیقت ان کی موت مضمر ہے اس وجہ سے اگر وہ ہم کو اچھی طرح سمجھتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو بھی سمجھتی ہیں تو ان کو ہمارا دوست نہیں دشمن ہی ہونا چاہیئے اور ہمیں ان کی طرف سے سب کچھ برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ وقت کی سیاسی جماعتوں میں سے کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جس پر ہمارے لٹریچر اور ہماری دعوت کی زد براہ راست نہ پڑتی ہو۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کے کام کو غلط کہا ہے اور ہر ایک کے وجود کو باطل قرار دیا ہے پھر آپ کیوں توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کو پیار کریں گی۔ سیاسی جماعتیں

زندگی کے کارزار میں جدوجہد کرتی ہیں۔ اپنے حریفوں کو توڑ دینا یا اپنا لینا ان کی فطرت ہے۔ ان سے کسی مرنجان مرنج پالیسی کی امید کرنا بالکل غلط ہے۔ لیکن اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ ان کی مخالفانہ روش سے اندیشہ ناک ہوں۔ ہر مخالفت ڈرنے کی چیز نہیں ہوتی۔ مخالفت صرف وہ وزنی اور قابلِ لحاظ ہوتی ہے جو کسی اصول کے ساتھ کسی بااصول جماعت کی طرف سے ظاہر ہو مجھے مسلمانوں میں کسی ایسی جماعت کا پتہ نہیں جس کا کوئی اصول ہو۔ ان کی حیثیت سیلاب میں بہنے والے تنکوں سے زیادہ نہیں ہے۔ باطل بھی اگر اس کی پشت پر شجاعت و ہمت ہو اور اس کے قول و فعل میں مطابقت ہو تو ایک طاقت بن جاتا ہے لیکن یہ حق نما باطل تو ایک لمحہ بھی میدان میں نہیں ٹک سکتے جو ہماری سیاسی جماعتیں لے کر نکلی ہیں ان کی کمزوریاں خود ان پر واضح ہیں اور اگر ابھی حقیقت واضح ہونے میں کچھ کسر رہ گئی ہے تو میں پیشینگوئی کرتا ہوں کہ زمانہ جلد یہ کسر بھی پوری کر دے گا۔ اور وہ دن دور نہیں ہے جب یہ ساری جماعتیں اپنی ہستی باقی رکھنے کے لئے اس بات پر مجبور ہوں گی کہ ہماری سکھائی ہوئی بولیوں میں سے کسی نہ کسی بولی کو اختیار کر لیں اور اپنے کھوٹے سکوں کو ہمارے کھرے سکوں کے ساتھ ملا کر چلانے کی کوشش کریں۔ آپ حضرات میں سے جو لوگ وقت کے حالات پر نظر رکھتے ہیں وہ میری اس پیشینگوئی کی تصدیق کریں گے۔ کیونکہ ہمارے بہت سے الفاظ اب مختلف جماعتوں نے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں اور ان الفاظ کی مذہبی کشش سے وہ اپنی گرتی ہوئی پوزیشن سنبھالنا چاہتی ہے۔ ہمارے بعض ارکان اس صورتِ حال کو تشویش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہماری اصطلاحات ان جماعتوں نے اختیار کر لیں تو بہت جلد عوام کے ذہنوں میں ان اصطلاحات کا ایسا غلط مفہوم رائج ہو جائیگا کہ اس کی اصلاح کیلئے ہم کو علیحدہ جدوجہد کرنی پڑے گی تیز لوگوں

میں یہ خیال پھیل جائے گا کہ ہم بھی وہی کچھ چاہتے ہیں جو یہ جماعتیں چاہتی ہیں لیکن مجھے اس بات سے کوئی اندیشہ نہیں ہے میں اس میں جماعت کے لئے کوئی خطرہ نہیں دیکھتا. البتہ یہ جماعتیں، اگر ان اصطلاحات کے استعمال میں نیک نیت نہیں ہیں بلکہ محض عوام فریبی کے لئے استعمال کر رہی ہیں تو مجھے خود ان کی موت اس میں نظر آتی ہے۔ اس وقت جب کہ ہمارا کام جاری ہے۔ ہمارا لٹریچر پوری تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ہم خواص سے گذر کر عوام کے ذہنوں کے قریب بھی آنے کی کوشش کر رہے ہیں ہمیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ لوگ ہماری اصطلاحات کی آڑ میں پناہ لے لیں گے۔ زیادہ زمانہ نہیں گذرے گا کہ ہماری باتیں کوٹھوں سے گونجیں گی اور گلیوں میں پکاری جائیں گی اور عامی سے عامی بھی ان کا وہی مفہوم سمجھے گا جو ہم سمجھائیں گے۔ اس وقت کسی کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہو گا کہ ان پردوں میں چھپ سکے۔ یا تو لوگوں کو اس حقیقت کا صاف صاف اقرار کرنا پڑے گا جو ہم پیش کر رہے ہیں یا میدان سے ہٹنا پڑے گا۔ ابھی ہم یا تو اپنی پوری بات کہہ نہیں سکے ہیں یا لوگ سمجھ نہیں سکے ہیں اس وجہ سے دھوکا کھانے اور دھوکا دینے دونوں کا امکان ہے۔ لیکن ان سارے امکانات کے سدّ باب کی تدبیریں ہم کر رہے ہیں۔ اور ہم کو یقین ہے کہ انشاء اللہ ہم ہی فتحمند رہیں گے سنتہ اللہ یہ ہے کہ جب تک حق میدان میں نہیں آتا باطل کو جینے کی مہلت ملتی ہے لیکن جب وہ میدان میں اتر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ غلبہ اسی کو دیتا ہے۔ میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے۔ ان میں سے کسی جماعت کا نہ کوئی سیاسی فکر ہے نہ کوئی اصول کا۔ اور نہ ان میں سے کسی کے پاس وہ کیرکٹر ہے جو جماعتوں کو فتح دلاتا ہے۔ اہل باطل میں وہ

قابلیتیں موجود ہیں جن کا مظاہرہ نازیوں، اشتراکیوں اور جمہوریت کے علمبرداروں نے کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حق کے ان مدعیوں میں، جو اسلام جیسے عظیم الشان حق کا نام لیتے ہیں، آج کوئی قوت و قابلیت موجود نہیں ہے۔ ان کی ہستی تمام تر دوسروں کے مستعار بلکہ مسروقہ الفاظ پر قائم ہے۔

خلافت راشدہ کے متعلق ایک عام غلط فہمی

حضرات! آپ میں سے بعضوں نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ جماعت اسلامی کے پیش نظر جو نصب العین ہے وہ بہترین ہاتھوں میں بھی ۳۰ سال سے زیادہ قائم نہ رہ سکا تو آج وہ لوگ کہاں سے آئیں گے جو اس نظام کو قائم کر سکیں گے اور ان کے ہاتھوں میں یہ زیادہ عرصہ تک قائم رہ سکے گا۔ اگرچہ آپ میں سے چند ہی حضرات نے یہ سوال اٹھایا ہے لیکن یہ ایک عام شبہ ہے جو بہت سے دلوں میں موجود ہے اور اس کی وجہ سے بہتوں کا یہ خیال ہے کہ اولاً تو صحیح اسلامی نظام کا قیام ناممکن ہے اور اگر ممکن ہے بھی تو یہ ایک سعی لاحاصل ہے کیونکہ جب بہترین انسانوں کے ہاتھوں میں یہ صرف ایک قلیل زمانہ تک قائم رہ سکا تو آج اس کے قیام و بقا کے متعلق کیا توقعات کی جا سکتی ہیں۔

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ یہ باتیں آج وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو علمائے دین میں شامل ہیں۔ انہیں شاید اس بات کی خبر نہیں ہے کہ ایسا کہنا درحقیقت اسلام کے خلاف ووٹ دینا ہے۔ اگر اسلامی نظام میں یہ فطری کمزوری موجود ہے کہ وہ بہتر سے بہتر ہاتھوں میں بھی چند دنوں سے زیادہ قائم نہیں رہ سکتا تو نہ صرف اسلامی نظام کے تصور سے استعفار دیدینا چاہیے بلکہ نفس اسلام سے بھی مایوس ہو

جانا چاہیئے کیونکہ اسلام کی زندگی کا اس کے نظام سے باہر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس ایک سچے اور پکے مسلمان کے دل میں تو کبھی اس فاسد خیال کا گذر ہی نہیں ہونا چاہیئے لیکن آپ نے ظاہر کیا ہے کہ یہ شبہ عام طور پر لوگوں کے دلوں میں موجود ہے اور اس کی وجہ سے اسلامی نظام کے قیام کی طرف سے لوگوں میں ایک عام افسردگی اور بد دلی پائی جاتی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جائے۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ ہم ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی حکومت کی طرح ایک حکومت قائم کر دیں۔ نہ بندوں کو اس بات کی طاقت حاصل ہے نہ خدا نے اس کی تکلیف دی ہے۔ البتہ یہ مطالبہ ہم سے کیا گیا ہے کہ ہم اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کریں اور اس جدوجہد میں اپنا تمام سرمایۂ زندگی لگا دیں۔ جان بھی اور مال بھی اور اپنی تمام مرغوبات و محبوبات بھی۔ اور دین سے مراد اجزائے دین میں سے کوئی جز مراد نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو بلکہ دین بحیثیت مجموعی مراد ہے۔ اس کے کلیات بھی اور جزئیات بھی۔ عقائد بھی اور اعمال بھی۔ یہ جدوجہد پورے عشق اور پورے جوش کے ساتھ مطلوب ہے اور اللہ کے نزدیک یہی چیز ہمارے ایمان اور نفاق کی کسوٹی ہے۔ کوئی سینہ جو اس ولولہ سے خالی ہو ایمان کا مسکن نہیں بن سکتا اور کوئی دل جو اس درد سے ناآشنا ہو خدا کا گھر نہیں ہو سکتا۔ کتنی ہی تسبیحیں گردانی جائیں، کتنے ہی وظیفے پڑھے جائیں اور کتنی ہی ضربیں لگائی جائیں اس عشق کے بدل نہیں ہو سکتے۔ ساری دینداری کی روح یہی ہے۔ اور خدا کے ہاں ہمارے دلوں کے اندر سب

سے پہلے یہی چیز ڈھونڈی جائے گی اور یہ بھی ایک ضروری شرط ہے کہ یہ جدوجہد جماعتی شکل میں ہو، انفرادی شکل میں نہ ہو ہر مردِ حق کا فرض ہے کہ وہ پہلے اپنے اندر اس کی گرمی پیدا کرے اور پھر یہ کوشش کرے کہ اس آگ سے سارے دل بھڑک اٹھیں۔ یہ سوال بحث سے خارج ہے کہ یہ جدوجہد کس نتیجہ تک منتہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم آروں سے چیر ڈالے جائیں، گلیوں میں گھسیٹے جائیں، انگاروں پر لٹائے جائیں اور ہمارے جسموں کو چیل اور کوے نوچیں اور ان ساری باتوں کے بعد بھی ہمیں یہ سعادت نہ حاصل ہو سکے کہ ہم موجودہ نظامِ باطل کو ایک نظامِ حق سے بدل دیں لیکن نہ تو یہ ناکامی ہے اور نہ اس کا اندیشہ بلکہ اس کا یقین ہی ہم کو اس مطالبہ سے سبکدوش کر سکتا ہے۔ جو خدا نے اقامتِ دین کے لئے ہم سے کیا ہے وہ تو ایک قطعی اور اٹل فرض ہے۔ جو ہر قیمت پر اور ہر حال میں ہمیں ادا کرنا ہے۔ اگر ہندوستان کی تمام خانقاہیں بھی آپ کو یہ اطمینان دلانے کی کوشش کریں کہ فلاں فلاں اذکار اس ذمہ داری سے سبکدوش کر سکتے ہیں تو میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ یہ شیطان کا دھوکا ہے جب تک آپ کی گردنوں پر سر موجود ہیں اور اللہ کے دین کی عمارت کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے اور خدا کی زمین کا ایک ٹکڑا بھی غیر اللہ کی اطاعت کے نیچے دبا ہوا ہے اس وقت تک آپ کے لئے چین کی نیند حرام ہے۔

اس جدوجہد کے انجام کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کیا ہوگا۔ انجام کا حال صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اگر اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہو کہ ہم ایک صالح نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا بعض لوگ طنز سے یہ

کہتے ہیں کہ ہماری ساری جدوجہد حکومت کیلئے ہے اور خدا کی رضا کی طلب جو خلاصۂ دین ہے ہمارے سامنے نہیں ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے، ہماری ساری جدوجہد اللہ کے دین کے قیام اور ایک صالح اور خدائی نظام کی اقامت کے لئے ہے اور یہ جدوجہد کوئی جرم نہیں ہے جس پر ہمیں شرمانے کی ضرورت ہو اور ہم جب کبھی حکومت الٰہیہ کا نام لیتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہی نظام ہوتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے مطلوب و محبوب ہونے میں کس پہلو سے بحث کی جا سکتی ہے اور آخر یہ خدا کی رضا طلبی سے الگ چیز کیوں ہے؟ خدا کی رضا اس سے بڑھ کر کس بات میں ہو سکتی ہے کہ اس کی زمین پر اس کے احکام چلیں اور ان لوگوں سے بڑھ کر رضائے الٰہی کا طالب کون ہو سکتا ہے جو اس بات کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو خدا کی زمین پر غیر اللہ کے اقتدار کا کوئی دھبہ نہ رہنے دیں گے۔ اگر یہ جدوجہد دنیا داری ہے تو کیا دینداری یہ ہے کہ راتوں میں جاگ کر اللہ ہُو کی ضربیں لگائی جائیں اور دن میں خدا کی زمین پر شیطان کا تخت بچھانے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس طرح کی باتیں کہتے ہیں ان کے ذہنوں میں دین کا نہایت ناقص تصور ہے اور بہتر ہے کہ انہیں ابھی اس بات کے لئے مہلت دی جائے کہ وہ دین کی اصل حقیقت سمجھ سکیں۔

اگر صحیح اسلامی نظام صرف ۳۰ سال ہی قائم رہا جب بھی یہ ایسی چیز ہے جس کے لئے اگر ہم اپنی زندگیاں مٹادیں تو یہ مہنگا سودا نہیں ہے بلکہ اس نظام خیر و برکت کی ایک شب بھی، جس میں خدا کا بندہ صرف خدا کا محکوم رہتا ہے ان ہزارہا سالوں اور مہینوں سے افضل ہے جن میں خدا کے بندوں کو خدا کے سوا دوسرں

کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔ آپ ۳۰ سال کہتے ہیں مَیں تو اس کے ۳۰ سنٹ بھی بہت سمجھتا ہوں اور اپنی اور اپنی جیسی لاکھوں زندگیوں کو اس کی قیمت نہیں سمجھتا۔ ذرا غور تو کیجئے، دنیا کی تمام سیاسی تنظیمات میں سب سے افضل جمہوریت کو سمجھا جاتا ہے لیکن اس کی نسبت قطعیت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ عقلاً اس کا امکان ہے نہ واقعہ کی صورت میں ایک لمحہ کے لئے کبھی اس کا وجود ہوا نہ کبھی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے تاہم آپ دیکھتے ہیں کہ اس واہمہ کے لئے دنیا نے کتنی شاندار قربانیاں دی ہیں۔ پھر ایک ایسے نظام کے قیام کی طرف سے آپ کیوں بددل ہوتے ہیں جو عملاً دنیا میں خود آپ کے اقرار کے مطابق ۳۰ سال تک قائم رہ چکا ہے اور جس کے امن وعدل اور خیر وبرکت پر مومن ومنکر دونوں کی شہادت موجود ہے۔

لیکن یہ تاریخ کے نہایت ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ صحیح اسلامی نظام صرف ۳۰ سال ہی قائم رہا۔ سیاسی بصیرت کی کمی کی وجہ سے اشخاص کی تبدیلی اور نظام کی تبدیلی میں لوگ فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں باتوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ خلافتِ راشدہ کے خاتمہ کے بعد جو تبدیلی واقع ہوئی وہ کانسٹی ٹیوشن کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اشخاص وافراد کی تبدیلی تھی۔ ملک کا قانون وہی رہا، حکومت کا دستور وہی رہا، تعزیرات خدا کی قائم کی ہوئی تھیں، حدود اللہ کے مقرر کئے ہوئے تھے، جائدادیں قرآن کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق تقسیم ہوتی تھیں، صرف اس نظام کے چلانے والے افراد میں یہ تبدیلی ضرور ہوگئی تھی کہ وہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی طرح متقی اور خدا ترس نہ تھے۔ تاہم ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ خدا کے قانون کی جگہ اپنا قانون چلا دے۔ ان میں سے اگر کوئی شخص

خدا کے کسی حکم کی ذمہ داریوں سے بچنا چاہتا تھا تو اس کو طرح طرح کے مذہبی حیلوں سے کام لینا پڑتا تھا۔ خدا سے علانیہ بغاوت ان میں سے بڑے سے بڑا بدتر آدمی بھی کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب مسند خلافت پر کوئی خداترس اور متقی انسان آگیا تو دفعۃً شب و روز کے اندر دنیا میں وہ بہار آگئی جو فاروقِ اعظم کے زمانہ میں آئی تھی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا نظام حکومت میں سرے سے کوئی خرابی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ دراصل نظام کے اندر کوئی بنیادی خرابی، جس کی اصلاح دیر طلب ہو پیدا ابھی نہیں ہوئی تھی۔ صرف اُوپری خرابیاں پیدا ہوتی تھیں جو معمولی تبدیلی سے درست ہو جاتی تھیں۔ اس طرح کی اصلاح کے دور اسلامی خلافت پر بار بار آئے اور جب تک اس کی بنیاد میں خرابی نہیں پیدا ہوئی یعنی خدا کی حکومت کی جگہ طاغوت کی حکومت نہیں قائم ہو گئی اس وقت تک دنیا میں خلافت راشدہ کی برکتوں کا دَور بار بار آتا رہا اور اب بھی اس کے لئے جدوجہد کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام میں ہماری مدد کیوں نہ فرمائے گا۔ اس آسمان کی چھت کے نیچے ہر طرح کے کام ہو رہے ہیں اور جن کاموں کے لئے وہ جدوجہد ظہور میں آجاتی ہے جو ان کے لئے مطلوب ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کام بھی ہو جاتے ہیں۔ خواہ باطل ہوں یا حق۔ پھر جب اس کائنات کا رب اہل باطل کی جاں بازیوں کو بھی نامراد نہیں کرتا تو آخر ایک مقصد حق ہی سے اس کو اتنی عداوت کیوں ہو گی، کہ اس کے لئے اگرچہ سر دھڑ کی بازی لگانے والے پیدا ہو جائیں لیکن وہ پورا نہ ہو سکے گا۔

کام کے ضروری شرائط

لیکن ہر کام کا ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے، اور ضروری ہے کہ اس کو اسی طریقہ پر انجام دیا جائے۔ ایک کام کو اگر آپ غلط طریقہ پر کر رہے ہیں تو خواہ یہ غلطی آپ کتنی ہی نیک نیتی سے کریں اس غلطی کا نتیجہ اس عمل کی ناکامی کی شکل میں آپ کے سامنے آکے رہے گا۔ خدا کے بنائے ہوئے قوانین بالکل بے لوث اور بے لاگ ہوتے ہیں نیک سے نیک انسان بھی اگر شہد کی جگہ حنظل استعمال کر رہا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے حنظل میں شہد کی تاثیر نہیں پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مسلمان ایک کام کو غلط طریقہ پر کر رہے ہیں تو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں اور اپنے زعم میں خدا کے ہاں بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کا کام صحیح ہو جائے۔ اور اگر غیر مسلم کسی کام کو صحیح طریقہ پر انجام دینے کی جدوجہد میں سرگرم ہیں تو محض اس وجہ سے کہ وہ غیر مسلم ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی صحیح جدوجہد کا نتیجہ نہ ملے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین میں اس طرح کی ناانصافی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں یہ احساس بڑی شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ بحیثیت مسلمان کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکومت واقتدار کی نعمت پانے کے مستحق وہی ہیں۔ اس احساس کے ساتھ جب وہ اپنی موجودہ حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو قرآن کے وعدوں اور خدا کی طرف سے مایوسی ہونے لگتی ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب ہم مسلمان ہیں تو زمین کی وراثت ہمیں کو ملنی تھی۔ اگر نہیں ملی تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ وعدہ کرنے والے ہی کی طرف سے کوئی تغافل ہے لیکن یہ خیال نہایت غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا وعدہ انفرادی کوششوں کے صلہ میں فرمایا ہے ان کو انفرادی کوششوں کے صلہ میں عطا فرماتا ہے لیکن جن چیزوں کا

وعدہ جماعت سے ہے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ جماعتی جدوجہد ظہور میں آئے ـــــ اگر ان کے لئے جماعتی جدوجہد ظہور میں نہ آئے تو خواہ انفرادی زہد و تقویٰ میں آپ کتنے ہی بڑھے ہوئے ہوں، آپ کے اندر جنید و شبلی اور سلمان و ابوذرؓ کے درجہ کے اشخاص کیوں نہ موجود ہوں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان انفرادی نیکیوں کے صلہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات مل جائیں جو جماعتی نیکیوں کے لئے مخصوص ہیں ہم کو اس امر سے انکار نہیں ہے کہ مسلمانوں میں آج بھی نہایت نیک اور صالح افراد موجود ہیں لیکن ان نیک اور صالح افراد نے مل کر کبھی اس بات کی کوشش نہیں کی کہ اس ملک میں ایک صالح نظام قائم کریں بلکہ اپنی انفرادی نیکیوں کے زعم میں ہمیشہ خدا سے شکوہ سنج رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنے وعدے پورے نہیں کئے۔ خدا نے جماعتوں سے ان کی جماعتی نیکیوں پر جو وعدے فرمائے ہیں وہ تو اس قدر اٹل ہیں کہ اگر وہ نیکیاں کسی جماعت کے اندر خدا کے انکار کے ساتھ بھی پیدا ہو جائیں جب بھی وہ صلے مل کر رہتے ہیں۔ پھر اگر کوئی جماعت ایمان و اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہو کر ایک صالح نظام کے لئے جدوجہد کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے اس کو محروم فرمائے۔

جماعتِ اسلامی مسلمانوں کی اس غلطی کی اصلاح کر رہی ہے۔ وہ قوم کے تمام صالح افراد کو منظم کر کے چاہتی ہے کہ ان کو ایک صالح نظام کے قیام کی جدوجہد میں لگائے اور اس کام کو انجام دینے کا جو صحیح طریقہ ہے اس طریقہ پر انجام دے۔ اگرچہ انجام بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن ہمیں خدا کی ذات سے یہی امید ہے کہ ہماری جدوجہد کامیاب ہو گی اور ہم منزلِ مقصود تک پہنچ کے رہیں گے لیکن

ایک طویل زمانہ تک جماعتی زندگی سے محروم رہنے کی وجہ سے ہم جماعتی زندگی کی خصوصیات اور ذمہ داریوں سے بالکل ناآشنا ہو گئے ہیں اس وجہ سے نہایت ضروری ہے کہ آج جب کہ ہم جماعتی زندگی کا ارادہ کر رہے ہیں اس کی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

جماعتی زندگی کی خصوصیات

جماعتی زندگی کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت ڈسپلن اور جماعتی نظم کی پابندی ہے۔ جماعت وجود ہی میں اس نظم کی پابندی کے ارادہ سے آتی ہے اس وجہ سے اس سے ادنیٰ بے پروائی جماعت کی موت کے مرادف ہے۔ اس نظم کو قائم رکھنے کے لئے جماعت کے تمام افراد کو اپنی ذاتی خواہشوں اور انفرادی رایوں کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اس زندگی میں کسر وانکسار شرط ضروری ہے۔ افراد بکھری ہوئی اینٹوں کے مانند ہیں ان کو ایک عمارت کی صورت اختیار کرنے کے لئے لازماً اس بات پر آمادہ ہونا پڑتا ہے کہ تھوڑا سا زخم گوارا کریں۔ اگر ہر اینٹ اس بات پر اصرار کرے کہ وہ کوئی زخم گوارا نہ کرے گی تو عمارت نہیں بن سکے گی۔ اسی طرح اگر آپ میں سے ہر فرد اپنی رائے پر اصرار کرے اور اپنی آزادی میں کسی قسم کی مداخلت گوارا نہ کرے تو جماعت نہیں بن سکتی اور اگر بن جائے گی تو قائم نہ رہ سکے گی۔ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ جماعتی زندگی آزادی رائے کو برباد کرنے والی چیز ہے بے شک اس کے لئے آدمی کو اپنی آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے لیکن اس تھوڑے حصہ کو قربان کر کے آدمی اپنی پوری آزادی کو محفوظ کر لیتا ہے اور اگر کوئی شخص اس تھوڑی قربانی پر آمادہ نہیں ہوتا تو اسے اپنی پوری آزادی کھونی

پڑتی ہے۔ جس طرح ایک خزانہ کا مالک اگر اپنے خزانہ کا کچھ حصہ پہرہ داروں اور پاسبانوں کی نذر نہ کرے تو اس کا پورا خزانہ خطرہ میں رہتا ہے۔ اس طرح افراد کی ساری آزادی خطرہ میں ہے۔ اگر وہ جماعت کے حق میں اپنی آزادی رائے کو ایک حد تک قربان کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ آپ کی رپورٹوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی ہم میں اس شعور کی کمی ہے۔ کوشش کیجئے کہ لوگوں میں یہ شعور پیدا ہو۔ اس کا پیدا ہونا محض ایک اخلاقی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ ایک اہم دینی ضرورت ہے اور جن لوگوں کے اندر اس چیز کی کمی ہے وہ اس کی تلافی اس کو پورا کرکے ہی کر سکتے ہیں۔ نوافل کی کوئی مقدار اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتی نظم میں فساد پیدا کرنے والوں کے لئے اسلام میں نہایت سخت سزا ہے۔ جو لوگ اس چیز میں کوئی خرابی ڈالتے ہیں وہ اپنی ساری نیکیوں کا ثواب کھو بیٹھتے ہیں۔ پس میں ارکانِ جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں ادنیٰ غفلت کو بھی راہ نہ دیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے پھر عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے جو وعدے جماعت سے ہیں وہ افراد کے لئے نہیں پورے ہوں گے اور اسلام کوئی ایسا دین نہیں ہے جس کے مطالبات انفرادی زندگی سے پورے ہو سکیں خواہ ان میں کتنا ہی تقویٰ اور دینداری کیوں نہ ہو۔

اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور امر بھی قابلِ لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ دین کے بعض جزئیات کے لئے مسلمانوں کے بعض گروہوں میں خواہ مخواہ کی ایک مبالغہ آمیز عصبیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اس عصبیت کی شدت و خشونت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہی جزئیات کے لئے لوگ کٹنے مرنے لگ گئے تھے اور ان کا انہماک اس قدر قوی ہو گیا تھا کہ ان کے آگے اصل دین کے سارے مطالبات دب گئے

تھے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بعض ارکان میں اب بھی یہ پرانا مذاق کچھ نہ کچھ باقی ہے جس کے سبب سے اندیشہ رہتا ہے کہ مبادا اس نظم جماعت کو نقصان پہنچ جائے۔ ضرورت ہے کہ آپ اصل اور فرع میں امتیاز پیدا کرنا سیکھیں اور شاخوں کی آبیاری میں اس درجہ منہمک نہ ہو جائیں کہ درخت کی جڑ سوکھ کے رہ جائے دین کا ایسا شعور جو آپ میں توازن پیدا کرے اور ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دینے کا مذاق پیدا کرے، نہایت ضروری ہے۔ اگر اس چیز کی آپ میں کمی رہی تو نہیں معلوم آپ کس فرع کو اصل بنا کر اس کی خاطر ساری جماعت اور سارے دین کو خطرہ میں ڈال دیں۔

اسی سلسلہ میں ایک اور بات پر بھی تنبیہ نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ اس دور میں لوگوں کے ذہنوں میں دینداری کا ایسا غلط تصور پیدا ہو گیا ہے کہ جب کسی دینی کام کا ارادہ کیا جائے لوگ اس کے کارکنوں میں ایسی باتیں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن کی دین میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اور جب وہ چیزیں نہیں پاتے تو پوری جماعت کو ایک غیر دینی جماعت بلکہ ایک مضر وجود قرار دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جماعت اسلامی اپنے مقاصد کے اعتبار سے نہایت صالح اور نہایت اعلیٰ جماعت ہے لیکن اس کے لیڈروں میں تقویٰ نہیں ہے۔ چونکہ اس پروپیگنڈا سے کسی نہ کسی حد تک ہمارے ارکان بھی متاثر ہوتے ہیں اس وجہ سے ضروری ہے کہ بعض باتیں اس سلسلہ میں بھی گوش گذار کر دی جائیں اور حاشا ان باتوں سے مقصود اپنے آپ کو محفوظ کرنا نہیں بلکہ اصل حقیقت کا اظہار بیان ہے۔ اس جماعت کے لیڈروں میں سے کسی کو بھی تقویٰ کا دعویٰ نہیں ہے۔ البتہ ان حضرات کے تقویٰ پر حیرت ضرور ہے جو صحیح کام جماعت اسلامی کے کام کو سمجھتے ہیں لیکن

ہمارے اندر تقویٰ کی کمی کی وجہ سے عام مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ان لوگوں کے پیچھے چلو جو اگرچہ غلط راہ پر جا رہے ہیں لیکن متقی ہیں۔ ہم ان کو خدا کا واسطہ دے کر ان کی ذمہ داری یاد دلاتے ہیں کہ اگر ان پر راہ حق واضح ہے اور ان میں تقوےٰ بھی موجود ہے تو وہ خود آگے بڑھ کر زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں لیکن دیدہ ودانستہ مسلمانوں کو غلط راہ پر چلنے کا مشورہ نہ دیں۔ انہیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مشورے کے لئے ایک روز حساب بھی ہے جس دن ان سے مسلمانوں کو دیدہ ودانستہ غلط مشورہ دینے کی بابت پرسش ہوگی اور وہ اس جواب سے بری نہ ہو سکیں گے کہ انھوں نے مسلمانوں کو متقی غلط کاروں کے پیچھے گمراہ ہونے کا مشورہ دیا۔

میں اس موقع پر پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ یہ حقیقت بھی واضح کرنے کی جراءت کرتا ہوں کہ اس زمانہ میں تقویٰ کے جو لوازم پیدا ہو گئے ہیں تقویٰ کے موسم بہار یعنی خیر القرون میں ان لوازم کا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا موجودہ تقویٰ میں صرف یہ کافی نہیں ہے کہ حرام کو حرام قرار دیا جائے اور آدمی اس سے پرہیز کرے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کا بھی تارک ہو اور ستم یہ کہ بعض مباحات کے ترک کا اس درجہ اہتمام ہے کہ جہاں آدمی میں ان چیزوں کا کوئی شائبہ پایا گیا وہ رند مشہور ہُوا حالانکہ بڑے بڑے محرمات صریحہ میں یہ حضرات مبتلا ہیں لیکن ان کا احساس ان حضرات کو ذرا بے چین نہیں کرتا۔ اگر ایک آدمی قرینہ کی صاف ستھری زندگی بسر کرے تو ان کی ولایت سے وہ خارج ہے لیکن طاغوت کی حمایت ونصرت میں اپنی ساری قابلیتیں رات دن صرف کرنے والے محض چند رسمیات کی پابندی کی بدولت ورزانہ

قرب خداوندی کے نہایت بلند مراحل و مقامات طے کرتے ہیں اور ان کے سلوک میں کوئی شے مزاحم نہیں ہوتی۔ مسیح ؑ نے شاید اسی تقویٰ کو مچھر کو چھاننے اور اونٹ کو نگلنے سے تعبیر کیا ہے اور کتنی سچی تعبیر ہے۔ یہ اس تقویٰ کی جس میں ڈاڑھی اور لب کی ادنےٰ بے قاعدگی گوارا نہیں کی جاتی لیکن خدا کی ساری شریعت کی بربادی پر ان کے سینوں میں ایک آہ بھی نہیں۔

اس عہد میں تقویٰ کے لئے ایک شرط لازم یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس کسی خانقاہ کی سند ہو۔ بغیر اس سند کے چاہے کوئی شخص کتاب و سنت کا کتنا ہی پابند ہو مقام تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ یہ شرط دین میں ایک اضافہ ہے۔ قرآن میں جس تقویٰ کی مدح کی گئی ہے وہ حدود الٰہی کی پاسداری اور خدا کے دین کو اپنے اوپر قائم کرنے اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے سے زیادہ کچھ نہیں۔ اگر ایک شخص اللہ کے حدود سے ڈرتا ہے، خدا کی شریعت کی پابندی کا التزام کرتا ہے، محرمات اور بدعات سے بچتا ہے تو وہ متقی ہے خواہ وہ کسی خانقاہ سے وابستہ ہو یا نہ ہو۔ ظاہر دارانہ خاکساری، بے قرینہ تقشف، اقامت دین کی جدوجہد سے بے پروائی و غیر ثابت اوراد و وظائف کا انہماک اور اس قبیل کی دوسری باتیں ہمارے یہاں نہیں ہیں اور جن حضرات کو ان چیزوں کی تلاش ہے بہتر ہے کہ وہ کسی خانقاہ کی راہ لیں۔ ہم سے ان چیزوں کا مطالبہ نہ کریں۔ ہم سے انہی چیزوں کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے جن کی اصل اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے۔ ان چیزوں کے سوا کوئی چیز ہم پر حجت نہیں قائم کر سکتی۔ میں ان باتوں کو اس لئے صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ کسی کو ہماری نسبت کوئی غلط فہمی نہ رہے۔ ہم جتنے ہیں اس سے زیادہ ایک حرف ظاہر کرنا

پسند نہیں کرتے۔

مجھے یہ حقیقت ظاہر کر دینے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ آج یہ تقویٰ کے بہت سے لوازم جو پیدا کر لئے گئے ہیں وہ اقامت دین کی اصل جدوجہد پر پردہ ڈالنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان حضرات کو جب دین کے اصل مطالبات مشکل معلوم ہوئے اور انہیں نظر آیا کہ اس راہ میں چند مقامات بہت سخت آتے ہیں اور ساتھ ہی ان کو یہ شرمندگی بھی گوارا نہیں تھی کہ ان پر قصور ہمت کا الزام آئے تو انہوں نے دین کے اصل مطالبات کے دوسرے بدل تجویز کر لیئے۔ میدان کا کام انہوں نے دنیا کو فتنہ کہہ کر چھوڑ دیا، اور خانقاہوں میں بیٹھ کر اوراد و وظائف کی مقداروں میں اضافہ کر دیا، پھر تقویٰ کی ایک خاص ہیئت قرار پا گئی اور متقیانہ زندگی کا ایک خاص نہج وجود میں آ گیا اور آہستہ آہستہ اب حال یہ ہو گیا ہے کہ ان کے ہاتھوں میں تقویٰ کا جو پیمانہ ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر اس سے خیر القرون کے مسلمانوں کو بھی ناپا جائے تو شاید وہ بھی متقی نہ ثابت ہو سکیں۔ ہم اس تقویٰ کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ کافی ہے کہ ایک سیدھے سادے اور پختہ مسلمان کی سی زندگی بسر کیجیے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات آپ کے علم میں آئے اس پر لَا اَزِیْدُ وَلَا اَنْقُصُ کہہ کر جم جایئے۔ اپنی زندگی کا برابر احتساب کرتے رہیئے کہ آپ کے کام دکھاوے اور شہرت کے لئے نہ ہوں۔ اور رات دن اس جدوجہد میں لگے رہیئے کہ خدا کے بندوں پر صرف خدا کا قانون حاکم ہو۔ دو سرے حیان حکومت یا تو مٹ جائیں یا ان کو بدلنے اور نہ بدلنے کی صورت میں ان کو مٹانے میں ہم مٹ جائیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اب ان باتوں کو آپ گوش ہوش سے سن لیں زمانہ بڑی تیزی سے بدل رہا ہے۔ ہمارے سامنے نہایت مشکل کام آنے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے سامنے کوئی سخت امتحان آجائے اور ہماری

فوج مغالطوں میں اُلجھی ہوئی ہو آپ کے ہاتھ میں کتاب و سنت کے سوا کوئی پیمانہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس پیمانہ سے اپنی جماعت کے افراد کو ناپتے رہیئے۔ اپنے امیر کو بھی اور مامور کو بھی۔ اس احتساب میں جماعت کی زندگی ہے اور اس میں کسی قسم کی مداہنت اور مسامحت سے کام نہ لیجئے۔ دوسرے خیالات جو بے اصل ہیں ان کو چھوڑیئے اور اگر ان کی گرفت آپ پر اتنی سخت ہے کہ آپ سے الگ نہیں ہوسکتے تو ہمیں اس بات کا کوئی غم نہ ہوگا کہ آپ ہم کو چھوڑ دیں۔ ہم نہ تو خود دھوکے میں رہنا چاہتے ہیں نہ دوسروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

اجلاس ہشتم

(۸ر جمادی الاوّل ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ر اپریل ۱۹۴۵ء بروز ہفتہ بعد مغرب)

نماز مغرب کے بعد آخری اجلاس منعقد ہوا۔ چونکہ اب اجتماع کے سلسلہ کا سارا پروگرام اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ اس لئے جماعت کو رخصت کرنے سے پہلے اس اجلاس میں امیر جماعت نے رفقاء و حاضرین سے آخری خطاب کیا جو درج ذیل ہے:۔

امیرِ جماعت کی اختتامی تقریر

تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں

حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:۔

رفقاء و حاضرین۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلاب امامت ہے۔ یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فساق و فجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامت صالحہ کا نظام قائم ہو اور اسی سعی و جدوجہد کو ہم دنیا و آخرت میں رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ چیز جسے ہم نے اپنا مقصد قرار دیا ہے۔ افسوس ہے کہ آج اس کی اہمیت سے مسلم اور غیر مسلم سبھی غافل ہیں۔ مسلمان اس کو محض ایک سیاسی مقصد سمجھتے ہیں اور ان کو کچھ احساس نہیں ہے کہ دین میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ غیر مسلم کچھ تعصب کی بنا پر اور کچھ ناواقفیت کی وجہ سے اس حقیقت

کو جانتے ہی نہیں کہ دراصل فساق و فجار کی قیادت ہی نوع انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسان کی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس پر ہے کہ دنیا کے معاملات کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ آج دنیا میں جو فساد عظیم برپا ہے۔ جو ظلم اور طغیان ہو رہا ہے، انسانی اخلاق میں جو عالمگیر بگاڑ رونما ہے۔ انسانی تمدن و تہذیب اور معیشت و سیاست کی رگ رگ میں جو زہر سرایت کر گئے ہیں۔ زمین کے تمام وسائل اور انسانی علوم کی دریافت کردہ ساری قوتیں جس طرح انسان کی فلاح و بہبود کے بجائے اس کی تباہی کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ ان سب کی ذمہ داری اگر کسی چیز پر ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ دنیا میں چاہے نیک لوگوں اور شریف انسانوں کی کمی نہ ہو مگر دنیا کے معاملات ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ خدا سے پھرے ہوئے اور مادہ پرستی و بداخلاقی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص دنیا کی اصلاح چاہتا ہو اور فساد کو صلاح سے، اضطراب کو امن سے، بداخلاقیوں کو اخلاق صالحہ سے اور برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنے کا خواہشمند ہو تو اس کے لئے محض نیکیوں کا وعظ اور خدا پرستی کی تلقین اور حسن اخلاق کی ترغیب ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ نوع انسانی میں جتنے صالح عناصر اس کو مل سکیں انہیں ملا کر وہ اجتماعی قوت بہم پہنچائے جس سے تمدن کی زمام کار فاسقوں سے چھینی جا سکے اور امامت کے نظام میں تغیر کیا جا سکے۔

زمام کار کی اہمیت

انسانی زندگی کے مسائل میں جس کو تھوڑی سی بصیرت بھی حاصل ہو وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلے پر

منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملات انسانی کی زمام کار کس کے ہاتھ میں ہے جس طرح گاڑی ہمیشہ اسی سمت چلا کرتی ہے جس سمت پر ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہے اور دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ وناخواستہ اسی سمت پر سفر کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں، اسی طرح انسانی تمدن کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کیا کرتی ہے جس سمت پر وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار کی باگیں جن کے ہاتھ میں ہوں عام انسانوں کی زندگی جن کے دامن سے وابستہ ہو، خیالات و افکار اور نظریات کو بنانے اور ڈھالنے کے وسائل جن کے قبضے میں ہوں، انفرادی سیرتوں کی تعمیر، اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کی تعیین جن کے اختیار میں ہو، ان کی رہنمائی و فرمانروائی کے تحت رہتے ہوئے انسانیت بحیثیت مجموعی اس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتی جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہوں۔ یہ رہنما و فرمانروا اگر خدا پرست اور صالح لوگ ہوں تو لامحالہ زندگی کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے گا، برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو نشوونما نصیب ہوگا اور برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو کم از کم پروان بھی نہ چڑھ سکیں گی۔ لیکن اگر رہنمائی و قیادت اور فرمانروائی کا یہ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو خدا سے برگشتہ اور فسق و فجور میں سرگشتہ ہوں تو آپ سے آپ سارا نظام زندگی خدا سے بغاوت اور ظلم و بداخلاقی پر چلے گا۔ خیالات و نظریات، علوم و آداب، سیاست و معیشت، تہذیب و معاشرت، اخلاق و معاملات، عدل و قانون سب کے سب بحیثیت مجموعی بگڑ جائیں گے۔ برائیاں خوب نشوونما پائیں گی اور بھلائیوں کو زمین اپنے اندر جگہ دینے

سے اور ہوا اور پانی ان کو غذا دینے سے انکار کر دیں گے۔ اور خدا کی زمین ظلم و جور سے لبریز ہو کر رہے گی۔ ایسے نظام میں برائی کی راہ پر چلنا آسان اور بھلائی کی راہ پر چلنا کیا معنی قائم رہنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ جس طرح آپ نے کسی بڑے مجمع میں دیکھا ہو گا کہ سارا مجمع جس طرف جا رہا ہو، اس طرف چلنے کے لئے تو آدمی کو کچھ قوت لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ مجمع کی قوت سے خود بخود اسی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے مخالف سمت میں کوئی چلنا چاہے تو وہ بہت زور مار کر بھی بمشکل ایک آدھ قدم چل سکتا ہے اور جتنے قدم وہ چلتا ہے مجمع کا ایک ہی ریلا اس سے کئی گنے زیادہ قدم اسے پیچھے دھکیل دیتا ہے، اسی طرح اجتماعی نظام بھی جب غیر صالح لوگوں کی قیادت میں کفر و فسق کی راہوں پر چل پڑتا ہے تو افراد اور گروہوں کے لئے غلط راہ پر چلنا تو اتنا آسان ہو جاتا ہے کہ انہیں بطور خود اس پر چلنے کے لئے کچھ زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، لیکن اگر وہ اس کے خلاف چلنا چاہیں تو اپنے جسم و جان کا سارا زور لگانے پر بھی ایک آدھ قدم ہی راہ راست پر بڑھ سکتے ہیں اور اجتماعی رو ان کی مزاحمت کے باوجود انہیں دھکیل کر میلوں پیچھے ہٹا لے جاتی ہے۔

یہ بات جو میں عرض کر رہا ہوں یہ اب کوئی ایسی نظری حقیقت نہیں رہی ہے جسے ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ضرورت ہو بلکہ واقعات نے اسے ایک بدیہی حقیقت بنا دیا ہے جس سے کوئی صاحب دیدۂ بینا انکار نہیں کر سکتا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں کہ پچھلے سو برس کے اندر آپ کے اپنے ملک میں کس طرح خیالات و نظریات بدلے ہیں، مذاق اور مزاج بدلے ہیں، سوچنے کے انداز اور دیکھنے کے زاویے بدلے ہیں، تہذیب و اخلاق کے معیار اور قدر و قیمت کے پیمانے بدلے ہیں، زندگی کے طریقے اور معاملات

کے ڈھنگ بدلے ہیں اور کونسی چیز رہ گئی ہے جو بدل نہ گئی ہو۔ یہ سارا تغیر جو دیکھتے دیکھتے آپ کی اسی سرزمین میں ہُوا اس کی اصلی وجہ آخر کیا ہے؟ کیا آپ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بتلا سکتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں زمام کار تھی، اور رہنمائی و فرمانروائی کی باگوں پر جن کا قبضہ تھا انہوں نے پورے ملک کے اخلاق، اذہان، نفسیات، معاملات اور نظام تمدن کو اس سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا جو ان کی اپنی پسند کے مطابق تھا؟ پھر جن طاقتوں نے اس تغیر کی مزاحمت کی، ذرا ناپ کر دیکھئے کہ انہیں کامیابی کتنی ہوئی اور ناکامی کتنی۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ کل جو مزاحمت کی تحریک کے پیشوا تھے آج ان کی اولاد وقت کی رو میں بہی چلی جا رہی ہے اور ان کے گھروں تک میں بھی وہی سب کچھ پہنچ گیا ہے جو گھروں سے باہر پھیل چکا تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مقدس ترین مذہبی پیشواؤں تک کی نسل سے وہ لوگ اٹھ رہے ہیں جنہیں خدا کے وجود اور وحی و رسالت کے امکان میں بھی شک ہے؟ اسی مشاہدے اور تجربے کے بعد بھی کیا کسی کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں تامل ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کے مسائل میں اصل فیصلہ کن مسئلہ زمام کار کا مسئلہ ہے؟ اور یہ اہمیت اس مسئلے نے کچھ آج ہی اختیار نہیں کی ہے بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہی اہمیت رہی ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ بہت پرانا مقولہ ہے اور اسی بنا پر حدیث میں قوموں کے بناؤ اور بگاڑ کا ذمہ دار ان کے علماء اور امراء کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ لیڈرشپ اور زمام کار انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

امامت صالحہ کا قیام دین کا حقیقی مقصود ہے

اس تشریح کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ دین میں اس مسئلہ کی کیا اہمیت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ کا دین اوّل تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ بالکلیہ بندۂ حق

بن کر رہیں اور ان کی گردن میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کا حلقہ نہ ہو پھر وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ ہی کا قانون لوگوں کی زندگی کا قانون بن کر رہے۔ پھر اس کا مطالبہ یہ ہے کہ زمین سے فساد مٹے اور ان منکرات کا استیصال کیا جائے جو اہل زمین پر اللہ کے غضب کے موجب ہوتے ہیں اور ان خیرات و حسنات کو فروغ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ ان تمام مقاصد میں کوئی مقصد بھی اس طرح پورا نہیں ہو سکتا کہ نوعِ انسانی کی رہنمائی و قیادت اور معاملات انسان کی سربراہ کاری ائمہ کفر و ضلال کے ہاتھوں میں ہو اور دین حق کے پیرو محض ان کے ماتحت رہ کر ان کی دی ہوئی رعایتوں اور گنجائشوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یادِ خدا کرتے رہیں۔ یہ مقاصد تو لازمی طور پر اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ تمام اہل خیر و صلاح جو اللہ کی رضا کے طالب ہوں، اجتماعی قوت پیدا کریں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ایک ایسا نظام حق قائم کرنے کی سعی کریں جس میں امامت و رہنمائی اور قیادت و فرمانروائی کا منصب مومنین صالحین کے ہاتھوں میں ہو۔ اس چیز کے بغیر وہ مدعا حاصل ہی نہیں ہو سکتا جو دین کا اصل مدعا ہے۔

اسی لئے دین میں امامت صالحہ کے قیام اور نظام حق کی اقامت کو مقصدی اہمیت حاصل ہے اور اس چیز سے غفلت برتنے کے بعد کوئی عمل ایسا نہیں ہو سکتا جس سے انسان اللہ تعالےٰ کی رضا کو پہنچ سکے۔ غور کیجئے کہ آخر قرآن و حدیث میں التزام جماعت اور سمع و طاعت پر اتنا زور کیوں دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت سے خروج اختیار کرے تو وہ واجب القتل ہے خواہ وہ کلمۂ توحید کا قائل اور نماز روزہ کا پابند ہی کیوں نہ ہو کیا اس کی وجہ یہ اور صرف یہی نہیں ہے کہ امامت صالحہ اور نظام حق کا قیام و بقا دین کا حقیقی مقصود ہے، اور اس مقصد کا حصول اجتماعی طاقت پر موقوف

ہے لہٰذا جو شخص اجتماعی طاقت کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کی تلافی نہ نماز سے ہو سکتی ہے اور نہ اقرار توحید سے؟ پھر دیکھئے کہ آخر اس دین میں جہاد کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے کہ اس سے جی چرانے اور منہ موڑنے والوں پر قرآن مجید نفاق کا حکم لگاتا ہے؟ جہاد، نظام حق کی سعی کا ہی تو دوسرا نام ہے اور قرآن اسی جہاد کو وہ کسوٹی قرار دیتا ہے جس پر آدمی کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جس کے دل میں ایمان ہوگا وہ نہ تو نظام باطل کے تسلط پر راضی ہو سکتا ہے اور نہ نظام حق کے قیام کی جدوجہد میں جان و مال سے دریغ کر سکتا ہے۔ اس معاملہ میں جو شخص کمزوری دکھائے اس کا ایمان ہی مشتبہ ہے پھر بھلا کوئی دوسرا عمل اسے کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔

اس وقت اتنا موقع نہیں ہے کہ میں آپ کے سامنے اس مسئلہ کی پوری تفصیل بیان کروں۔ مگر جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے امامت صالحہ کا قیام مرکزی اور مقصدی اہمیت رکھتا ہے، اور جو شخص اس دین پر ایمان لایا ہو اس کا کام صرف اتنے پر ہی ختم نہیں ہو جاتا کہ اپنی ساری زندگی کو حتی الامکان اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، بلکہ عین اس کے ایمان ہی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی تمام سعی و جہد کو اس ایک مقصد پر مرکوز کر دے کہ زمام کار کفار و فساق کے ہاتھ سے نکل کر صالحین کے ہاتھ میں آئے اور وہ نظام حق قائم ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دنیا کے انتظام کو درست کرے اور درست رکھے۔ پھر چونکہ یہ مقصد اعلیٰ اجتماعی کوشش کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے ایک ایسی جماعت صالحہ کا وجود ضروری ہے جو خود اصول حق کی پابند ہو

اور نظامِ حق کو قائم کرنے، باقی رکھنے اور ٹھیک ٹھیک چلانے کے سوا دنیا میں کوئی دوسری غرض پیشِ نظر نہ رکھے۔ روئے زمین پر اگر صرف ایک ہی آدمی مومن ہو تب بھی اس کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اکیلا پا کر اور ذرائع مفقود دیکھ کر نظامِ باطل کے تسلّط پر راضی ہو جائے، یا "اھون البلیتین" کے شرعی حیلے تلاش کر کے غلبۂ کفر و فسق کے ماتحت کچھ آدھی پونی مذہبی زندگی کا سودا چکانا شروع کر دے، بلکہ اس کے لئے سیدھا اور صاف راستہ صرف یہی ایک ہے کہ بندگانِ خدا کو اس طریقِ زندگی کی طرف بلائے جو خدا کو پسند ہے۔ پھر اگر کوئی اس کی بات سن کر نہ دے تو اس کا ساری عمر صراطِ مستقیم پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارتے رہنا اور پکارتے پکارتے مر جانا اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی زبان سے وہ صدائیں بلند کرنے لگے جو ضلالت میں بھٹکی ہوئی دنیا کو مرغوب ہوں اور ان راہوں پر چل پڑے جن پر کفار کی امامت میں دنیا چل رہی ہو۔ اور اگر کچھ اللہ کے بندے اس کی بات سننے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کے لئے لازم ہے کہ ان کے ساتھ مل کر ایک جتھا بنائے اور یہ جتھا اپنی تمام اجتماعی قوت اس مقصدِ عظیم کے لئے جدوجہد کرنے میں صرف کر دے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں۔

حضرات! مجھے خدا نے دین کا جو تھوڑا بہت علم دیا ہے اور قرآن و حدیث کے مطالعہ سے جو کچھ بصیرت مجھے حاصل ہوئی ہے اس سے میں دین کا تقاضا یہی کچھ سمجھا ہوں۔ یہی میرے نزدیک کتاب الٰہی کا مطالبہ ہے، یہی انبیاء کی سنت ہے، اور میں اپنی اس رائے سے نہیں ہٹ سکتا جب تک کوئی خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت ہی سے مجھ پر یہ ثابت نہ کر دے کہ دین کا یہ تقاضا نہیں ہے۔

امامت کے باب میں خدا کی سنت

اپنی سعی کے اس مقصد و منتہا کو سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں اس سنت اللہ کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے جس کے تحت ہم اپنے اس مقصود کو پاسکتے ہیں۔ یہ کائنات جس میں ہم رہتے ہیں، اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک قانون پر بنایا ہے اور اس کی ہر چیز ایک لگے بندھے ضابطے پر چل رہی ہے۔ یہاں کوئی سعی محض پاکیزہ خواہشات اور اچھی نیتوں کی بنا پر کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ محض نفوس قدسیہ کی برکتیں ہی اس کو بار آور کرسکتی ہیں۔ بلکہ اس کے لئے ان شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے جو ایسی مساعی کی بار آوری کے لئے قانون الٰہی میں مقرر ہیں۔ آپ اگر زراعت کریں تو خواہ آپ کتنے ہی بزرگ صفت انسان ہوں اور تسبیح و تہلیل میں کتنا ہی مبالغہ کرتے ہوں بہر حال آپ کا پھینکا ہوا کوئی بیج بھی برگ و بار نہیں لا سکتا جب تک آپ اپنی سعی کاشتکاری میں اس قانون کی پوری پوری پابندی ملحوظ نہ رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے کھیتوں کی بار آوری کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اسی طرح نظام امامت کا وہ انقلاب بھی جو آپ کے پیش نظر ہے کبھی محض دعاؤں اور پاک تمناؤں سے رونما نہ ہوسکے گا بلکہ اس کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ آپ اس قانون کو سمجھیں اور اس کی ساری شرطیں پوری کریں جس کے تحت دنیا میں امامت قائم ہوتی ہے۔ کسی کو ملتی ہے اور کسی سے چھنتی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی میں اس مضمون کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں اشارۃً بیان کرتا رہا ہوں، لیکن آج میں اسے مزید تفصیل و تشریح کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ وہ مضمون ہے جسے پوری طرح سمجھے بغیر ہمارے سامنے اپنی راہ عمل واضح نہیں ہوسکتی۔

انسان کی ہستی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر دو مختلف حیثیتیں

پائی جاتی ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں اور باہم ملی جلی بھی۔

اس کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ اپنا ایک طبعی وحیوانی وجود رکھتا ہے جس پر وہی قوانین جاری ہوتے ہیں جو تمام طبعیات وحیوانات پر فرمانروائی کر رہے ہیں۔ اس وجود کی کارکردگی منحصر ہے ان آلات ووسائل پر، ان مادی ذرائع پر، اور ان طبعی حالات پر جن پر دوسری تمام طبعی اور حیوانی موجودات کی کارکردگی کا انحصار ہے۔ یہ وجود جو کچھ کر سکتا ہے قوانین طبعی کے تحت آلات ووسائل کے ذریعہ سے اور طبعی حالات کے اندر ہی رہتے ہوئے کر سکتا ہے، اور اس کے کام پر عالم اسباب کی تمام قوتیں مخالف یا موافق اثر ڈالتی ہیں۔

دوسری حیثیت جو انسان کے اندر نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کے انسان ہونے کی، یا بالفاظ دیگر ایک اخلاقی وجود ہونے کی حیثیت ہے۔ یہ اخلاقی وجود طبعیات کا تابع نہیں ہے بلکہ ان پر ایک طرح سے حکومت کرتا ہے۔ یہ خود انسان کے طبعی و حیوانی وجود کو بھی آلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے اور خارجی دنیا کے اسباب کو بھی اپنا تابع بنانے اور ان سے کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی کارکن قوتیں وہ اخلاقی اوصاف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں ودیعت فرمائے ہیں، اور اس پر فرمانروائی بھی قوانین کی نہیں بلکہ اخلاقی قوانین کی ہے۔

انسانی عروج وزوال کا مدار اخلاق پر ہے

یہ دونوں حیثیتیں انسان کے اندر ملی جلی کام کر رہی ہیں اور مجموعی طور پر اس کی کامیابی وناکامی اور اس کے عروج وزوال کا مدار مادی اور اخلاقی دونوں قسم کی قوتوں پر ہے۔ وہ بے نیاز تو نہ مادی قوت ہی سے ہو سکتا ہے اور نہ اخلاقی قوت ہی سے۔

اسے عروج ہوتا ہے تو دونوں کے بل پر ہوتا ہے اور وہ گرتا ہے تو اسی وقت گرتا ہے جب یہ دونوں طاقتیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہیں، یا ان میں وہ دوسروں کی بہ نسبت کمزور ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی زندگی میں اصل فیصلہ کن اہمیت اخلاقی طاقت کی ہے نہ کہ مادی کی۔ اس میں شک نہیں کہ مادی وسائل کا حصول، طبعی ذرائع کا استعمال اور اسباب خارجی کی موافقت بھی کامیابی کے لئے شرط لازم ہے اور جب تک انسان اس عالم طبعی (Physicaloworld) میں رہتا ہے یہ شرط کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ اصل چیز جو انسان کو گراتی اور اٹھاتی ہے جسے اس کی قسمت کے بنانے اور بگاڑنے میں سب سے بڑھ کر دخل حاصل ہے وہ اخلاقی طاقت ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم جس چیز کی وجہ سے انسان کو انسان کہتے ہیں وہ اس کی جسمانیت یا حیوانیت نہیں بلکہ اس کی اخلاقیت ہے: آدمی دوسری موجودات سے جس خصوصیت کی بنا پر ممیز ہوتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ جگہ گھیرتا ہے یا سانس لیتا ہے یا نسل کشی کرتا ہے، بلکہ وہ اس کی امتیازی خصوصیت جو اسے ایک مستقل نوع ہی نہیں، خلیفۃ اللہ فی الارض بھی بناتی ہے وہ اس کا اخلاقی اختیار ہے اور اخلاقی ذمہ داری کا حامل ہوتا ہے پس جب اصل جوہر انسانیت اخلاق ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اخلاقیات ہی کو انسانی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ میں فیصلہ کن مقام حاصل ہے اور اخلاقی قوانین ہی انسان کے عروج و زوال پر فرمانروا ہیں۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد جب ہم اخلاقیات کا تجزیہ کرتے ہیں تو وہ اصولی طور پر ہمیں دو بڑے شعبوں منقسم نظر آتے ہیں۔

ایک بنیادی انسانی اخلاقیات۔ دوسرے، اسلامی اخلاقیات۔

بنیادی انسانی اخلاقیات

بنیادی انسانی اخلاقیات سے مراد وہ اوصاف ہیں جن پر انسان کے اخلاقی وجود کی اساس قائم ہے اور ان میں وہ تمام صفات شامل ہیں جو دنیا میں انسان کی کامیابی کے لئے بہر حال شرط لازم ہیں خواہ وہ صحیح مقصد کے لئے کام کر رہا ہو یا غلط مقصد کے لئے۔ ان اخلاقیات میں اس سوال کا کوئی دخل نہیں ہے کہ آدمی خدا اور وحی اور رسول اور آخرت کو مانتا ہے یا نہیں، طہارت نفس اور نیت خیر اور عمل صالح سے آراستہ ہے یا نہیں، اچھے مقصد کے لئے کام کر رہا ہے یا برے مقصد کے لئے۔ قطع نظر اس سے کہ کسی میں ایمان ہو یا نہ ہو، اور اس کی زندگی پاک ہو یا ناپاک، اور اس کی سعی کا مقصد اچھا ہو یا برا، جو شخص اور جو گروہ بھی اپنے اندر وہ اوصاف رکھتا ہوگا جو دنیا میں کامیابی کے لئے ناگزیر ہیں وہ یقیناً کامیاب ہوگا اور ان لوگوں سے بازی لے جائے گا جو ان اوصاف کے لحاظ سے اس کے مقابلہ میں ناقص ہوں گے۔

مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، مصلح ہو یا مفسد، غرض جو کچھ بھی ہو، وہ اگر کارگر انسان ہو سکتا ہے تو صرف اسی صورت میں جب کہ اس کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو، عزم اور حوصلہ ہو، صبر و ثبات اور استقلال ہو، تحمل اور برداشت ہو، ہمت اور شجاعت ہو، مستعدی اور جفاکشی ہو، اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لئے ہر چیز قربان کر دینے کا بل بوتا ہو، حزم و احتیاط اور معاملہ فہمی و تدبر ہو، ضابطگی کے ساتھ کام کرنے کا سلیقہ ہو، فرض شناسی اور احساس ذمہ داری ہو، حالات کو

سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدبیر کرنے کی قابلیت ہو، اپنے جذبات، خواہشات اور ہیجانات پر قابو ہو، اور دوسرے انسانوں کو موہنے، ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔

پھر ناگزیر ہے کہ اس کے اندر وہ شریفانہ خصائل بھی کچھ نہ کچھ موجود ہوں جو فی الحقیقت جوہر آدمیت ہیں اور جن کی بدولت آدمی کا وقار و اعتبار دنیا میں قائم ہوتا ہے، مثلاً خودداری، فیاضی، رحم، ہمدردی، انصاف، وسعتِ قلب و نظر، سچائی، امانت، راستبازی، پاس عہد، معقولیت، اعتدال، شائستگی، طہارت و نظافت اور ذہن و نفس کا انضباط۔

یہ اوصاف اگر کسی قوم یا گروہ کے بیشتر افراد میں موجود ہوں تو گویا یوں سمجھئے کہ اس کے پاس وہ سرمایۂ انسانیت موجود ہے جس سے ایک طاقتور اجتماعیت وجود میں آسکتی ہے۔ لیکن یہ سرمایہ مجتمع ہو کر بالفعل ایک مضبوط و مستحکم اور کارگر اجتماعی طاقت نہیں بن سکتا جب تک کہ کچھ دوسرے اخلاقی اوصاف بھی اس کی مدد پر نہ آئیں، مثلاً تمام یا بیشتر افراد کسی اجتماعی نصب العین پر متفق ہوں، اور اس نصب العین کو اپنی انفرادی اغراض بلکہ اپنی جان و مال اور اولاد سے بھی عزیز تر رکھیں، ان کے اندر آپس کی محبت اور ہمدردی ہو، انہیں مل کر کام کرنا آتا ہو، وہ اپنی خودی و نفسانیت کو کم از کم اس حد تک قربان کر سکیں جو منظم سعی کے لئے ناگزیر ہے، وہ صحیح و غلط رہنما میں تمیز کر سکتے ہوں اور موزوں آدمیوں ہی کو اپنا رہنما بنائیں، ان کے رہنماؤں میں اخلاص اور حسن تدبیر اور رہنمائی کی دوسری ضروری صفات موجود ہوں، اور خود قوم یا جماعت بھی اپنے رہنماؤں کی اطاعت کرنا جانتی ہو، ان پر اعتماد رکھتی ہو اور اپنے تمام

ذہنی، جسمانی اور مادی ذرائع ان کے تصرف میں دے دینے پر تیار ہو۔ نیز پوری قوم کے اندر ایسی زندہ اور حساس رائے عام پائی جاتی ہو جو کسی ایسی چیز کو اپنے اندر پنپنے نہ دے جو اجتماعی فلاح کے لئے نقصان دہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاقیات جن کو میں "بنیادی انسانی اخلاقیات" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں، کیونکہ فی الواقع یہی اخلاقی اوصاف انسان کی اخلاقی طاقت کا اصل منبع ہیں اور انسان کسی مقصد کے لئے بھی دنیا میں کامیاب سعی نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ ان اوصاف کا زور اس کے اندر موجود نہ ہو۔ ان اخلاقیات کی مثال ایسی ہے جیسے فولاد کہ وہ اپنی ذات میں مضبوطی و استحکام رکھتا ہے، اور اگر کوئی کارگر ہتھیار بن سکتا ہے تو اسی سے بن سکتا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ غلط مقصد کے لئے استعمال ہو یا صحیح مقصد کے لئے۔ آپ کے پیشِ نظر صحیح مقصد ہو تب بھی آپ کے لئے مفید وہی ہتھیار ہو سکتا ہے جو فولاد سے بنا ہوا ہو نہ کہ سڑی ہوئی پھسپھسی لکڑی سے جو ایک ذرا سے بوجھ اور معمولی سی چوٹ کی تاب بھی نہ لا سکتی ہو۔ یہی وہ بات ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ "خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ" "تم میں جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے وہی اسلام میں بھی اچھے ہیں" یعنی زمانہ جاہلیت میں جو لوگ اپنے اندر جوہر قابل رکھتے تھے وہی زمانہ اسلام میں مردانِ کار ثابت ہوئے فرق صرف یہ ہے کہ ان کی قابلیتیں پہلے غلط راہوں میں صرف ہو رہی تھیں اور اسلام نے آ کر انہیں صحیح راہ پر لگا دیا۔ مگر بہر حال ناکارہ انسان نہ جاہلیت کے کسی کام کے تھے نہ اسلام کے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں جو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑی ہی مدت گذرنے کے بعد دریائے

سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک دنیا کے ایک بڑے حصے نے محسوس کر لیئے - اس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا جس کے اندر کیرکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی - اگر خدانخواستہ آپ کو بودے، کم ہمت، ضعیف الارادہ اور ناقابلِ اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے -

اسلامی اخلاقیات

اب اخلاقیات کے دوسرے شعبے کو لیجیئے جسے میں "اسلامی اخلاقیات" کے لفظ سے تعبیر کر رہا ہوں - یہ بنیادی انسانی اخلاقیات سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسی کی تصحیح اور تکمیل ہے -

اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ بنیادی انسانی اخلاقیات کو ایک صحیح مرکز و محور مہیا کر دیتا ہے، جس سے وابستہ ہو کر وہ سراپا خیر بن جاتے ہیں - اپنی ابتدائی صورت میں یہ اخلاقیات مجرد ایک قوت ہیں، جو خیر بھی ہو سکتی ہے اور شر بھی - جس طرح تلوار کا حال ہے کہ وہ بس ایک کاٹ ہے جو ڈاکو کے ہاتھ میں جا کر آلۂ ظلم بھی بن سکتی ہے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے ہاتھ میں جا کر وسیلۂ خیر بھی - اسی طرح ان اخلاقیات کی طاقت بھی کسی شخص یا گروہ میں ہونا بجائے خود خیر نہیں ہے بلکہ اس کا خیر ہونا موقوف ہے اس امر پر کہ یہ قوت صحیح راہ میں صرف ہو - اس کو صحیح راہ پر لگانے کی خدمت اسلام انجام دیتا ہے - اسلام کی دعوتِ توحید کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی تمام کوششوں اور محنتوں اور دوڑ دھوپ کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو - وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ[1] - اور اس کا پورا

---

[1] خدایا ہماری ساری کوششیں اور ساری دوڑ دھوپ تیری ہی خوشنودی کے لئے ہے -

دائرہ فکر و عمل ان حدود سے محدود ہو جائے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دی ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ[1] اس اساسی اصلاح کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی اخلاقیات جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے، صحیح راہ پر لگ جاتے ہیں اور وہ قوت جو ان اخلاقیات کی موجودگی سے پیدا ہوتی ہے بجائے اس کے نفس یا خاندان یا قوم یا ملک کی سربلندی پر ہر ممکن طریقے سے صرف ہو، خالص حق کی پر صرف جائز طریقوں سے صرف ہونے لگتی ہے۔ یہی چیز اس کو ایک مجرد قوت کے مرتبے سے اٹھا کر ایجاباً ایک بھلائی اور دنیا کے لئے ایک رحمت بنا دیتی ہے۔

دوسرا کام جو اخلاق کے باب میں اسلام کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ بنیادی انسانی اخلاقیات کو مستحکم بھی کرتا ہے اور پھر ان کے اطلاق کو انتہائی حدود تک وسیع بھی کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر صبر کو لیجئے۔ بڑے سے بڑے صابر آدمی میں بھی جو صبر دنیوی اغراض کے لئے ہو اور جسے شرک یا مادہ پرستی کی فکری جڑوں سے غذا مل رہی ہو، اس کے برداشت اور اس کے ثبات و قرار کی بس ایک حد ہوتی ہے جس کے بعد وہ گھبرا اٹھتا ہے۔ لیکن جس صبر کو توحید کی جڑ سے غذا ملے اور جو دنیا کے لئے نہیں بلکہ اللہ رب العٰلمین کے لئے ہو وہ تحمل و برداشت اور پامردی کا ایک اتھاہ خزانہ ہوتا ہے جسے دنیا کی تمام ممکن مشکلات مل کر بھی لوٹ نہیں سکتیں۔ پھر غیر مسلم کا صبر نہایت محدود نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ابھی تو گولوں اور گولیوں

---

[1] خدایا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز اور سجدے کرتے ہیں۔

کی بوچھاڑ میں نہایت استقلال کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا۔ اور ابھی جو جذبات شہوانی کی تسکین کا کوئی موقع سامنے آیا تو وہ نفس امارہ کی ایک معمولی تحریک کے مقابلہ میں بھی نہ ٹھہر سکا۔ لیکن اسلام صبر کو انسان کی پوری زندگی میں پھیلا دیتا ہے اور اسے صرف چند مخصوص قسم کے خطرات، مصائب اور مشکلات ہی کے مقابلہ میں نہیں بلکہ ہر اس لالچ، ہر اس خوف، ہر اس اندیشے اور ہر اس خواہش کے مقابلہ میں ٹھہراؤ کی ایک ایسی زبردست طاقت بنا دیتا ہے جو آدمی کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ درحقیقت اسلام مومن کی پوری زندگی کو ایک صابرانہ زندگی بناتا ہے جس کا بنیادی اصول ہی یہ ہے کہ عمر بھر صحیح طرزِ خیال اور صحیح طرزِ عمل پر قائم رہو خواہ اس میں کتنے ہی خطرات و نقصانات اور مشکلات ہوں اور اس دنیا کی زندگی میں اس کا کوئی مفید نتیجہ نکلتا نظر نہ آئے، اور کبھی فکر و عمل کی برائی اختیار نہ کرو خواہ فائدوں اور امیدوں کا کیسا ہی خوشنما سبز باغ تمہارے سامنے لہلہا رہا ہو۔ یہ آخرت کے قطعی نتائج کی توقع پر دنیا کی ساری زندگی میں بدی سے رکنا اور خیر کی راہ پر جم کر چلنا اسلامی صبر ہے اور اس کا ظہور لازماً ان شکلوں میں بھی ہوتا ہے جو بہت محدود پیمانے پر کفار کی زندگی میں نظر آتی ہیں۔ اسی خیال پر دوسرے تمام بنیادی اخلاقیات کو بھی آپ قیاس کر سکتے ہیں جو کفار کی زندگی میں صحیح فکری بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف اور محدود رہتے ہیں اور اسلام ان سب کو ایک صحیح بنیاد دے کر محکم بھی کرتا ہے اور وسیع بھی کر دیتا ہے۔

اسلام کا تیسرا اہم کام یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاقیات کی ابتدائی منزل پر اخلاق فاضلہ کی ایک نہایت شاندار بالائی منزل تعمیر کرتا ہے جس کی بدولت انسان اپنے شرف کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس کے نفس کو خود غرضی سے، نفسانیت

سے ظلم سے، بے حیائی اور خداعت اور بے قیدی سے پاک کر دیتا ہے، اس میں خدا ترسی، تقویٰ و پرہیزگاری اور حق پرستی پیدا کرتا ہے، اس کے اندر اخلاقی ذمہ داریوں کا شعور و احساس ابھارتا ہے، اس کو ضبط نفس کا خوگر بناتا ہے، اسے تمام مخلوقات کے لئے کریم، فیاض، رحیم، ہمدرد، امین، بے غرض، خیر خواہ، بے لوث منصف، اور ہر حال میں صادق و راستباز بنا دیتا ہے، اور اس میں ایک ایسی بلند پایہ سیرت پرورش کرتا ہے جس سے ہمیشہ صرف بھلائی ہی متوقع ہو اور برائی کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ پھر اسلام آدمی کو محض نیک ہی بنانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ حدیث رسولؐ کے الفاظ میں وہ اسے مفتاحٌ للخیر مغلاق الشر یعنی بھلائی کا دروازہ کھولنے والا اور برائی کا دروازہ بند کرنے والا بناتا ہے، یعنی وہ ایک مشن اس کے سپرد کرتا ہے کہ دنیا میں بھلائی پھیلائے اور برائی کو روکے اس سیرت و اخلاق میں فطرۃً وہ حسن ہے، وہ کشش ہے، وہ بلا کی قوت تسخیر ہے کہ اگر کوئی منظم جماعت اس سیرت کی حامل ہو اور عملاً اپنے اس مشن کے لئے کام بھی کرے جو اسلام نے اس کے سپرد کیا ہے، تو اس کی جہانگیری کا مقابلہ کرنا دنیا کی کسی قوت کے بس کا کام نہیں ہے۔

سنت اللہ در باب امامت کا خلاصہ

اب میں چند الفاظ میں اس سنت اللہ کو بیان کئے دیتا ہوں جو امامت کے باب میں ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور جب تک نوع انسانی اپنی موجودہ فطرت پر زندہ ہے اس وقت تک برابر جاری رہے گی اور وہ یہ ہے۔

اگر دنیا میں کوئی منظم انسانی گروہ ایسا موجود نہ ہو جو اسلامی اخلاقیات اور بنیادی

انسانی اخلاقیات دونوں سے آراستہ ہو اور پھر مادی اسباب وسائل بھی استعمال کرے تو دنیا کی امامت وقیادت لازماً کسی ایسے گروہ کے قبضے میں دے دی جاتی ہے جو بنیادی انسانی اخلاقیات اور مادی اسباب ووسائل کے اعتبار سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہرحال اپنی دنیا کا انتظام چاہتا ہے اور یہ انتظام اسی گروہ کے سپرد کیا جاتا ہے جو موجود الوقت گروہوں میں اہل تر ہو۔

لیکن اگر کوئی منظم گروہ ایسا موجود ہو جو اسلامی اخلاقیات اور بنیادی انسانی اخلاقیات دونوں میں باقی ماندہ انسانی دنیا پر فضیلت رکھتا ہو، اور وہ مادی اسباب ووسائل کے استعمال میں بھی کوتاہی نہ کرے، تو یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا گروہ دنیا کی امامت وقیادت پر قابض رہ سکے۔ ایسا ہونا فطرت کے خلاف ہے، اللہ کی اس سنت کے خلاف ہے جو انسانوں کے معاملہ میں اس نے مقرر کر رکھی ہے، ان وعدوں کے خلاف ہے جو اللہ نے اپنی کتاب میں مومنین صالحین سے کئے ہیں، اور اللہ کو ہرگز فساد پسند نہیں ہے کہ اس کی دنیا میں ایک صالح گروہ انتظام عالم کو ٹھیک اس کی رضا کے مطابق درست رکھنے والا موجود ہو اور پھر بھی وہ مفسدوں ہی کے ہاتھ میں اس نظام کی باگ ڈور رہنے دے۔

مگر یہ خیال رہے کہ اس نتیجے کا ظہور صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ایک جماعت صالحہ ان اوصاف کی موجود ہو۔ کسی ایک صالح فرد، یا متفرق طور پر بہت سے صالح افراد موجود ہونے سے استخلاف فی الارض کا نظام تبدیل نہیں ہو سکتا، خواہ وہ وہ افراد اپنی جگہ کیسے ہی زبردست اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ نے استخلاف کے متعلق جتنے وعدے بھی کئے ہیں، منتشر ومتفرق افراد سے نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت

سے کئے ہیں جو دنیا میں اپنے آپ کو عملاً خَیْرَ اُمَّۃٍ اور اُمَّۃً وَّسَطًا ثابت کر دے۔

نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایسے ایک گروہ کے محض وجود میں آجانے ہی سے نظام امامت میں تغیر واقع نہ ہو جائے گا۔ کہ ادھر وہ بنے اور ادھر اچانک آسمان سے کچھ فرشتے اتریں اور فساق و فجار کو اقتدار کی گدی سے ہٹا کر انہیں مسند نشین کر دیں، بلکہ اس جماعت کو کفر و فسق کی طاقتوں سے زندگی کے ہر میدان میں ہر ہر قدم پر کشمکش اور مجاہدہ کرنا ہوگا اور اقامت حق کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دے کر اپنی محبت حق اور اپنی اہلیت کا ثبوت دینا پڑے گا۔ یہ ایسی شرط ہے جس سے انبیاء تک مستثنیٰ نہ رکھے گئے کجا کہ آج کوئی اس سے مستثنیٰ ہونے کی توقع کرے۔

بنیادی اخلاقیات اور اسلامی اخلاقیات کی طاقت کا فرق

مادی طاقت اور اخلاقی طاقت کے تناسب کے باب میں قرآن اور تاریخ کے غائر مطالعہ سے جو سنت اللہ میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں اخلاقی طاقت کا سارا انحصار صرف بنیادی انسانی اخلاقیات پر ہو وہاں مادی وسائل بڑی اہمیت رکھتے ہیں حتیٰ کہ اس امر کا بھی امکان ہے کہ اگر ایک گروہ کے پاس مادی وسائل کی طاقت بہت زیادہ ہو تو وہ تھوڑی اخلاقی طاقت سے بھی دنیا پر چھا جاتا ہے اور دوسرے گروہ اخلاقی طاقت میں فائق تر ہونے کے باوجود محض وسائل کی کمی کے باعث دبے رہتے ہیں لیکن جہاں اخلاقی طاقت میں اسلامی اور بنیادی دونوں قسم کے اخلاقیات کا پورا زور شامل ہو وہاں مادی وسائل کی انتہائی کمی کے باوجود اخلاق کو آخر کار ان تمام طاقتوں پر غلبہ حاصل ہو کر رہتا ہے جو مجرد بنیادی اخلاقیات اور مادی سر و سامان

کے بل بوتے پر اٹھی ہوں۔ اس نسبت کو یوں سمجھیے، کہ بنیادی اخلاقیات کے ساتھ اگر سو درجے مادی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تو اسلامی اور بنیادی اخلاقیات کی مجموعی قوت کے ساتھ صرف ۲۵ درجے مادی طاقت کافی ہوجاتی ہے۔ باقی ۷۵ فی صدی قوت کی کمی کو محض اسلامی اخلاق کا زور پورا کر دیتا ہے۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ اسلامی اخلاق اگر اس پیمانے کا ہو جو حضور اور آپ کے صحابہ کا تھا تو صرف دس فی صد مادی طاقت سے بھی کام چل جاتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کی طرف آیت اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ[1] میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ آخری بات جو میں نے عرض کی ہے اسے محض خوش عقیدگی پر محمول نہ کیجیے اور نہ یہ گمان کیجیے کہ میں کسی معجزہ و کرامت کا آپ سے ذکر کر رہا ہوں۔ نہیں، یہ بالکل ایک فطری حقیقت ہے۔ جو اس عالم اسباب میں قانون علت و معلول کے تحت پیش آتی ہے اور ہر وقت رونما ہو سکتی ہے اگر اس کی علت موجود ہو۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آگے بڑھنے سے پہلے چند الفاظ میں اس کی تشریح کر دوں کہ اسلامی اخلاقیات سے (جن میں بنیادی اخلاقیات خود بخود شامل ہیں) مادی اسباب کی ۷۵ فی صد بلکہ ۹۰ فی صد تک کمی کس طرح پوری ہوجاتی ہے۔

اس چیز کو سمجھنے کے لئے آپ ذرا خود اپنے زمانہ ہی کی بین الاقوامی صورت حال پر نگاہ ڈال کر دیکھیے۔ ابھی آپ کے سامنے وہ فساد عظیم جو آج سے ساڑھے پانچ سال پہلے شروع

---

[1] اگر تم میں سے بیس صابر آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے۔ (الانفال)

ہوا تھا[1] جرمنی کی شکست پر ختم ہوا ہے اور جاپان کی شکست بھی قریب نظر آرہی ہے جہاں تک بنیادی اخلاقیات کا تعلق ہے، ان کے اعتبار سے اس فساد کے دونوں فریق قریباً مساوی ہیں۔ بلکہ بعض پہلوؤں سے جرمنی اور جاپان نے اپنے حریفوں کے مقابلہ میں زیادہ زبردست اخلاقی طاقت کا ثبوت دیا ہے۔ جہاں تک علوم طبیعی اور ان کے عملی استعمال کا تعلق ہے اس میں بھی دونوں فریق برابر ہیں، بلکہ اس معاملہ میں کم از کم جرمنی کی فوقیت تو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مگر صرف ایک چیز ہے جس میں ایک فریق دوسرے فریق سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے، اور وہ ہے مادی اسباب کی موافقت اس کے پاس آدمی اپنے دونوں حریفوں (جرمنی اور جاپان) سے کئی گنے زیادہ ہیں اس کو مادی وسائل ان کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ حاصل ہیں۔ اس کی جغرافی پوزیشن ان سے بہتر ہے اور اس کو تاریخی اسباب نے ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ بہتر حالات فراہم کر دئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کو فتح نصیب ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آج کسی ایسی قوم کے لئے بھی جس کی تعداد کم ہو اور جس کی دسترس میں مادی وسائل کم ہوں۔ اس امر کا امکان نظر نہیں آتا کہ وہ کثیر التعداد اور کثیر الوسائل قوموں کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے، خواہ وہ بنیادی اخلاقیات میں اور طبعی علوم کے استعمال میں ان سے کچھ بڑھ ہی کیوں نہ جائے۔ اس لئے کہ بنیادی اخلاق اور طبعی علوم کے بل پر اٹھنے والی قوم کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ خود اپنی قومیت کی پرستار ہوگی اور دنیا کو اپنے لئے مسخر کرنا چاہے گی یا پھر وہ کچھ عالمگیر اصولوں کی حامی بن کر اٹھے گی۔ اور دوسری قوموں کو

---

[1] اشارہ ہے جنگ عظیم نمبر ۲ کی طرف جو اس تقریر کے وقت جاری تھی۔

ان کی طرف دعوت دے گی۔ پہلی صورت میں تو اس کے لئے کامیابی کی کوئی شکل بجز اس کے ہے ہی نہیں کہ وہ مادی طاقت اور وسائل میں دوسروں سے فائق تر ہو، کیونکہ وہ تمام قومیں جن پر اس کی اس حرص اقتدار کی زد پڑ رہی ہو گی، انتہائی غصہ و نفرت کے ساتھ اس کی مزاحمت کریں گی اور اس کا راستہ روکنے میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گی۔ رہی دوسری صورت تو اس میں بلاشبہ اس کا امکان تو ضرور ہے کہ قوموں کے دل اور دماغ خود بخود اس کی اصولی دعوت سے مسخر ہوتے چلے جائیں اور اسے مزاحمتوں کو راستے سے ہٹانے میں بہت تھوڑی قوت استعمال کرنی پڑے، لیکن یہ یاد رہنا چاہیئے کہ دل صرف چند خوش آیند اصولوں ہی سے مسخر نہیں ہو جایا کرتے بلکہ انہیں مسخر کرنے کے لئے وہ حقیقی خیر خواہی، نیک نیتی، راستبازی، بے غرضی، فراخ دلی، فیاضی، ہمدردی اور شرافت و عدالت درکار ہے جو جنگ اور صلح، فتح اور شکست، دوستی اور دشمنی، تمام حالات کی کڑی آزمائشوں میں کھری اور بے لوث ثابت ہو، اور یہ چیز اخلاق فاضلہ کی اس بلند منزل سے تعلق رکھتی ہے جس کا مقام بنیادی اخلاقیات سے بہت برتر ہے یہی وجہ ہے کہ مجرد بنیادی اخلاقیات اور مادی طاقت کے بل پر اٹھنے والے خواہ کھلے قوم پرست ہوں یا پوشیدہ قوم پرستی کے ساتھ کچھ عالمگیر اصولوں کی دعوت و حمایت کا ڈھونگ رچائیں، آخر کار ان کی ساری جدوجہد اور کشمکش خالص شخصی یا طبقاتی یا قومی خود غرضی ہی پر آٹھہرتی ہے، جیسا کہ آج آپ امریکہ اور برطانیہ اور روس کی سیاست خارجیہ میں نمایاں طور پر دیکھ سکتے ہیں۔ ایسی کشمکش میں یہ ایک بالکل فطری امر ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں ایک مضبوط چٹان بن کر کھڑی ہو جاتے اور اپنی پوری خلاقی

و مادی طاقت اس کی مزاحمت میں صرف کر دے اور اپنے حدود میں اس کو ہرگز راہ دینے کے لئے تیار نہ ہو جب تک کہ مخالف کی برتر مادی قوت اس کو بےبس کر نہ رکھ دے۔

اچھا اب ذرا تصور کیجئے کہ اسی ماحول میں ایک ایسا گروہ (خواہ وہ ابتداءً ایک ہی قوم میں سے اٹھا ہو مگر "قوم" کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک "جماعت" کی حیثیت سے اٹھا ہو) پایا جاتا ہے، جو شخصی طبقاتی اور قومی خودغرضیوں سے بالکل پاک ہے۔ اس کی سعی وجہد کی کوئی غرض اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ نوعِ انسانی کی فلاح چند اصولوں کی پیروی میں دیکھتا ہے اور انسانی زندگی کا نظام ان پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ ان اصولوں پر جو سوسائٹی وہ بناتا ہے اس میں قومی و وطنی اور طبقاتی و نسلی امتیازات بالکل مفقود ہیں۔ تمام انسان اس میں یکساں حقوق اور مساوی حیثیت سے شامل ہو سکتے ہیں۔ اس میں رہنمائی و قیادت کا منصب ہر اس شخص یا مجموعۂ اشخاص کو حاصل ہو سکتا ہے جو ان اصولوں کی پیروی میں سب پر فوقیت لے جائے قطع نظر اس سے کہ اس کی نسلی و وطنی قومیت کچھ ہی ہو، حتیٰ کہ اس میں اس امر کا بھی امکان ہے کہ اگر مفتوح ایمان لا کر اپنے آپ کو صالح تر ثابت کر دے تو فاتح اپنی سرفروشیوں اور جاں فشانیوں کے سارے ثمرات ان کے قدموں میں لا کر رکھ دے اور اس کو امام مان کر خود مقتدی بننا قبول کر لے۔ یہ گروہ جب اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو وہ لوگ جو اس کے اصولوں کو چلنے دینا نہیں چاہتے، اس کی مزاحمت کرتے ہیں اور اس طرح فریقین میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ مگر اس کشمکش میں جتنی شدت بڑھتی جاتی ہے یہ گروہ اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں اتنے ہی زیادہ افضل و اشرف اخلاق کا ثبوت دیتا چلا

جاتا ہے۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیتا ہے کہ واقعی وہ خلق اللہ کی بھلائی کے سوا کوئی دوسری غرض پیش نظر نہیں رکھتا۔ اس کی دشمنی اپنے مخالفوں کی ذات یا قومیت سے نہیں بلکہ صرف ان کی ضلالت و گمراہی سے ہے جسے وہ چھوڑ دیں تو وہ اپنے خون کے پیاسے دشمن کو بھی سینے سے لگا سکتا ہے اسے لالچ ان کے مال و دولت یا ان کی تجارت و صنعت کا نہیں بلکہ خود انہی کی اخلاقی و روحانی فلاح کا ہے جو حاصل ہو جائے تو ان کی دولت انہی کو مبارک رہے۔ وہ سخت سے سخت آزمائش کے موقعوں پر جھوٹ، دغا اور مکر و فریب سے کام نہیں لیتا۔ ٹیڑھی چالوں کا جواب بھی سیدھی تدبیروں سے دیتا ہے۔ انتقام کے جوش میں بھی ظلم و زیادتی پر آمادہ نہیں ہوتا۔ جنگ کے سخت لمحوں میں بھی ان اپنے اصولوں کی پیروی نہیں چھوڑتا جن کی دعوت دینے کے لئے وہ اٹھا ہے۔ سچائی، وفائے عہد اور حسن معاملت پر ہر حال میں قائم رہتا ہے۔ بے لاگ انصاف کرتا ہے اور امانت و دیانت کے اس معیار پہ پورا اترتا ہے جسے ابتداءً اس نے دنیا کے سامنے معیار کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ مخالفین کی زانی، شرابی، جواری اور سنگدل، بے رحم فوجوں سے جب اس گروہ کے خداترس، پاکباز، عبادت گزار، نیک دل اور رحیم و کریم مجاہدوں کا مقابلہ پیش آتا ہے تو فرداً فرداً ان کی انسانیت، ان کی درندگی و حیوانیت پر فائق نظر آتی ہے۔ وہ ان کے پاس زخمی یا قیدی بن کر آتے ہیں تو یہاں ہر طرف نیکی، شرافت اور پاکیزگی کا ماحول دیکھ کر ان کی آلودۂ نجاست روحیں بھی پاک ہونے لگتی ہیں، اور یہ وہاں گرفتار ہو کر جاتے ہیں تو ان کا جوہر انسانیت اس تاریک ماحول میں اور زیادہ چمک اٹھتا ہے۔ ان کو کسی علاقے پر غلبہ حاصل ہوتا ہے تو مفتوح آبادی کو انتقام کی جگہ

عفو، ظلم و جور کی جگہ رحم و انصاف، شقاوت کی جگہ ہمدردی، تکبر و نخوت کی جگہ حلم و تواضع، گالیوں کی جگہ دعوتِ خیر، جھوٹے پروپیگنڈوں کی جگہ حق کی تبلیغ کا تجربہ ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھ کر عش عش کرنے لگتے ہیں کہ فاتح سپاہی نہ تو ان سے عورتیں مانگتے ہیں، نہ دبے چھپے مال ٹٹولتے پھرتے ہیں، نہ ان کے صنعتی رازوں کا سراغ لگاتے ہیں، نہ ان کی معاشی طاقت کو کچلنے کی فکر کرتے ہیں، نہ ان کی قومی عزت کو ٹھوکر مارتے ہیں بلکہ انہیں اگر کچھ فکر ہے تو یہ کہ جو ملک اب ان کے چارج میں ہے اس کے باشندوں میں سے کسی کی عصمت خراب نہ ہو، کسی کے مال کو نقصان نہ پہنچے، کوئی اپنے جائز حقوق سے محروم نہ ہو، کوئی بداخلاقی ان کے درمیان پرورش نہ پاسکے اور اجتماعی ظلم و جور کسی شکل میں بھی وہاں باقی نہ رہے۔ بخلاف اس کے جب فریق مخالف کسی علاقے میں گھس آتا ہے تو وہاں کی ساری آبادی اس کی زیادتیوں، بے رحمیوں سے چیخ اٹھتی ہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ ایسی لڑائی میں قوم پرستانہ لڑائیوں کی بہ نسبت کتنا بڑا فرق واقع ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسے مقابلہ میں بالاتر انسانیت کم تر مادی سرو سامان کے باوجود اپنے مخالفوں کی آہن پوش حیوانیت کو آخر کار شکست دے کر رہے گی، اخلاق فاضلہ کے ہتھیار توپ و تفنگ سے زیادہ دور مار ثابت ہوں گے، عین حالت جنگ میں دشمن دوستوں میں تبدیل ہوں گے، جسموں سے پہلے دل مسخر ہوں گے۔ آبادیوں کی آبادیاں لڑے بھڑے بغیر مفتوح ہو جائیں گی اور یہ صالح گروہ جب ایک مرتبہ مٹھی بھر جمعیت اور تھوڑے سے سرو سامان کے ساتھ کام شروع کردے گا تو رفتہ رفتہ خود مخالف کیمپ ہی سے اس کو جنرل، سپاہی، ماہرین فنون، اسلحہ، رسد، سامان جنگ سب کچھ حاصل ہوتے چلے جائیں گے۔

یہ جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں یہ نرا قیاس اور اندازہ نہیں ہے بلکہ اگر آپ کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دورِ مبارک کی تاریخی مثال موجود ہو تو آپ پر واضح ہو جائے گا، کہ فی الواقع اس سے پہلے یہی کچھ ہو چکا ہے اور آج بھی یہی کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ کسی میں یہ تجربہ کرنے کی ہمت ہو۔

حضرات! مجھے یہ توقع ہے کہ اس تقریر سے یہ حقیقت آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ طاقت کا اصل منبع اخلاقی طاقت ہے اور اگر دنیا میں کوئی منظم گروہ ایسا موجود ہو جو بنیادی اخلاقیات کے ساتھ اسلامی اخلاقیات کا زور بھی اپنے اندر رکھتا ہو اور مادی وسائل سے بھی کام لے تو یہ بات عقلاً محال اور فطرۃً غیر ممکن ہے کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسرا گروہ دنیا کی امامت و قیادت پر قابض رہ سکے۔ اس کے ساتھ مجھے امید ہے کہ آپ نے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ مسلمانوں کی موجودہ پست حالی کا اصل سبب کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ نہ مادی وسائل سے کام لیں، نہ بنیادی اخلاقیات سے آراستہ ہوں۔ اور نہ اجتماعی طور پر ان کے اندر اسلامی اخلاقیات ہی پائے جائیں وہ کسی طرح امامت کے منصب پر فائز نہیں رہ سکتے اور اور خدا کی اٹل سے لاگ سنت کا تقاضا یہی ہے کہ ان پر ایسے کافروں کو ترجیح دی جائے جو اسلامی اخلاقیات سے عاری ہی مگر کم از کم بنیادی اخلاقیات اور مادی وسائل کے استعمال میں تو بڑھے ہوئے ہوں اور اپنے آپ کو ان کی بہ نسبت انتظام دنیا کے لئے اہل تر ثابت کر رہے ہوں۔ اس معاملہ میں اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو سنت اللہ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ہونی چاہیئے اور اس شکایت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ آپ اب اپنی اس خامی کو دور کرنے کی فکر کریں جس نے آپ کو امام سے مقتدی اور پیش رو

سے پس رو بنا کر چھوڑا ہے۔

اس کے بعد ضرورت ہے کہ میں صاف اور واضح طریقہ سے آپ کے سامنے اسلامی اخلاقیات کی بنیادوں کو بھی پیش کر دوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس معاملہ میں عام طور پر مسلمانوں کے تصورات بری طرح الجھے ہوئے ہیں اور اس الجھن کی وجہ سے بہت ہی کم آدمی یہ جانتے ہیں کہ اسلامی اخلاقیات فی الواقع کس چیز کا نام ہے اور اس پہلو سے انسان کی تربیت و تکمیل کے لئے کیا چیزیں کس ترتیب و تدریج کے ساتھ اس کے اندر پرورش کی جانی چاہئیں۔

اسلامی اخلاقیات کے چار مراتب

جس چیز کو ہم اسلامی اخلاقیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ قرآن اور حدیث کی رو سے دراصل چار مراتب پر مشتمل ہے۔ ایمان[۱]۔ اسلام[۲]۔ تقویٰ[۳] اور احسان[۴] یہ چاروں مراتب یکے بعد دیگرے اس فطری ترتیب پر واقع ہیں کہ ہر بعد کا مرتبہ پہلے مرتبے سے پیدا اور لازماً اسی پر قائم ہوتا ہے، اور جب تک نیچے والی منزل پختہ و محکم نہ ہو جائے دوسری منزل کی تعمیر کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس پوری عمارت میں ایمان کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے۔ پھر اس کے اوپر تقویٰ اور سب سے اوپر احسان کی منزلیں اٹھتی ہیں۔ ایمان نہ ہو تو اسلام و تقویٰ یا احسان کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں۔ ایمان کمزور ہو تو اس پر کسی بالائی منزل کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا، یا ایسی کوئی منزل تعمیر کر بھی دی جائے تو وہ بودی اور متزلزل ہوگی۔ ایمان محدود ہو تو جتنے حدود میں وہ محدود ہوگا، اسلام، تقویٰ اور احسان بھی بس

انہی حدود تک محدود رہیں گے۔ پس جب تک ایمان پوری طرح صحیح، پختہ اور دسیع نہ ہو، کوئی مرد عاقل جو دین کا فہم رکھتا ہو، اسلام، تقویٰ یا احسان کی تعمیر کا خیال نہیں کرسکتا۔ اسی طرح تقویٰ سے پہلے اسلام اور احسان سے پہلے تقویٰ کی تصحیح، پختگی اور توسیع ضروری ہے۔ لیکن اکثر ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس فطری و اصولی ترتیب کو نظر انداز کرکے ایمان و اسلام کی تکمیل کے بغیر تقویٰ و احسان کی باتیں شروع کردیتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ ہے کہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں ایمان و اسلام کا ایک نہایت محدود تصوّر جاگزیں ہے اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ محض وضع قطع، لباس، نشست و برخواست، اکل و شرب اور ایسی ہی چند ظاہری چیزوں کو ایک مقرر نقشے پر ڈھال لینے سے تقویٰ کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ اور پھر عبادات میں نوافل اذکار، اور اوراد و وظائف اور ایسے ہی بعض اعمال اختیار کرلینے سے احسان کا بلند مقام حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ بسا اوقات اسی تقویٰ اور احسان کے ساتھ ساتھ لوگوں کی زندگیوں میں ایسی صریح علامات بھی نظر آتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان کا ایمان ہی سرے سے درست اور پختہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غلطیاں جب تک موجود ہیں، کسی طرح یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ ہم اسلامی اخلاقیات کا نصاب پورا کرنے میں کبھی کامیاب ہوسکیں گے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمیں ایمان، اسلام، تقویٰ، اور احسان کے ان چاروں مراتب کا پورا پورا تصور بھی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ہم ان کی فطری ترتیب کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔

۱۔ ایمان

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایمان کو لیجیے جو اسلامی زندگی کی بنیاد ہے۔ ہر شخص

جانتا ہے کہ توحید و رسالت کے اقرار کا نام ایمان ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اقرار کر لے تو اس سے وہ قانونی شرط پوری ہو جاتی ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے رکھی گئی ہے اور وہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے مگر کیا یہی سادہ اقرار، جو ایک قانونی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے، اس غرض کے لئے بھی کافی ہو سکتا ہے کہ اسلامی زندگی کی ساری سہ منزلہ عمارت صرف اس بنیاد پر قائم ہو سکے؟ لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں، اور اسی لئے جہاں یہ اقرار موجود ہوتا ہے وہاں عملی اسلام اور تقویٰ اور احسان کی تعمیر شروع کر دی جاتی ہے جو اکثر ہوائی قلعے سے زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن فی الواقع ایک مکمل اسلامی زندگی کی تعمیر کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ ایمان اپنی تفصیلات میں پوری طرح وسیع اور اپنی گہرائی میں اچھی طرح مستحکم ہو۔ اس کی تفصیلات میں سے جو شعبہ بھی چھوٹ جائے گا، اسلامی زندگی کا وہی شعبہ تعمیر ہونے سے رہ جائے گا، اور اس کی گہرائی میں جہاں بھی کسر رہ جائے گی اسلامی زندگی کی عمارت اسی مقام پر بودی ثابت ہو گی۔

مثال کے طور پر ایمان باللہ کو دیکھیے جو دین کی اولین بنیاد ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ خدا کا اقرار اپنی سادہ صورت سے گذر کر جب تفصیلات میں پہنچتا ہے تو اس کی بے شمار صورتیں بن جاتی ہیں۔ کہیں وہ صرف اس حد پر ختم ہو جاتا ہے کہ بے شک خدا موجود ہے اور وہ دنیا کا خالق ہے اور اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ کہیں اس کی انتہائی وسعت بس اتنی ہوتی ہے کہ خدا ہمارا معبود ہے اور ہمیں اس کی پرستش کرنی چاہیئے۔ کہیں خدا کی صفات اور اس کے حقوق و اختیارات کا تصور کچھ زیادہ وسیع

ہو کر بھی اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ عالم الغیب، سمیع و بصیر، سمیع الدعوات و قاضی الحاجات اور "پرستش" کی تمام جزوی شکلوں کا مستحق ہونے میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ کہ "مذہبی معاملات" میں آخری سند خدا ہی کی کتاب ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مختلف تصورات سے ایک ہی طرز کی زندگی نہیں بن سکتی بلکہ جو تصور جتنا محدود ہے، عملی زندگی اور اخلاق میں بھی لازماً اسلامی رنگ اتنا ہی محدود ہوگا، حتیٰ کہ جہاں عام مذہبی تصورات کے مطابق ایمان باللہ اپنی انتہائی وسعت پا پہنچ جائے گا وہاں بھی اسلامی زندگی اس سے آگے نہ بڑھ سکے گی کہ خدا کے باغیوں کی وفاداری اور خدا کی وفاداری ایک ساتھ نباہ لی جائے، یا نظامِ کفر اور نظامِ اسلام کو سمو کر ایک مرکب بنا لیا جائے۔

اسی طرح ایمان باللہ کی گہرائی کا پیمانہ بھی مختلف ہے۔ کوئی خدا کا اقرار کرنے کے باوجود اپنی کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی خدا پر قربان کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، کوئی بعض چیزوں سے خدا کو عزیز تر رکھتا ہے مگر بعض چیزیں اسے خدا سے عزیز تر ہوتی ہیں، کوئی اپنی جان و مال تک خدا پر قربان کر دیتا ہے مگر اپنے رجحانات نفس اور اپنے نظریات و افکار کی قربانی یا اپنی شہرت کی قربانی اسے گوارا نہیں ہوتی۔ ٹھیک ٹھیک اسی تناسب سے اسلامی زندگی کی پائیداری و ناپائیداری بھی متعین ہوتی ہے، اور انسان کا اسلامی اخلاق ٹھیک اسی مقام پر دغا دے جاتا ہے جہاں اس کے نیچے ایمان کی بنیاد کمزور رہ جاتی ہے۔ ایک مکمل انسانی زندگی کی عمارت اگر اٹھ سکتی ہے تو صرف اسی اقرارِ توحید پر اٹھ سکتی ہے جو انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی پر وسیع ہو جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو اور اپنی ہر چیز کو خدا کی ملک سمجھے، اس

کو اپنا اور تمام دنیا کا ایک ہی جائز مالک، معبود، مطاع اور صاحب امر و نہی تسلیم کرے، اسی کو ہدایت کا سرچشمہ مانے، اور پورے شعور کے ساتھ اس حقیقت پر مطمئن ہو جائے کہ خدا کی اطاعت سے انحراف، یا اس کی ہدایت سے بے نیازی، یا اس کی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں غیر کی شرکت جس پہلو اور جس رنگ میں بھی ہے سراسر ضلالت ہے پھر اس عمارت میں استحکام اگر پیدا ہو سکتا ہے تو صرف اس وقت ہو سکتا ہے کہ آدمی پورے شعور اور پورے ارادے کے ساتھ یہ فیصلہ کر لے کہ وہ اور اس کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے۔ اپنے معیار پسند اور ناپسند کو ختم کر کے اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔ اپنی خود سری کو مٹا کر اپنے نظریات، خیالات، خواہشات، جذبات، اور انداز فکر کو اس علم کے مطابق ڈھال لے جو خدا نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ اپنی تمام ان وفاداریوں کو دریا بُرد کر دے جو خدا کی وفاداری کی تابع نہیں بلکہ اس کی مدّمقابل بن سکتی ہوں۔ اپنے دل میں سب سے بلند مقام پر خدا کی محبت کو بٹھائے اور ہر اس بت کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نہاں خانۂ دل سے نکال پھینکے جو خدا کے مقابلہ میں عزیز تر ہونے کا مطالبہ کرتا ہو۔ اپنی محبت اور نفرت، اپنی دوستی اور دشمنی اپنی رغبت اور کراہیت، اپنی صلح اور جنگ ہر چیز کو خدا کی مرضی میں اس طرح گم کر دے کہ اس کا نفس وہی چاہنے لگے جو خدا چاہتا ہے اور اس سے بھاگنے لگے جو خدا کو ناپسند ہے۔ یہ ہے ایمان باللہ کا حقیقی مرتبہ اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں ایمان ہی ان حیثیات سے اپنی وسعت و ہمہ گیری اور اپنی پختگی و مضبوطی میں ناقص ہو وہاں تقویٰ یا احسان کا کیا امکان ہو سکتا ہے کیا اس نقص کی کسر ڈاڑھیوں کے طول اور لباس کی تراش خراش

یا سبحہ گردانی و تہجد خوانی سے پوری کی جا سکتی ہے۔

اسی پر دوسرے ایمانیات کو بھی قیاس کر لیجئے۔ نبوت پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان کا نفس زندگی کے سارے معاملات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہنما نہ مان لے اور اس کی رہنمائی کے خلاف یا اس سے آزاد جتنی رہنمائیاں ہوں ان کو رد نہ کر دے۔ کتاب پر ایمان اس وقت تک ناقص ہی رہتا ہے جب تک نفس میں کتاب اللہ کے بتائے ہوئے اصول زندگی کے سوا کسی دوسری چیز کے تسلط پر رضامندی کا شائبہ بھی باقی ہو یا اتباع مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ کو اپنی اور ساری دنیا کی زندگی کا قانون دیکھنے کے لئے قلب و روح کی بے چینی میں کچھ بھی کسر ہو۔ اسی طرح آخرت پر ایمان بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا جب تک نفس پوری طرح آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے اور اخروی قدروں کے مقابلہ میں دنیوی قدروں کو ٹھکرا دینے پر آمادہ نہ ہو جائے اور آخرت کی جواب دہی کا خیال اسے زندگی کی ہر راہ پر چلتے ہوئے قدم قدم پر کھٹکنے نہ لگے۔ یہ بنیادیں ہی جہاں پوری طرح موجود نہ ہوں آخر وہاں اسلامی زندگی کی عالی شان عمارت کس شے پر تعمیر ہوگی۔ جب لوگوں نے ان بنیادوں کی توسیع و تکمیل اور پختگی کے بغیر ہی تعمیر اخلاق اسلامی کو ممکن سمجھا تب ہی تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے والے جج، غیر شرعی قوانین کی بنیاد پر مقدمے لڑنے والے وکیل، نظام کفر کے ماتحت معاملات زندگی کا انتظام کرنے والے کارکن، کافرانہ اصول تمدن و سیاست پر زندگی کی تشکیل و تاسیس کے لئے لڑنے والے لیڈر اور پیرو، غرض سب کے لئے تقویٰ و احسان کے مراتب عالیہ کا دروازہ کھل گیا بشرطیکہ وہ اپنی زندگی کے ظاہری انداز و اطوار کو ۔۔۔ب خاص

نقشے پر ڈھال لیں۔ اور کچھ نوافل واذکار کی عادت ڈال لیں۔

۲۔ اسلام

ایمان کی یہ بنیادیں، جن کا ابھی میں نے آپ سے ذکر کیا ہے، جب مکمل اور گہری ہو جاتی ہیں۔ تب ان پر اسلام کی منزل تعمیر ہوتی ہے۔ اسلام دراصل ایمان کے عملی ظہور کا دوسرا نام ہے۔ ایمان اور اسلام کا باہمی تعلق ویسا ہی ہے جیسا بیج اور درخت کا تعلق ہوتا ہے۔ بیج میں جو کچھ اور جیسا کچھ موجود ہوتا ہے وہی درخت کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ درخت کا امتحان کرکے بآسانی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بیج میں کیا تھا اور کیا نہ تھا۔ آپ نہ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ بیج نہ ہو اور درخت موجود ہو، اور نہ یہی ممکن ہے کہ زمین بنجر بھی نہ ہو اور بیج اس میں موجود بھی ہو پھر بھی درخت پیدا نہ ہو۔ ایسا ہی معاملہ ایمان اور اسلام کا ہے۔ جہاں ایمان موجود ہوگا، لازماً اس کا ظہور آدمی کی عملی زندگی میں، اخلاق میں، برتاؤ میں، تعلقات کے کٹنے اور جڑنے میں، دوڑ دھوپ کے رخ میں، مذاق و مزاج کی افتاد میں، سعی و جہد کے راستوں میں، اوقات اور قوتوں اور قابلیتوں کے مصرف میں، غرض مظاہر زندگی کے ہر ہر جز میں ہو کر رہے گا۔ ان میں سے جس پہلو میں بھی اسلام کے بجائے غیر اسلام ظاہر ہو رہا ہے یقین کر لیجئے کہ اس پہلو میں ایمان موجود نہیں ہے یا ہے تو بالکل بودا اور بے جان ہے، اور اگر عملی زندگی ساری کی ساری ہی غیر مسلمانہ شان سے بسر ہو رہی ہو تو جان لیجئے کہ دل ایمان سے خالی ہے یا زمین اتنی بنجر ہے کہ ایمان کا بیج برگ و بار نہیں لا رہا ہے۔ بہرحال میں نے جہاں تک قرآن اور حدیث کو سمجھا ہے، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دل میں ایمان ہو اور عمل میں اسلام نہ ہو۔

(اس موقع پر ایک صاحب نے اٹھ کر پوچھا کہ ایمان اور عمل کو آپ ایک ہی چیز سمجھتے ہیں یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ اس کے جواب میں کہا:)

آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنے ذہن سے ان بحثوں کو نکال دیں جو فقہا اور متکلمین نے اس مسئلہ میں کی ہیں اور قرآن سے اس معاملہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ قرآن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادی ایمان اور عملی اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کا ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے اور تمام اچھے وعدے جو اس نے اپنے بندوں سے کیے ہیں انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو اعتقاداً مومن اور عملاً مسلم ہوں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں منافقین کو پکڑا ہے وہاں ان کے عمل ہی کی خرابیوں سے ان کے ایمان کے نقص پر دلیل قائم کی ہے اور عملی اسلام ہی کو حقیقی ایمان کی علامت ٹھیرایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قانونی لحاظ سے کسی شخص کو کافر ٹھیرانے اور اُمت سے اس کا رشتہ کاٹ دینے کا معاملہ دوسرا ہے۔ اور اس میں انتہائی احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے۔ مگر میں یہاں اس ایمان و اسلام کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جس پر دنیا میں فقہی احکام مترتب ہوتے ہیں بلکہ یہاں ذکر اس ایمان و اسلام کا ہے جو خدا کے ہاں معتبر ہے اور جس پر اخروی نتائج مترتب ہونے والے ہیں۔ قانونی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے اگر آپ دیکھیں گے تو یقیناً یہی پائیں گے کہ جہاں عملاً خدا کے آگے سرافگندگی اور سپردگی و حوالگی میں کمی ہے، جہاں نفس کی پسند خدا کی پسند سے مختلف ہے، جہاں خدا کی وفاداری کے ساتھ غیر کی وفاداری نبھ رہی ہے۔ جہاں اقامت دین کی سعی کے بجائے دوسرے مشاغل میں انہماک ہے، جہاں کوششیں اور محنتیں راہِ خدا کے بجائے دوسری راہوں میں صرف ہو رہی ہیں،

وہاں ضرور ایمان میں نقص ہے اور ظاہر ہے کہ ناقص ایمان پر تقوےٰ اور احسان کی تعمیر نہیں ہوسکتی خواہ ظاہر کے اعتبار سے متقیوں کی سی وضع بنانے اور محسنین کے بعض اعمال کی نقل اتارنے کی کتنی ہی کوشش کی جائے۔ ظاہر فریب شکلیں اگر حقیقت کی روح سے خالی ہوں تو ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسی ایک نہایت خوبصورت آدمی کی لاش بہترین وضع وہیئت میں موجود ہو مگر اس میں جان نہ ہو۔ اس خوبصورت لاش کی ظاہری شان سے دھوکا کھا کر آپ کچھ توقعات اس سے وابستہ کریں گے تو واقعات کی دنیا اپنے پہلے ہی امتحان میں اس کا ناکارہ ہونا ثابت کردے گی اور تجربے سے آپ کو خود ہی معلوم ہوجائے گا کہ ایک بدصورت مگر زندہ انسان ایک خوبصورت مگر بے روح لاش سے بہرحال زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ ظاہر فریبیوں سے آپ اپنے نفس کو تو ضرور دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن عالم واقعہ پر کچھ بھی اثر نہیں ڈال سکتے اور نہ خدا کی میزان ہی میں کوئی وزن حاصل کرسکتے ہیں۔ پس اگر آپ کو ظاہری نہیں بلکہ وہ حقیقی تقوےٰ اور احسان مطلوب ہو جو دنیا میں دین کا بول بالا کرنے اور آخرت میں خیر کا پلڑا جھکانے کے لئے درکار ہے۔ تو میری اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیجئے کہ اوپر کی یہ دونوں منزلیں کبھی نہیں اٹھ سکتیں جب تک ایمان کی بنیاد مضبوط نہ ہوجائے اور اس کی مضبوطی کا ثبوت عملی اسلام یعنی بالفعل اطاعت وفرمانبرداری سے نہ مل جائے۔

۳۔ تقویٰ

تقویٰ کی بات کرنے سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ تقویٰ ہے کیا چیز۔ تقویٰ حقیقت میں کسی وضع وہیئت اور کسی خاص طرز معاشرت کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل وہ نفس کی اس کیفیت کا نام ہے جو خدا ترسی اور احساس ذمہ داری سے

پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ہر پہلو میں ظہور کرتی ہے۔ حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ انسان کے دل میں خدا کا خوف ہو، عبدیت کا شعور ہو، خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ہو، اور اس بات کا زندہ ادراک موجود ہو کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے جہاں خدا نے ایک مہلتِ عمر دے کر مجھے بھیجا ہے اور آخرت میں میرے مستقبل کا فیصلہ بالکل اس چیز پر منحصر ہے کہ میں اس دیئے ہوئے وقت کے اندر اس امتحان گاہ میں اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہوں۔ اس سروسامان میں کس طرح تصرف کرتا ہوں جو مشیت الٰہی کے تحت مجھے دیا گیا ہے، اور ان انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں جن سے قضائے الٰہی نے مختلف حیثیتوں سے میری زندگی متعلق کر دی ہے۔ یہ احساس شعور جس شخص کے اندر پیدا ہو جائے اس کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی دینی حس تیز ہو جاتی ہے اس کو ہر وہ چیز کھٹکنے لگتی ہے جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔ اُس کے مذاق کو ہر وہ شے ناگوار ہونے لگتی ہے جو خدا کی پسند سے مختلف ہو۔ وہ اپنے نفس کا آپ جائزہ لینے لگتا ہے کہ میرے اندر کس قسم کے رجحانات و میلانات پرورش پا رہے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کا خود محاسبہ کرنے لگتا ہے کہ میں کن کاموں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کر رہا ہوں۔ وہ صریح ممنوعات کو تو درکنار مشتبہ امور میں بھی مبتلا ہوتے ہوئے خود بخود جھجکنے لگتا ہے اس کا احساس فرض اسے مجبور کر دیتا ہے کہ تمام اوامر کو پوری فرمانبرداری کے ساتھ بجا لائے۔ اس کی خدا ترسی ہر اس موقعہ پر اس کے قدم میں لرزش پیدا کر دیتی ہے۔ جہاں حدود اللہ سے تجاوز کا اندیشہ ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی نگہداشت آپ سے آپ اس کا وتیرہ بن جاتی ہے اور اس

خیال سے بھی اس کا ضمیر کانپ اٹھتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی بات حق کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔ یہ کیفیت کسی ایک شکل یا کسی مخصوص دائرۂ عمل میں ہی ظاہر نہیں ہوتی بلکہ آدمی کے پورے طرزِ فکر اور اس کے تمام کارنامۂ زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس کے اثر سے ایک ایسی ہموار و یک رنگ سیرت پیدا ہوتی ہے جس میں آپ ہر پہلو سے ایک ہی طرز کی پاکیزگی و صفائی پائیں گے۔ بخلاف اس کے جہاں تقوے اس چیز کا نام رکھ لیا گیا ہے کہ آدمی چند مخصوص شکلوں کی پابندی اور مخصوص طریقوں کی پیروی اختیار کرلے اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال لے جس کی پیمائش کی جا سکتی ہو۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ چند اشکال تقویٰ جو سکھا دی گئی ہیں، ان کی پابندی انتہائی اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں وہ اخلاق، وہ طرزِ فکر اور وہ طرزِ عمل بھی ظاہر ہو رہے ہیں جو مقامِ تقویٰ تو درکنار، ایمان کے ابتدائی مقتضیات سے بھی مناسبت نہیں رکھتے۔ یعنی حضرت مسیحؑ کی تمثیلی زبان میں مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اونٹ بے تکلفی کے ساتھ نگلے جا رہے ہیں۔

حقیقی تقویٰ اور مصنوعی تقویٰ کے اس فرق کو یوں سمجھیے کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کے اندر طہارت و نظافت کی حس موجود ہے اور پاکیزگی کا ذوق پایا جاتا ہے۔ ایسا شخص گندگی سے فی نفسہٖ نفرت کرے گا خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو اور طہارت کو بجائے خود اختیار کرے گا خواہ اس کے مظاہر کا احاطہ نہ ہو سکتا ہو۔ بخلاف اس کے ایک دوسرا شخص ہے جس کے اندر طہارت کی حس موجود نہیں ہے مگر وہ گندگیوں اور طہارتوں کی ایک فہرست لیے پھرتا ہے جو کہیں سے اس نے نقل کرلی ہیں، یہ شخص ان

گندگیوں سے تو سخت اجتناب کرے گا جو اس کی فہرست میں لکھی ہوئی ہیں، مگر بے شمار ایسی گھناؤنی چیزوں میں آلودہ پایا جائے گا جو ان گندگیوں سے بدرجہا زیادہ ناپاک ہوں گی جن سے وہ بچ رہا ہے صرف اس وجہ سے کہ وہ اس کی فہرست میں درج ہونے سے رہ گئیں۔ یہ فرق جو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں، یہ محض ایک نظری فرق نہیں ہے بلکہ آپ اس کو اپنی آنکھوں سے ان حضرات کی زندگیوں میں دیکھ سکتے ہیں جن کے تقویٰ کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ایک طرف ان کے ہاں جزئیاتِ شرع کا یہ اہتمام ہے کہ ڈاڑھی ایک خاص مقدار سے کچھ بھی کم ہو تو فسق کا فیصلہ نافذ کر دیا جاتا ہے، پائنچہ ٹخنے سے ذرا نیچے ہو جائے تو جہنم کی وعید سنا دی جاتی ہے اپنے مسلک فقہی کے فروعی احکام سے ہٹنا ان کے نزدیک گویا دین سے نکل جانا ہے، لیکن دوسری طرف دین کے اصول و کلیات سے ان کی غفلت، اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کا مدار انہوں نے رخصتوں اور سیاسی مصلحتوں پر رکھ دیا ہے، اقامتِ دین کی سعی سے گریز کی بے شمار راہیں انہوں نے نکال رکھی ہیں، غلبۂ کفر کے تحت "اسلامی زندگی" کے نقشے بنانے ہی میں ان کی ساری محنتیں اور کوششیں صرف ہو رہی ہیں، اور انہی کی غلط رہنمائی نے مسلمانوں کو اس چیز پر مطمئن کیا ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام کے اندر رہتے ہوئے بلکہ اس کی خدمت کرتے ہوئے بھی ایک محدود دائرے میں مذہبی زندگی بسر کر کے وہ دین کے سارے تقاضے پورے کر سکتے ہیں اور اس سے آگے کچھ مطلوب نہیں ہے جس کے لئے وہ سعی کریں۔ پھر اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے سامنے دین کے اصلی مطالبے پیش کرے اور سعی اقامت دین کی طرف توجہ دلائے

تو صرف یہی نہیں کہ وہ اس کی بات سنی اَن سنی کر دیتے ہیں بلکہ کوئی حیلہ، کوئی بہانہ اور کوئی چال ایسی نہیں چھوڑتے جو اس کام سے خود بچنے اور مسلمانوں کو بچانے کے لئے استعمال نہ کریں۔ اس پر بھی ان کے تقویٰ پر کوئی آنچ نہیں آتی اور نہ مذہبی ذہنیت رکھنے والوں میں سے کسی کو یہ شک ہوتا ہے کہ ان کے تقویٰ میں کوئی کسر ہے۔ اسی طرح حقیقی اور مصنوعی تقویٰ کا فرق بے شمار دوسری شکلوں میں بھی ظاہر ہوتا رہتا ہے مگر آپ اسے تب ہی محسوس کر سکتے ہیں کہ تقویٰ کا اصلی تصور آپ کے ذہن میں واضح طور پر موجود ہو۔

میری ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وضع قطع، لباس اور معاشرت کے ظاہری پہلوؤں کے متعلق جو آداب و احکام حدیث سے ثابت ہیں، میں ان کا استخفاف کرنا چاہتا ہوں، یا انہیں غیر ضروری قرار دیتا ہوں۔ خدا کی پناہ اس سے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خیال ہو۔ دراصل جو کچھ میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل شے حقیقت تقویٰ ہے نہ کہ یہ مظاہر۔ حقیقت تقویٰ جس کے اندر پیدا ہو گی تو اس کی پوری زندگی ہمواری و یک رنگی کے ساتھ اسلامی زندگی بنے گی اور اسلام اپنی پوری ہمہ گیری کے ساتھ اس کے خیالات میں، اس کے جذبات و رجحانات میں، اس کے مذاقِ طبیعت میں، اس کے اوقات کی تقسیم اور اس کی قوتوں کے مصارف میں، اس کی سعی کی راہوں میں، اس کے طرزِ زندگی اور معاشرت میں، اس کی کمائی اور خرچ میں۔ غرض اس کی حیاتِ دنیوی کے سارے ہی پہلوؤں میں رفتہ رفتہ نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ بخلاف اس کے اگر مظاہر کو حقیقت پر مقدم رکھا جائے گا اور ان پر بے جا زور دیا جائے گا اور حقیقی تقویٰ کی تخم ریزی

و آبیاری کے بغیر مصنوعی طور پر چند ظاہری احکام کی تعمیل کرادی جائے گی تو نتائج وہی کچھ ہوں گے جن کا میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا ہے۔ پہلی چیز دیر طلب اور صبر آزما ہے، بتدریج نشوونما پاتی اور ایک مدت کے بعد برگ و بار لاتی ہے، جس طرح بیج سے درخت کے پیدا ہونے اور پھل پھول لانے میں کافی دیر لگا کرتی ہے، اسی لئے سطحی مزاج کے لوگ اس سے اُکتاتے ہیں۔ بخلاف اس کے دوسری چیز جلدی اور آسانی سے پیدا کرلی جاتی ہے، جیسے ایک لکڑی میں پتے اور پھل اور پھول باندھ کر درخت کی سی شکل بنا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تقویٰ کی پیداوار کا یہی ڈھنگ آج مقبول ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جو توقعات ایک فطری درخت سے پوری ہوتی ہیں، وہ اس قسم کے مصنوعی درختوں سے کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔

۴۔ احسان

اب احسان کو لیجئے جو اسلام کی بلند ترین منزل ہے۔ احسان دراصل اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کے ساتھ اس قلبی لگاؤ، اس گہری محبت اس سچی وفاداری اور فدویت و جاں نثاری کا نام ہے جو مسلمان کو فنافی الاسلام کردے۔ تقویٰ کا اساسی تصور خدا کا خوف ہے جو انسان کو اس کی ناراضی سے بچنے پر آمادہ کرے اور احسان کا اساسی تصوّر خدا کی محبت ہے جو آدمی کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ابھارے۔ ان دونوں چیزوں کے فرق کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ حکومت کے ملازموں میں سے ایک گروہ وہ لوگ ہیں جو نہایت فرض شناسی و تن دہی سے وہ تمام خدمات ٹھیک ٹھیک بجالاتے ہیں جو ان کے سپرد کی گئی ہوں۔ تمام ضابطوں اور قاعدوں کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں اور

کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو حکومت کے لیئے قابل اعتراض ہو۔ دوسرا طبقہ ان مخلص وفاداروں اور جان نثاروں کا ہوتا ہے جو دل وجان سے حکومت کے ہوا خواہ ہوتے ہیں، صرف وہی خدمات انجام نہیں دیتے جو ان کے سپرد کی گئی ہوں بلکہ ان کے دل کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ سلطنت کے مفاد کو زیادہ سے زیادہ کس طرح ترقی دی جائے، اور اس دھن میں فرض اور مطالبہ سے زائد کام کرتے ہیں، سلطنت پر کوئی آنچ آئے تو وہ جان ومال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لیئے آمادہ ہوجاتے ہیں، قانون کی کہیں خلاف ورزی ہو تو ان کے دل کو چوٹ لگتی ہے، کہیں بغاوت کے آثار پائے جائیں تو وہ بے چین ہوجاتے ہیں اور اسے فرو کرنے میں جان لڑادیتے ہیں، جان بوجھ کر خود سلطنت کے مفاد کو نقصان پہنچانا تو درکنار اس کے مفاد کو کسی طرح نقصان پہنچتے دیکھنا بھی ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہے اور اس خرابی کے رفع کرنے میں وہ اپنی حد تک کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، ان کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں بس ان کی سلطنت ہی کا بول بالا ہو اور زمین کا کوئی چپہ ایسا باقی نہ رہے جہاں اس کا پھریرا نہ اڑے۔ ان دونوں میں سے پہلی قسم کے لوگ حکومت کے متقی ہیں، اور دوسری قسم کے لوگ اس کے محسن۔ اگرچہ ترقیاں متقین کو بھی ملتی ہیں اور بہرحال ان کے نام اچھے ہی ملازموں کی فہرست میں لکھے جاتے ہیں، مگر جو سرفرازیاں محسنین کے لیئے ہیں ان میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں ہوتا۔ بس اسی مثال پر اسلام کے متقیوں اور محسنوں کو بھی قیاس کرلیجیئے۔ اگرچہ متقین بھی قابل قدر اور قابل اعتماد لوگ ہیں، مگر اسلام کی اصلی طاقت محسنین کا گروہ ہے اور وہ اصلی کام جو اس دنیا میں کرنا چاہتا

ہے اسی گروہ سے بن آسکتا ہے۔

احسان کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ جو لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کے دین کو کفر سے مغلوب دیکھیں، جن کے سامنے حدود اللہ پامال ہی نہیں بلکہ کالعدم کر دی جائیں، خدا کا قانون عملاً ہی نہیں بلکہ باضابطہ منسوخ کر دیا جائے۔ خدا کی زمین پر خدا کا نہیں بلکہ اس کے باغیوں کا بول بالا ہو رہا ہو، نظام کفر کے تسلط سے نہ صرف عام انسانی سوسائٹی میں اخلاقی و تمدنی فساد برپا ہو بلکہ خود امت مسلمہ بھی نہایت سرعت کے ساتھ اخلاقی و عملی گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہو۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے دلوں میں نہ کوئی بے چینی پیدا ہو نہ اس حالت کو بدلنے کے لئے کوئی جذبہ بھڑکے بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے نفس کو اور عام مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے غلبے پر اصولاً و عملاً مطمئن کر دیں، ان کا شمار آخر کار محسنین میں کس طرح ہو سکتا ہے اور اس جرم عظیم کے ساتھ محض یہ بات انہیں احسان کے مقام عالی پر کیسے سرفراز کر سکتی ہے کہ وہ چاشت اور اشراق اور تہجد کے نوافل پڑھتے رہے، ذکر و شغل اور مراقبے کرتے رہے، حدیث و قرآن کے درس دیتے رہے، جزئیات فقہ کی پابندی اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کے اتباع کا سخت اہتمام فرماتے رہے اور تزکیہ نفس کی خانقاہوں میں دینداری کا وہ فن سکھاتے رہے جس میں حدیث و فقہ اور تصوف کی باریکیاں تو ساری موجود تھیں مگر ایک نہ تھی تو وہ حقیقی دینداری جو "سر داد نداد دست در دست یزید" کی کیفیت پیدا کرے اور "بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو نہ کھو سکا" کے مقام وفاداری پر پہنچائے۔ آپ دنیوی ریاستوں اور قوموں میں بھی وفادار اور غیر وفادار کی اتنی تمیز ضرور رہا پائیں گے کہ اگر ملک میں بغاوت ہو جائے یا ملک

کے کسی حصے پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو باغیوں اور دشمنوں کے تسلط کو جو لوگ جائز تسلیم کرلیں، یا ان کے تسلط پر راضی ہو جائیں اور ان کے ساتھ مغلوبانہ مصالحت کرلیں، یا ان کی سرپرستی میں کوئی ایسا نظام بنائیں جس میں اصلی اقتدار کی باگیں انہی کے ہاتھ میں رہیں اور کچھ ضمنی حقوق و اختیارات انہیں بھی مل جائیں، تو ایسے لوگوں کو کوئی ریاست اور کوئی قوم اپنا وفادار ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی خواہ وہ قومی فیشن کے کیسے ہی سخت پابند اور جزئی معاملات میں قومی قانون کے کتنے ہی شدید پیرو ہوں آج آپ کے سامنے زندہ مثالیں موجود ہیں کہ جو ملک جرمنی کے تسلط سے نکلے ہیں وہاں ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے جنہوں نے جرمن قبضے کے زمانے میں تعاون و مصالحت کی راہیں اختیار کی تھیں۔ ان سب ریاستوں اور قوموں کے پاس وفاداری کو جانچنے کا ایک ہی معیار ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص نے دشمن کے تسلط کی مزاحمت کس حد تک کی، اس کو مٹانے کے لئے کیا کام کیا اور اس اقتدار کو واپس لانے کی کیا کوشش کی جس کی وفاداری کا وہ مدعی تھا۔ پھر کیا معاذ اللہ خدا کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ اپنے وفاداروں کو پہچاننے کی اتنی تمیز بھی نہیں رکھتا جتنی دنیا کے ان کم عقل انسانوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بس ڈاڑھیوں کا طول، ٹخنوں اور پائنچوں کا فاصلہ، تسبیحوں کی گردش، اوراد و وظائف اور نوافل اور مراقبے کے مشاغل اور ایسی ہی چند اور چیزیں دیکھ کر ہی دھوکا کھا جائے گا کہ آپ اس کے سچے وفادار و جاں نثار ہیں؟

غلط فہمیاں

حضرات! اب میں ایک آخری بات کہہ کر اپنی تقریر ختم کردوں گا۔ عام مسلمانوں

کے ذہن پر ہماری قوتوں کے غلط تصورات کی وجہ سے جزئیات و ظواہر کی اہمیت کچھ اس طرح چھا گئی ہے کہ دین کے اصول و کلیات اور دینداری و اخلاقِ اسلامی کے حقیقی جوہر کی طرف خواہ کتنی ہی توجہ دلائی جائے، مگر لوگوں کے دماغ پھر پھرا کر انہی چھوٹے چھوٹے مسائل اور ذرا ذرا سی ظاہری چیزوں میں اٹک کر رہ جاتے ہیں جنہیں اصل دین بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس وبائے عام کے اثرات خود ہمارے بہت سے رفقاء اور ہمدردوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ میں اپنا پورا زور یہ سمجھانے میں صرف کرتا رہا ہوں کہ دین کی حقیقت کیا ہے، اور اس میں اصل اہمیت کن چیزوں کی ہے اور اس میں مقدم کیا ہے اور مؤخر کیا۔ لیکن ان ساری کوششوں کے بعد جب دیکھتا ہوں یہی دیکھتا ہوں کہ وہی ظاہر پرستی اور وہی اصول سے بڑھ کر فروع کی اہمیت دماغوں پر مسلط ہے۔ آج تین روز سے میرے پاس پرچوں کی بھرمار ہو رہی ہے جن میں سارا مطالبہ بس اس کا ہے کہ جماعت کے لوگوں کی ڈاڑھیاں بڑھوائی جائیں، پائنچے ٹخنوں سے اونچے کرائے جائیں، اور ایسے ہی دوسرے جزئیات کا اہتمام کرایا جائے۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں کے اس خیال کا بھی مجھے علم ہوا ہے کہ انہیں جماعت میں اس چیز کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے جس کو وہ "روحانیت" سے تعبیر کرتے ہیں مگر شاید خود نہیں بتا سکتے کہ یہ روحانیت فی الواقع ہے کیا شے۔ اس بنا پر ان کی رائے یہ ہے کہ نصب العین اور طریق کار تو اس جماعت کا اختیار کیا جائے اور تزکیۂ نفس و تربیتِ روحانی کے لئے خانقاہوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ ساری باتیں صاف بتاتی ہیں کہ ابھی تک ہماری تمام کوششوں کے باوجود لوگوں میں دین کا فہم پیدا نہیں ہوا ہے۔ میں ابھی آپ کے سامنے ایمان، اسلام،

تقویٰ اور احسان کی جو تشریح عرض کر چکا ہوں۔ اس میں اگر کوئی چیز قرآن و حدیث کی تعلیم سے تجاوز کر کے میں نے خود وضع کر دی ہو تو آپ بے تکلف اس کی نشان دہی فرمادیں۔ لیکن اگر آپ تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی رو سے یہی ان چاروں کی حقیقت ہے تو پھر خود ہی سوچئے کہ جہاں ایمان کے مقتضیات بھی پوری طرح متحقق نہ ہوں اور جہاں تقویٰ اور احسان کی جڑ ہی نہ پائی جاتی ہو وہاں آخر کون سی روحانیت پائی جا سکتی ہے جسے آپ تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ رہے وہ جزئیات شرع جن کو آپ نے دین کے اولین مطالبات میں شمار کر رکھا ہے، تو ان کا حقیقی مقام میں آپ کے سامنے پھر ایک مرتبہ صاف صاف واضح کئے دیتا ہوں تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔

سب سے پہلے ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول دنیا میں کس غرض کے لئے بھیجے ہیں۔ دنیا میں آخر کس چیز کی کمی تھی، کیا خرابی پائی جاتی تھی، جسے رفع کرنے کے لئے انبیاء کو مبعوث کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ کیا وہ یہ تھی کہ لوگ ڈاڑھیاں نہ رکھتے تھے اور انہیں رکھوانے کے لئے رسول بھیجے گئے، یا یہ کہ لوگ ٹخنے ڈھانکے رہتے تھے اور انبیاء کے ذریعے سے انہیں کھلوانا مقصود تھا؟ یا وہ چند سنتیں جن کے اہتمام کا آپ لوگوں میں بہت چرچا ہے، دنیا میں جاری نہ تھیں اور انہی کو جاری کرنے کے لئے انبیاء کی ضرورت تھی؟ ان سوالات پر آپ غور کریں گے تو خود ہی کہہ دیں گے کہ نہ اصل خرابیاں یہ تھیں اور نہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصود یہ تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ وہ اصل خرابیاں کیا تھیں جنہیں دور کرنا مطلوب تھا اور وہ حقیقی بھلائیاں کیا تھیں جنہیں قائم کرنے کی ضرورت تھی؟ اس

کا جواب آپ اس کے سوا اور کیا دے سکتے ہیں کہ خدا کی اطاعت و بندگی سے انحراف، خود ساختہ اصول و قوانین کی پیروی، اور خدا کے سامنے ذمہ داری و جواب دہی کا عدم احساس، وہ اصل خرابیاں تھیں جو دنیا میں رونما ہو گئی تھیں۔ انہی کی بدولت اخلاقِ فاسدہ پیدا ہوئے، غلط اصول زندگی رائج ہوئے اور زمین میں فساد برپا ہوا۔ پھر انبیاء علیہم السلام اس غرض کے لئے بھیجے گئے کہ انسانوں میں خدا کی بندگی و وفاداری اور اس کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا کیا جائے، اخلاق فاضلہ کو نشوونما دیا جائے اور انسانی زندگی کا نظام ان اصولوں پر قائم کیا جائے جن سے خیر و صلاح ابھرے اور شر و فساد دبے۔ یہی ایک مقصد تمام انبیاء کی بعثت کا تھا۔ اور آخر کار اسی مقصد کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔

اب دیکھئے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کس ترتیب و تدریج کے ساتھ کام کیا۔ سب سے پہلے آپ نے ایمان کی دعوت دی اور اس کو وسیع ترین بنیادوں پر پختہ و مستحکم فرمایا۔ پھر اس ایمان کے مقتضیات کے مطابق بتدریج اپنی تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اہلِ ایمان میں عملی اطاعت و فرمانبرداری (یعنی اسلام) اخلاقی طہارت (یعنی تقویٰ) اور خدا کی گہری محبت و وفاداری (یعنی احسان) کے اوصاف پیدا کئے۔ پھر ان مخلص مومنوں کی منظم سعی و جہد سے قدیم جاہلیت کے فاسد نظام کو ہٹانا اور اس کی جگہ قانون خداوندی کے اخلاقی و تمدنی اصولوں پر ایک نظام صالح قائم کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح جب یہ لوگ اپنے دل و دماغ، نفس و اخلاق، افکار و اعمال، جملہ حیثیات سے واقعی مسلم، متقی اور محسن بن گئے اور اس کام میں لگ گئے جو اللہ تعالیٰ کے وفاداروں کو کرنا چاہیئے تھا۔ تب آپ نے

ان کو بنانا شروع کیا کہ وضع قطع، لباس، کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے اور دوسری ظاہری برتاؤ میں وہ مہذب آداب واطوار کون سے ہیں جو متقیوں کو زیب دیتے ہیں۔ گویا پہلے مِس خام کو کندن بنایا پھر اس پر اشرفی کا ٹھپہ لگایا۔ پہلے سپاہی تیار کئے پھر انہیں وردی پہنائی۔ یہی اس کام کی صحیح ترتیب ہے جو قرآن و حدیث کے غائر مطالعہ سے صاف نظر آتی ہے۔ اگر اتباع سنت نام ہے اس طرز عمل کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کرنے کے لئے ہدایت الٰہی کے تحت اختیار کیا تھا، تو یقیناً یہ سنت کی پیروی نہیں بلکہ اس کی خلاف ورزی ہے کہ حقیقی مومن، مسلم، متقی اور محسن بنائے بغیر لوگوں کو متقیوں کے ظاہری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے اور محسنین کے سے چند مشہور و مقبولِ عام افعال کی نقل اتروائی جائے۔ یہ سیسے اور تانبے کے ٹکڑوں پر اشرفی کا ٹھپہ لگا کر بازار میں ان کو چلا دینا، اور سپاہیت، وفاداری اور جاں نثاری پیدا کئے بغیر نرے وردی پوش نمائشی سپاہیوں کو میدان میں لا کھڑا کرنا، میرے نزدیک تو ایک کھلی ہوئی جعل سازی ہے، اور اسی جعل سازی کا نتیجہ ہے کہ نہ بازار میں آپ کی ان جعلی اشرفیوں کی کوئی قیمت اٹھتی ہے اور نہ میدان میں آپ کے ان نمائشی سپاہیوں کی بھیڑ سے کوئی معرکہ سر ہوتا ہے۔

پھر آپ کیا سمجھتے ہیں کہ خدا کے ہاں اصلی قدر کس چیز کی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص سچا ایمان رکھتا ہے، فرض شناس ہے، اخلاق صالحہ سے متصف ہے، حدود اللہ کا پابند ہے اور خدا کی وفاداری و جاں نثاری کا حق ادا کر دیتا ہے، مگر ظاہری فیشن کے اعتبار سے ناقص اور ظاہری تہذیب کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ اس کی حیثیت

زیادہ سے زیادہ بس یہی تو ہوگی کہ ایک اچھا ملازم ہے، مگر ذرا بدتمیز ہے۔ ممکن ہے اس بدتمیزی کی وجہ سے اس کو مراتبِ عالیہ نصیب نہ ہو سکیں، مگر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس قصور میں اس کی وفاداری کا اجر بھی مارا جائے گا اور اس کا مالک صرف، اس لئے اسے جہنم میں جھونک دے گا کہ وہ خوش وضع اور خوش اطوار نہ تھا؟ فرض کیجئے کہ ایک دوسرا شخص ہے جو بہترین شرعی فیشن میں رہتا ہے اور آدابِ تہذیب کے التزام میں کمال درجہ محتاط ہے، مگر اس کی وفاداری میں نقص ہے اس کی فرض شناسی میں کمی ہے۔ اس کی غیرتِ ایمانی میں خامی ہے۔ آپ کیا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس نقص کے ساتھ اس ظاہری کمال کی مدد سے حد کتنی قدر خدا کے ہاں ہوگی؟ یہ مسئلہ تو کوئی گہرا اور پیچیدہ قانونی مسئلہ نہیں ہے جسے سمجھنے کے لئے کتابیں کھنگالنے کی ضرورت ہو۔ محض عقل عام سے ہی ہر آدمی جان سکتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں سے اصلی قدر کی مستحق کونسی چیز ہے۔ دنیا کے کم عقل لوگ بھی اتنی تمیز ضرور رکھتے ہیں کہ حقیقت میں قابلِ قدر شے کیا ہے۔ یہ انگریزی حکومت آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ لوگ جیسے کچھ فیشن پرست ہیں اور ظاہری آداب و اطوار پر جس طرح جان دیتے ہیں اس کا حال آپ کو معلوم ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ ان کے ہاں اصلی قدر کس چیز کی ہے؟ جو فوجی افسران کی سلطنت کا جھنڈا بلند کرنے میں اپنے دل و دماغ اور جسم و جان کی ساری قوتیں صرف کر دے اور فیصلے کے وقت پر کوئی قربانی دینے میں دریغ نہ کرے وہ خواہ ان کے نقطۂ نظر سے کتنا ہی اجڈ اور گنوار ہو، کسی کی دن شیوہ نہ کرتا ہو، بے ڈھنگا لباس پہنتا ہو، کھانے پینے کی ذرا تمیز نہ رکھتا ہو، رقص کے فن سے نابلد ہو، مگر ان

سارے عیوب کے باوجود اس کو وہ سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور اسے ترقی کے بلند ترین مرتبے دیں گے۔ بخلاف اس کے جو شخص فیشن، تہذیب، خوش تمیزی اور سوسائٹی کے مقبولِ عام اطوار کا معیاری مجسمہ ہو لیکن وفاداری وجاں نثاری میں ناقص ہو اور کام کے وقت پر فرض اور تقاضائے غیرتِ قومی کے مقابلہ میں اپنی جان، اپنی راحت اور اپنے مصالح کا زیادہ لحاظ کر جائے اسے وہ کوئی عزت کا مقام دینا تو درکنار شاید اس کا کورٹ مارشل کرنے میں بھی دریغ نہ کریں۔ یہ جب دنیا کے کم عقل انسانوں کی معرفت کا حال ہے تو اپنے خدا کے متعلق آپ کا کیا گمان ہے؟ کیا وہ سونے اور پیتل میں تمیز کرنے کے بجائے محض سطح پر اشرفی کا ٹھپہ دیکھ کر اشرفی کی قیمت اور پیسے کا ٹھپہ دیکھ کر پیسے کی قیمت لگا دے گا؟

میری اس گذارش کو یہ معنی نہ پہنایئے کہ میں ظاہری محاسن کی نفی کرنا چاہتا ہوں، یا ان احکام کی تعمیل کو غیر ضروری قرار دے رہا ہوں جو زندگی کے ظاہری پہلوؤں کی اصلاح ودرستی کے متعلق دیئے گئے ہیں۔ درحقیقت میں تو اس کا قائل ہوں کہ بندۂ مومن کو ہر اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے جو خدا اور رسول نے دیا ہو، اور یہ بھی مانتا ہوں کہ دین انسان کے باطن اور ظاہر دونوں کو درست کرنا چاہتا ہے لیکن جو چیز میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مقدم چیز باطن ہے نہ کہ ظاہر پہلے باطن میں حقیقت کا جوہر پیدا کرنے کی فکر کیجئے، پھر ظاہر کو حقیقت کے مطابق ڈھالیئے۔ آپ کو سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ان اوصاف کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جو اللہ کے ہاں اصلی قدر کے مستحق ہیں اور جنہیں نشو ونما دینا انبیا علیہم السلام کی بعثت کا اصلی مقصود تھا۔ ظاہر کی آراستگی، ذلّ تو ان اوصاف

کے نتیجے میں فطرۃً خود ہی ہوتی چلی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کسر رہ جائے تو تکمیل مراحل میں اس کا اہتمام بھی کیا جا سکتا ہے۔

دوستو اور رفیقو! میں نے بیماری کے اور کمزوری کے باوجود آج یہ طویل تقریر آپ کے سامنے صرف اس لئے کی ہے کہ میں امر حق کو پوری وضاحت کے ساتھ آپ تک پہنچا کر خدا کے حضور بری الذمہ ہونا چاہتا ہوں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کی مہلت عمر آن پوری ہو۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حق پہنچانے کی جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے اس سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اگر کوئی امر وضاحت طلب ہو تو پوچھ لیجئے، اگر میں نے کوئی بات خلاف حق بیان کی ہو تو اس کی تردید کیجئے، اور اگر میں نے ٹھیک ٹھیک حق آپ تک پہنچا دیا ہے تو اس کی گواہی دیجئے (آوازیں، ہم گواہ ہیں) آپ بھی گواہ رہیں اور خدا بھی گواہ ہو۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے اور آپ سب کو اپنے دین کا صحیح فہم بخشے اور اس فہم کے مطابق دین کے سارے تقاضے اور مطالبے پورے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور اجتماع کی کارروائی بھی ختم ہو گئی۔

تحریک اسلامی پاکستان
مردان